مطالعہ افکار مغرب

قرآن وسنت کی روشنی میں حصول علم کے اصول ومبادی'
موجودہ نظام تعلیم پر مغربی فکر کے اثرات کا جائزہ

مسلم معاشرے کا نظام تعلیم

تحقیقی وتنقیدی جائزہ

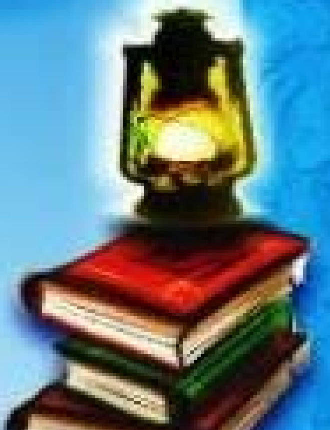

تصنیف

پروفیسر مفتی محمد احمد

مسلم معاشرے کا نظام تعلیم

تحقیقی و تنقیدی جائزہ

تصنیف

پروفیسر مفتی محمد احمد

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

موضوع: مسلم معاشرے کا نظام تعلیم

مصنف : پروفیسر مفتی محمد احمد

0347-7645789 (m.ahmad.pk1@gmail.com)

تزئین : علی حسن، فیصل آباد 0300-6619124

ڈیزائنگ :

طبع اول :

کتاب ملنے کا پتہ

مکتبہ اسلامیہ : بیسمنٹ اٹلس بینک کوتوالی روڈ فیصل آباد

041-2631402, 2034256

انتساب

سید المرسلیں، خاتم الانبیاء

امام المعلمین کے نام

فہرست

- پیش لفظ 11
- خلاصہِ کتاب 14

باب اوّل

تعلیم کے بارے میں بنیادی نظریات

فصل اول : تعلیم کی بنیاد 26

حصول معاش کیلئے تعلیم حاصل کرنا 28

علم کا کون سا حصہ نصاب تعلیم ہونا چاہیے 29

کون سا علم نفع نہیں دیتا 31

کثیر علوم میں سے نصاب کس کو بنائیں 32

حقائق نامہ تعلیم 34

تعلیم اور مغربی NGOS 35

سکولز میں طریق تدریس 37

تصور تعلیم کے بارے میں نظریاتی مغالطے: 39

فصل دوم : مغربی فلسفہ تعلیم 42

بچوں کی تعلیم میں ایک غلط فہمی 42

مغربی فلسفہ تعلیم کی بنیادیں 44

سائنٹیفک میتھڈ(scientific method) 46

علم کمرشل ہو گیا 53

تعلیم میں مذہبی مداخلت پر سیکولر طبقہ کے خدشات اور اعتراضات 56

مغربی مفکرین اور تعلیم 62

افلاطون کا نظریہ تعلیم 63

ارسطو کا نظریہ تعلیم 64

روسو کا نظریہ تعلیم 64

تنقیدی جائزہ 65

فصل سوم : مغربی تصور علم اور اسلامی تصور علم کا تقابلی جائزہ 69

کن معلومات کو معاشرہ علم کا درجہ دیتا ہے 72

ماخذ علم: 75

موضوع علم، علم اور ماخذ علم کا باہمی ناتا 76

علم عقیدے سے جنم لیتا ہے 77

اسلامی و مغربی تناظر میں فرق 79

علم کے باب سے مابعد الطبیعات کا سوال خارج 80

اہلِ مغرب کے نزدیک علم کی بنیاد شک پر 82

عصر حاضر میں علم کی بنیاد شک پر: 82

سیکولر معاشرے اور مسلم معاشرے کا عالم: 82

الباب الثانی

پاکستان کا نظام تعلیم۔تعارفی وتجزیاتی جائزہ

فصل اول: پاکستان میں مختلف نظام ہائے تعلیم 88

برٹش راج کے مسلمانوں کی تعلیم کے اثرات 90

پاکستان میں مختلف نظام ہائے تعلیم 98

سرکاری تعلیمی ادارے 98

سرسید احمد خان اور علی گڑھ: 100

علی گڑھ کے حالات: 102

سرسید کے تعلیمی نظریے 104

تحریک علی گڑھ 108

دارالعلوم دیوبند 113

ندوۃ العلماءٔ لکھنؤ 115

مذہبی و دینی تعلیمی ادارے: 119

پرائیویٹ تعلیمی ادارے 121

فصل دوم: پاکستان کی تعلیمی پالیسی 130

علومِ اسلامی کے حوالہ سے بنائی گئی پالیسیوں کا جائزہ 131

علومِ عصریہ کی اسلامائزیشن 139

فصل سوم: پاکستانی نظام تعلیم پر اثر انداز ہونے والے عوامل 142

خارجی دباؤ 143

بیرونی قرضوں کی حقیقت 144

عورتوں کی ذہن سازی 148

اہل مغرب کی دیگر اقوام پر تعلیمی امور میں مداخلت 150

سیکولر تنظیمیں 152

الباب الثالث

نظام تعلیم پر مغربی فکر کے اثرات 159

فصل اول: پرائمری تعلیم پر اثرات 163

پرائمری حصہ کی تصاویر کا جائزہ 165

فصل دوم: مڈل حصہ کے نصاب کا تنقیدی جائزہ 169

مڈل حصہ کی عربی 171

کمپیوٹر 172

جغرافیہ 173

تاریخ 177

صوبہ سندھ کا نصاب 179

الباب الرابع

نصابی مضامین پر مغربی فکر کے اثرات

فصل اول : سوشل سائنسز (social science) 184

معاشیات 194

کمرشل لائزیشن	196
نظریاتی فرق پر مبنی تصورِ معیشت کی تعلیم	200
تاریخ	201
مغربی تصورِ عدل کیا ہے	202
علمِ قانون	205
زبان وادب	207
اسلامیات کے نصاب کا جائزہ	209
انگلش کے سلیبس کا تنقیدی جائزہ:	211
فصل دوم: (بیسک سائنسز Basic Sciences)	222
سائنسی علوم سے امت مسلمہ کو دور کرنے کے اقدام	226
سات رنگا تضاد	232
نصابی اصول شکنی کے چند مزید نمونے	240
فصل سوم: مذہبی نصاب پر مغربی فکر کے اثرات	246

الباب الخامس

تعلیمی ماحول پر مغربی فکر کے اثرات

فصل اول: غیر نصابی اثرات	256
کو۔ایجوکیشن سسٹم، اوراس کی تاریخ	257
تعلیمی اداروں کا انداز تعمیر	260
اندورنی ماحول	259

مخلوط نظام تعلیم 259

فصل دوم: ہم نصابی سرگرمیوں پر مغربی فکر کے اثرات 266

کھیلیں: 266

تقریبات 267

تعلیم نسواں 268

مرد و عورت میں طبعی فرق 273

موجودہ نظامِ تعلیم مشاہیر کی نظر میں 276

خلاصۃ البحث 277

تجاویز 289

کتابیات 294

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o

قوموں کے باہمی ایک دوسرے پر غلبہ پانے اور ایک دوسرے پر فتح حاصل کرنے اور دوسروں سے اہم متصور ہونے میں وہی قوم نمایاں کردار ادا کرتی ہے جو عظیم تصور عدل کی داعی ہو۔ اور علمی میدان میں اپنے تصور عدل کی فوقیت وعلویت بھی ثابت کر سکے کسی قوم کی عسکری و مادی فتح کی بقاء بھی اس عمل کے بغیر ممکن نہیں۔ فاتح قوم اپنی فتح کے دوام کے لئے یا تو اپنے تصور عدل کو علمی دلائل سے مستحکم کرتی ہے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو مضبوط علمی دلائل پر قائم کوئی دوسرا تصور عدل اختیار کر لیتی ہے وگرنہ ناپختہ علمی دلائل پر کھڑا تصور عدل محکومین میں بغاوت پیدا کرتا ہے۔

علمی میدان میں استحکام کے بغیر محض عسکری غلبہ دیرپا نہیں ہوا کرتا۔ انسانی تاریخ میں تہذیبی ترقی اور تمدنی ارتقاء کا موثر ترین ذریعہ تعلیم ہے۔ تعلیم انسانی اذہان میں تبدیلی کے ذریعے انسانی کردار کی تعمیر وتخریب کا باعث بنتی ہے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کسی علاقے کا نظام تعلیم وہاں کے باشندوں کے نظریہ حیات، ترجیحات اور سماجی و مذہبی اقدار کے تحفظ کا ضامن ہوتا ہے۔ اور اگر یہ نظام تعلیم صحیح خطوط پر استوار نہ ہو تو قوم اپنے مقصد حیات اور نصب العین سے دور جا نکلتی

ہے۔ علم کی اہمیت اور علمی تناظر کا درست ہونا کس قدر اہم ہے۔ دین کا طالب علم اس بات کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے کیونکہ دین مبین کی پہلی وحی ہی تعلیم کے بارے میں ہے اور ابتداء میں ہی تعلیمی تناظر کی درستگی کروادی گئی ہے۔

اقرأ باسم ربک الذی خلق

ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا ہے۔

یعنی مسلمان صرف معلومات ہی اکٹھی نہیں کرتا بلکہ معلومات کو اس تناظر میں جمع کرتا ہے کہ یہ معلومات معرفتِ الٰہی کا باعث بنی چاہیے تب علم کا مقصد پورا ہوتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جب الذی خلق کے تناظر میں کوئی بھی علم حاصل کیا جائے۔ وہ دینی معلومات ہوں یا کہ سماجی، معاشی، معاشرتی یا پھر سائنسی ادراکات ہوں ہر ایک معرفتِ خداوند کریم پیدا کرتی ہیں۔

تعلیم پر جس قسم کے اثرات ہوں گے، معاشرے کے رجحانات پر اس کا اثر مرتب ہوتا ہے۔ مسلم معاشرے میں چلنے والے نظامِ تعلیم کو اسلامی فکر کے علاوہ کسی بھی دوسری فکر سے پاک رکھنا اس وقت کے صاحب علم افراد کی ذمہ داری ہوتی ہے تا کہ معاشرے کے رجحانات اور ترجیحات اسلامی مزاج کے مطابق ہوں۔ اگر علم کے میدان مین ایک قوم اپنے اہداف و مقاصد سے جاہل ہو جائے اور دیگر اقوام کے زیر اثر علمی کاوشیں اور تحقیقات جاری ہوں تو نتیجتاً فکری غلامی اور اپنے اقدار سے بغاوت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر تحقیق ہذا میں،، مسلم معاشرے کے نظام کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ پاکستان کے تناظر میں لیا گیا ہے۔ کہ نظریاتی اساس پر قائم کئے جانے والے اس ملک کا نظامِ تعلیم نظریہ پاکستان کے

عین مطابق ہے یا کہ فکری تضاد موجود ہے۔اس ضمن میں پہلے باب میں تعلیم کے بارے میں بنیادی نظریات اوراس کا اسلامی نظریہ تعلیم سے تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

باب دوئم میں خاص طور پر پاکستان کے نظامِ تعلیم کا تعارفی وتجزیاتی جائزہ پیش کرتے ہوئے ، پاکستان میں مختلف نظام ہائے تعلیم
سرکاری وغیر سرکاری کے ساتھ ساتھ دینی مدارس کا معاشرے کی تشکیل سازی میں کردار واثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس کے علاوہ پاکستانی نظام تعلیم پر اثر انداز ہونے والے خارجی عوامل اورقومی تعلیمی پالیسیوں پر بات کی گئی ہے۔ باب سوم میں پرائمری، مڈل اور سیکنڈری کلاسز کی نصابی کتب کا جائزہ لیا گیا ہے۔باب چہارم میں مختلف نصابی مضامین کی تدریس اور تناظر پر مغربی فکر کے اثرات کونمایا کیا گیا ہے ۔آخری باب میں تعلیمی ماحول اور دیگر ہم نصابی سرگرمیوں پر مغربی فکر کے اثرات کا جائزہ لینے کے علاوہ مشاہیر کی اس موجودہ نظام کے بارے میں آراء اورتبصروں کو بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

تا کہ تحقیق ہٰذ کے ذریعہ اسلامی نظریہ تعلیم اوراس کے اثرات ونتائج نکھر کر سامنے آنے کے علاوہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہمارے لئے کوئی مضبوط تعلیمی لائحہ عمل طے کرنے راہ ہموار ہو۔

طالب دعا: محمد احمد

فاضل جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد

متخصص جامعہ انوار القران، کراچی

شب جمعہ:۲۹ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الصلاۃ والسلام علی سیدالمرسلین

تربیت کے حوالے سے بچے کی عمر کے ابتدائی ۱۵ سال نہایت اہم ہوتے ہیں بعض حضرات نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ انسان کی شخصیت میں ۱۸ سال کی عمر کے بعد کوئی بڑی تبدیلی پیدا نہیں کی جاسکتی بلاشبہ تہذیبی ترقی اور تمدنی ارتقاء کا موثر ترین ذریعہ تعلیم ہی ہے۔ تعلیم سے اقوام کے اذہان کو کسی بھی خاص قالب میں ڈھالا جاسکتا ہے اسی لئے انبیاء کو معلم بنا کر بھیجا گیا۔قوم جو بھی سوچ ،فکر، عقیدہ اپنائے اس کا تمدنی نقشہ اور خارجی نظام انہی نظریات کے ہم آہنگ ہوتا ہے۔

اگر ایسا نہ ہو تو افراد اپنے خارجی نظام (سیاسی ،معاشی ،سماجی) کے خلاف بغاوت کر دیتے ہیں یا پھر شدید اضطراب کی کیفیت باقی رہتی ہے جب تک کہ قوم نظام زندگی کو تبدیل کر کے اپنے عقائد وافکار کے ہم آہنگ نہ کرلیں جیسا کہ موسیٰ ؑ کی تمام تر سرگرمیاں دعوتی تھیں لوگوں کو توحید و رسالت کا قائل کرنے اور عقیدہ آخرت پر یقین محکم رکھنے کو کہتے مگر فرعون یہ دعویٰ کر رہا تھا یرید ان یخرکم من ارضکم فما ذا تامرون (اعراف:۱۱۰)

ترجمہ :یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کردے سو تم لوگ کیا مشورہ

دیتے ہو۔ کیونکہ انسان جو بھی عقیدہ اور ذہنیت اختیار کرتا ہے اپنے خارجی نظام کو ویسا ہی دیکھنا چاہتا ہے جو اس کے نظریات کے موافق ہو۔ اس لئے فرعون عقیدہ کی محنت کو ہی اپنی حکومت کیلئے خطرہ گردان رہا تھا۔

۱۷ ء صدی کے بعد مغربی اقوام بہت سی دوسری اقوام پر بلواسطہ یا بلاواسطہ تسلط حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں جن اقوام کو بھی اپنے زیر اثر لائے ان پر اپنے نو آبادیاتی نظام کی بقاء و استحکام اور مزاحمت سے بچنے کیلئے ان کے مقتدر افراد کی ذہن سازی کی گئی اور عوامی رائے کو نظام کے راست متناسب بنانے کے لیے نظام تعلیم کا ڈھانچہ تشکیل دیا گیا اور صدیوں سے رائج نظام تعلیم اور تعلیمی تناظر تبدیل کر دیا گیا کیونکہ اس کے بغیر کسی قوم پر تسلط باقی رکھنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی تھا۔

دل بدل جاتے ہیں تعلیم کے بدل جانے سے۔

۱۹ صدی کی ابتداء سے نظام تعلیم کو تبدیل کرنے کی جو کوشش ہو رہی تھی ۱۹ صدی کے اختتام تک برصغیر کا مکمل نظام تعلیم خاص طور پر تعلیمی تناظر تبدیل کر دیا گیا کیونکہ کوئی بھی نظامِ تعلیم صرف علم فراہم نہیں کرتا بلکہ ایک مخصوص طرز زندگی نظام حیات پر ایمان کو مضبوط بھی کر رہا ہوتا ہے۔ اس وقت دنیا میں قائم تعلیمی نظام جن کی سرپرستی حکومتیں کر رہی ہیں خواہ عالم کفر ہو یا عالم اسلام کے نمائندہ ممالک انکے تمام نظام ہائے تعلیم اپنے درج ذیل اہداف کے اعتبار سے مشترک ہیں۔

۱: صرف سائیٹفک میتھڈ کے ذریعے حاصل کیا ہوا علم ہی قابل اعتماد ہے

۲: فرد اور معاشرے کا لامتناہی حد تک آزاد ہونے کا شعور اجاگر کرنا (حق آزادی

۳: لبرل ریاست کے خدوخال واضح کرنا تاکہ اس راست متناسب شخصیت کا احیا ہو۔

ان تین عنوانات کو آسان الفاظ میں یوں سمجھا جا سکتا ہے۔ 1: (وحی سے زیادہ عقل پر اعتماد) 2: (صحیح اور غلط کیا، جائز و ناجائز کیا ہے اس کا فیصلہ فرد یا معاشرہ کرے گا نہ کہ قرآن و سنت وغیرہ)۔ 3: (آسمانی راہنمائی کے بغیر نظام اجتماعی چلانے کے طریقہ کار کی وضاحت) امت کے مخلص افراد نے اصلاح تعلیم کے لئے مختلف کوششیں کیں جس کا مقصود امت مسلمہ کی فلاح و ترقی تھا۔ دو تعلیمی ادارے زیادہ مقبول ہوئے دیوبند اور علی گڑھ دونوں کے فاضلین اپنے مزاج، لباس ، رجحانات کے اعتبار سے گو کہ ایک دوسرے سے مختلف تھے لیکن یہ فرق اور اختلاف صرف سطحی نوعیت کا ہے۔ فلاح امت کیلئے کوشاں ان دونوں اداروں میں ایک فرق بہت بنیادی اور اساسی تھا اور آج تک باقی ہے وہ ہے تناظرِ تعلیم کا مختلف ہونا۔

علی گڑھ کی طرف منسوب نظام تعلیم کو شروع سے حکومتوں کی سرپرستی رہی ہے مخلصین کے اخلاص پر کوئی شک نہیں مگر حقیقت حال یہ ہے کہ یہ نظام بھی گذشتہ بیان کیے گئے تین اہداف کی تکمیل میں سرگرم عمل ہے عصری علوم کی تعلیم تو ہے مگر تناظر تبدیل کر دیا گیا۔ یہ بات واضح رہے کہ علم وہ روشنی ہے جو کسی نہ کسی خاص زاویہ پر ہی سفر کرتی ہے۔ اس روشی کو جس آئینہ (عقیدہ، تناظر) سے گزارا جاتا ہے وہی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ لہذا علم جس نظریہ اور عقیدہ سے علم حاصل کیا جاتا ہے ہر نو وارد تحقیق اس تناظر اور عقیدے کو محکم اور مسلّم ثابت کرتی ہے۔ قرآن کریم کی پہلی وحی میں تناظر علم کی درستگی کروائی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: اقرأ باسم ربک الذی خلق ترجمہ: پڑھ اپنے

رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا ہے۔

اقرأ کا مفعول محذوف ہے تعدد اشیاء کی وجہ سے کہ پڑھ! سب کچھ پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (ہر شے کو) پیدا کیا ہے۔ یعنی مسلمان صرف معلومات ہی اکٹھی نہیں کرتا بلکہ معلومات کو الذی خلق کے خاص تناظر میں جمع کرتا ہے کہ یہ معلومات معرفتِ الٰہی کا باعث بنی چاہیے تب علم کا مقصد پورا ہوتا ہے کیونکہ معرفت الٰہی ہی انسان کو اطاعت الٰہی پر آمادہ کرتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب الذی خلق کے تناظر میں مادی اشیاء کا علم حاصل کیا جاتا ہے تو مادے کے باہمی تعلقات اور اس کے مربوط نظام کا مطالعہ اِس کے خالق و مالک کا قبضہ وقدرت دل میں مؤجزن کرتا ہے ۔اگر علم صحیح تناظر میں حاصل نہ کیا جائے تو قرآن کا پڑھنا بھی انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔

دین و دنیا کے نام پر قائم ان اداروں (دیوبند، علی گڑھ) کو ایک چھت کے نیچے جمع کرنے کی کئی کوششیں ہوئیں اور ہو رہی ہیں لیکن امت گزشتہ سینکڑوں سال تک چلنے والا کامیاب نظام تعلیم (جس کا فاضل دینی علوم پر دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ مادی علوم وفنون کا ماہر ہوتا تھا) کے اجتماع کا کوئی نقشہ پیش نہ کر سکی کیونکہ ہر نیا ادارہ ان دو معروف اداروں میں سے کسی ایک پر بنیاد رکھتا ہے جبکہ یہ دونوں (دیوبند اور علی گڑھ) برصغیر کے خاص حالات و واقعات کے پیش نظر تعمیر کیے گئے تھے مقاصد تعلیم کو سامنے رکھ کر تعلیمی ڈھانچہ تشکیل نہیں دیا گیا تھا۔

مقاصد علم کا طے کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ مقاصد علم کے تبدیل ہونے سے تمام تفصیلی ڈھانچہ بھی تبدیل ہو جاتا ہے علم کا مقصد رضاء الٰہی یا معرفت خداوندی نہیں

بلکہ یہ تو تحصیل علم کا مقصد ہے۔مقاصد علم سے مراد یہ ہے کہ علم اپنے پڑھنے والے کو کس مقام تک لے جانا چاہتا ہے۔کیونکہ نصاب میں فراہم کردہ معلومات ایسی تو نہیں ہوسکتیں کہ تمام قسم کے علوم وفنون کی تدریس کی جائے بلکہ خاص مقصد کے تحت منتخب علوم ہی کی تعلیم دی جاسکتی ہے۔یعنی صرف ان معلومات کو تدریسی عمل میں شامل کیا جاتا ہے جن کے نہ جاننے سے حرج لازم آتا ہو۔جیسا کہ انبیاء ومرسلین کو گو کہ علم کثیر عطاء کیا جاتا تھا مگر وہ اپنے متبعین کو تعلیم دیتے وقت اس ترتیب کو پیش نظر رکھتے تھے کہ صرف انہی باتوں کی تعلیم دی جاتی جن کے نہ جاننے سے گمراہی وبے راہ روی کے شکار ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے یا حرج عظیم لازم آتا ہے۔

اسی لیے امام شاطبی اور دیگر علماء جب تمام شریعت مطہرہ کا جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تمام فراہم کردہ علوم نبوت یعنی تمام شریعت کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کے دین، جان، مال، عقل، نسل کے محافظ اصول وضع کرتی ہے ان امور خمسہ کا دفاع کرتی ہے ۔قرآن کریم نے شریعت اور علم دونوں پر نور کا لفظ بولا ہے

لہٰذا علم کا مقصد بھی یہ ہے کہ اس کو حاصل کرنے سے تحفظ دین، تحفظ جان ،تحفظ مال، تحفظ نسل، (عزت وناموس) کے دفاع کی اہلیت پیدا ہو جائے۔

بالفاظ دیگر مقاصد شریعت ہی مقاصد علم ہیں اگر کسی نظام تعلیم میں ان مقاصد کی تکمیل نہ ہو رہی ہو تو وہ نظام اصلاح کے قابل ہے خواہ اس نظام کی نسبت علی گڑھ کی طرف کی جائے یا اس نظام کی نسبت درس نظامی کی طرف ہو رہی ہو۔امت کا سابقہ طرز عمل یہ تھا کہ تمام مادی علوم اور دینی علوم کی تعلیم ایک درسگاہ میں دی جاتی تھی اور ہدف ان مقاصد کا دفاع ہوتا تھا ان اہداف کے تحفظ میں درج ذیل علوم کی تدریس کی جاتی۔

تحفظ دین	علم العقائد ، فہم القرآن ، احادیث وسیرت النبی ، تزکیہ نفس، عربی زبان وادب
تحفظ جان	جغرافیہ ،،فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، علم طب، جسمانی صحت، وعسکری تربیت
تحفظ مال	علم معاشیات، اصول تجارت، علم ذراعت ،صنعت وحرفت
تحفظ عقل	تاریخ ،فلسفہ، قوموں کا عروج وزوال ، حکایات ،ریاضی، علم عمرانیات
تحفظ نسل	جسمانی صحت، بیالوجی علم التعلیم

اس وقت مدارس کے تعلیمی نظام کی حیثیت اسلامی نظام تعلیم کی تو نہیں ہے البتہ ان کو دینی علوم میں تخصص کی درسگاہیں کہا جا سکتا ہے۔

مندجہ بالا دلائل سے ملتے جلتے دلائل دے کر علماء کرام کو اس بات پر آمادکرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ درس نظامی میں چند دوسری کتب داخل کر لی جائیں جس سے طالب علم ایک وقت میں دونوں نظاموں کی تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔مدارس میں پیدا کی جانے والی ذہنیت کو مسخ کرنے کے لئے اور مغربی ذہنیت کا اسیر بنانے کے لئے کبھی عصری تعلیم کا جھانسا دیا جاتا ہے۔کبھی بے روزگاری کا طعنہ دیا جاتا ہے ،کبھی ماڈل مدرسے قائم کئے جاتے ہیں۔درس نظامی کے دوران ایف ۔اے اور بی۔اے کی ڈگری کروانے کی ترغیب دی جاتی ہیں چشم کشائی کے لئے یہ انکشاف کافی ہوگا کہ اس طرح عنوانات پر کام کرنے والی ایجنیوز ،اور مختلف یونیورسٹی میں منعقد ہونے والے سیمینار تمام تر غیر مسلم مما لک سے فنڈڈ ہیں۔

بلاشبہ معاشی عدم استحکام مدارس کے نظام میں ایک بڑا خلاء ہے مگر اس خلاء کو

پر کرنے کا ایسا طریقہ بھی ہوسکتا ہے جس سے دینی حمیت اور مذہبی وثوق ماند نہ پڑے۔لہذٰا مدارس کا موجودہ نظام جیسا ہے ویسا ہی رہنا چاہیے۔کیونکہ اسباب سے تہی دامن ہونے کے باوجودان درس گاہوں کے فاضلین کی قرآن وسنت سے واقفیت اور آگاہی دیگر جدید درس گاہوں کے فاضلین سے کہیں زیادہ ہوتی ہے طالب علم کا محض الفاظ کوذہن نشین کرنے کی بجائے ان کی حقیقت کواپنے اندراتارنے کیلئے کوشاں ہوناانہی درسگاوں کا خاصہ ہے۔ہزاروں کمیوں کے باوجود برصغیر کے مدارس کا نظام تعلیم بے مثال ہے کہ معاشرے کا سب سے کم صلاحیت رکھنے والا طبقہ مدارس کا رخ کرتا ہے چندسال کی محنت کے بعدوہ افراد معاشرے میں آتے ہیں تو لوگ خواہش کرنے لگتے ہیں کہ یہ سائنس پڑھتے تو کیا کمال کرتے۔لہذا درس نظامی کوتبدیل کرنا کوئی دانش مندی نہ ہوگا البتہ ابتدائی تعلیم سے میٹرک تک کا صحیح تعلیمی ڈھانچہ مقاصدعلم کوپیش نظر رکھ کرتشکیل دیا جاسکتا ہے جومطلوبہ اہداف کوحاصل کرسکے اس کی اشدّضرورت بھی ہے۔

فکری زبوں حالی کے اس گرداب سے امت مسلمہ کوصرف اہل مدارس ہی نکال سکتے ہیں کیونکہ اصلاح تعلیم کا یہ بیڑا دیگر تعلیمی ادارے، پرائیویٹ سکول اور اکیڈمیاں نہیں اٹھاسکتے کیونکہ وہ کمرشل ازم کے جال میں اس طرح بندھے ہوئے ہیں کہ انہیں سرمایاکاری کے ڈوبنے کا اندیشہ کوئی ایسی تبدیلی نہیں کرنے دے گا جو لوگوں کے لئے پرکشش نہ ہو۔کمرشل ازم کی وجہ سے وہ اسلام کی نمائندگی بھی صرف اس جگہ کرتے ہیں اورکریں گے جولوگوں کے لیے پرکشش ہو۔

اگرعلم بمعنیٰ معرفت الٰہی کیا جاے توعلم کا درجہ ایک اہم ترین عبادت کا ہوتا ہے معلّم

اور متعلّم عبادت سمجھ کر تعلیمی عمل میں داخل ہوتے ہیں گزشتہ بارہ سو سال کا تاریخی عمل اس کا آئینہ دار ہے۔ لیکن اس وقت علم قابل فروخت نہیں رہتا۔ جب کوئی ادارہ علم کو قابل فروخت بنانا چاہتا ہے تو اس کا مقصد اور حقیقت تبدیل کرنا پڑتی ہے کمرشل ازم کے اس دور میں نظام تعلیم کو صحیح منہج پر صرف اہل مدارس قائم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس جال سے آزاد صرف مدارس ہیں اصلاح تعلیم کا موقعہ صرف اور صرف ان کے پاس ہے، عوامی رائے کے ہم آہنگ ہونے کے بعد بطور معاون دوسرے ادارے فلاح امت میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

امت مسلمہ کی حقیقی فلاح اور ترقی تب ہی ممکن ہے جب اس کا نظام تعلیم ان کے مقصد حیات کو مدنظر رکھ کر تشکیل دیا جائے غیر اقوام سے مستعار بنیاد لیکر تعمیر کیے گئے تعلیمی نقشہ کو جس قدر بھی قطع و برید کر کے اسلام کے سانچے میں ڈھالا جائے فلاح امت کیلئے کارآمد نہ ہوگا۔

اول خشت چونیند تا ثریا کج رود

جس دیوار کی پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھی جائے وہ بلندی میں خواہ ثریا ستارے تک پہنچے ٹیڑھی ہی رہے گی

غیر اقوام مختلف طریقوں سے امداد اور قرضہ جات کی شکل میں سماجی اور سائنسی علوم کے تناظر کو اپنے خاص قالب میں ڈھالنے کیلئے کوشاں ہیں کہ اس نظام کا فارغ التحصیل پڑھا لکھا ہونے کے باوجود قرآن وسنت سے نابلد ہو۔ تعلیمی اصلاح کی شکل میں نصابِ تعلیم میں تبدیلیاں، بیرون ملک این جی اوز سے اساتذہ کی تربیت دینا اور مخلوط نظام تعلیم کا جبراً نفاذ۔ گذشتہ دو سالوں میں ۲۵۰۰ سے زائد

سکولوں میں مخلوط تعلیم نافذ کرنا اور خواتین اساتذہ کی تعیناتی لڑکوں کے سکولوں میں یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حکومت تمام تعلیمی اداروں کو ہر سطح پر مخلوط بنانے کے عندیے پر کس قدر سنجیدہ ہے۔اس طرح کا تجربہ ۱۷صدی عیسوی میں فرانس پر کیا گیا جس وقت فرانس کی اکثریت آبادی عیسائیت سے وابستہ تھی سرکاری سکولوں میں مخلوط نظام تعلیم رائج ہونے پر مذہبی افراد نے خوب شور مچایا حتیٰ کہ اپنے بچوں کو سکول بھیجنا چھوڑ دیا۔آخر کب تک ایسا کرتے بالآخر بادل ناخواستہ انہی اداروں میں تعلیم دلوانا شروع کر دی کیونکہ دوسرا کوئی راستہ بھی تو نہ تھا۔

اہل مدارس کا ابتدائی تعلیمی ڈھانچہ شروع کرنے سے یہ سیلاب تھما نہ بھی تو طویل عرصہ کیلئے ملتوی ضرور ہوگا ان شاءاللہ یا کم از کم دین دار افراد کے لئے اچھی درسگاہیں تو ہوں گی جن میں اپنے بچوں کو تعلیم دے سکیں گے۔ایسی درسگاہوں کی امت کو اشد ضرورت ہے جن میں مقاصد تعلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامی تناظر میں تمام علوم کی تدریس کی جائے کیونکہ اس حقیقت کو نہیں جھٹلایا جا سکتا کہ کوئی مسلمان عملی طور پر دین سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو وہ اپنی اولاد کو ایک نیک سیرت، اچھا مسلمان، باصلاحیت اور بااخلاق دیکھنا چاہتا ہے۔واضح رہے کہ آرٹس کے مضامین میں میٹرک کا نظام جو بعض مدارس میں رائج ہے کسی طرح بھی مناسب نہیں اس لئے کہ امت کے صدقات ایسے سانچے کی تکمیل پر صرف ہوں گے جس کی پیداوار اسلامی اقدار کی محافظ اور امین بننے کو تیار نہ ہوگی۔

آپ حضرات سے گذارش ہے کہ ایسی درسگاہوں کے قیام میں معاون فرمائیں۔معاشی استحکام اور عصری فنون کے خلاء کو پر کرنے کیلئے درس نظامی سے قبل

اور پرائمری کے بعد پانچ سال کا مفید عرصہ ہوتا ہے اس عرصہ کو ممکنہ اقدامات کے ساتھ بروقار لاتے ہوئے درس نظامی سے قبل میٹرک تک کا ڈھانچہ بنایا جا سکتا ہے جو تحفظ دین، جان، مال کی اہلیت پیدا کرنے کے ساتھ میٹرک (سائنس) کی سند دلوا سکے۔ امت کے سابقہ طرز تعلیم میں طالب علم کو پندرہ یا سولہ سال کی عمر میں اس قابل بنا دیا جاتا تھا کہ وہ عملی زندگی میں قدم رکھنے کیلئے مکمل تیار ہونا۔امام شافعی، ملا جیون، شاہ ولی اللہ یا اسلاف میں سے کسی اور کی زندگی کا مطالعہ کر لیں آج طالب علم تیس سال کی عمر کلاسوں کی نظر کرتا ہے اور پھر بھی تحفظ دین، تحفظ مال، تحفظ جان کی اہلیت پیدا نہیں ہوتی۔

اہل علم سے اصلاحِ تعلیم سے متعلق بات کرنے کا موقع ملا تو تقریباً سب کی طرف سے اصلاح تعلیم کیلئے استاد کی فکر و سوچ کا صحیح ہونا اس مسئلہ کا حل طے پایا۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ استاد کا نعم البدل کوئی چیز نہیں ہوتی جو صرف الفاظ منتقل نہیں کرتا بلکہ بچے کی عادات و اخلاقیات پر بھی اثر انداز ہوتا ہے

مگر عصر حاضر کا خاص امتحانی سسٹم جس میں صرف الفاظ اور ضبطِ کتاب کا جائزہ تو لیا جاتا ہے طالب علم کی ایک خاص صلاحیت کو evaluate کیا جاتا ہے اس امتحانی نظم مین استاد سے زیادہ نصاب پر بچے کا فوکس ہوتا ہے حتیٰ کہ نصاب کو طویل سے طویل کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ بچے کو استاد کی شخصیت اور ذاتی اثراتات سے بچایا جاتا ہے کیونکہ مسلم معاشرے کا استاد کوئی بھی فن پڑھائے اس کی ذاتی دلچسپیاں بہر حال مذھب کے ساتھ ہوتی ہیں جو بچے پر اثر انداز ہوتی ہیں اس لئے نصاب پر زیادہ فوکس دلایا جاتا ہے۔مشرف دور میں اٹھارہویں ترمیم کے نام سے کی

گئی تبدیلی سے تمام تعلیمی امور وفاقی حکومت کی بجائے صوبائی حکومتوں کے پاس ہے اس ترمیم کا مکمل فائدہ بھی باطل طاقتیں اٹھا رہی ہیں ہر صوبہ کا نصاب تبدیل کیا جا رہا ہے اور عوام کو خبر تک نہیں۔ ہر علاقہ کے لوگوں کو ان کے مزاج کے مطابق قابو کیا جا تا ہے اور مائیکل باربر جیسے افراد حکومت کی نصابی پالیسیوں پر نگران ہیں پرائیوٹ سطح پر اصلاح کی ایک کوشش ممکن ہے لہٰذا نصاب کا صحیح ہونا ازحد ضروری ہے۔ کہ تمام مضامین کو صحیح تشکیل دیا جاے اسلامی تناظرِ تعلیم اور مغربی تناظرِ تعلیم میں فرق کو تفصیلاً کتاب میں بیان کیا گیا ہے موجودہ صورتحال تو یہ ہے کہ اسلام کے نام پر کی جانے والی ریسرچ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسلام معیشت، معاشرت اور سیاست کے نظام کے لئے جو تصورات پیش کرتا ہے اس کے قیام کے لئے ایسے احکامات کا بھی درس دیتا ہے جو ہر طرح کے دوسرے نظاموں کے قیام میں روکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں ریسرچ کے نام پر ان رکاوٹوں کو ہموار کیا جاتا ہے اور اسلام کے قائم کردہ بیریرز کو مولڈ کیا جاتا ہے تاکہ قائم شدہ نظام کے چلنے میں اسلامی احکام رکاوٹ نہ بنے۔ حالانکہ صحیح طریقہ یہ تھا کہ اسلامی بنیادوں سے انحراف کئے بغیر مسائل شریعت کو عوام کے لئے قابل عمل ہونے صورتوں کا تعین کیا جاتا مثلاً اسلام کے معاشی نظام کی بنیاد عین چیز پر ہے جبکہ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد دین پر ہے۔ اسی طرح قانون سازی کی بنیاد احکام الٰہی پر ہے جبکہ مغربی قانون سازی کی بنیاد حقوق پر ہے الگ الگ بنیادوں پر قائم عمارت بھی الگ ہوگی بہرحال جب تک کوئی صورت کارگر نہیں ہوتی اس وقت تک بچوں کو غیر اسلامی افکار سے بچانے کیلئے یہ طریقہ تدریس اختیار کیا جائے کہ جو چیز لازمی ہے لیکن اسلام کے موافق نہیں تو طالب علم کو تنقیدی جائزہ کی طرف متوجہ کر دیا

جائے ۔مکمل مضامین پڑھائے تو جائیں مگر تنقید کے ساتھ تا کہ طالب علم غیر اسلامی نظریات سے محفوظ رہتے ہوئے علم حاصل کرے تا کہ عملی زندگی اسلام کی ترجمان ہو۔

بابِ اوّل

تعلیم کے بارے میں بنیادی نظریات

فصل اول

تعلیم کی بنیاد:

تعلیم کے متعلق امت کا گذشتہ طرز عمل اور عصر حاضر کی ضروریات کو دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ نظام تعلیم کا مثبت ڈھانچہ بنانے کے لیے کسی موجودہ نظام کی نقالی امت کے لیے مضر اور نقصان دہ ہوگی کیونکہ مسلم دنیا پر اس وقت جو نظام رائج ہے یہ ایک خاص تاریخی تناظر، خاص حالات و واقعات کی وجہ سے اپنایا گیا ہے اسلامی نظریہ تعلیم کو سامنے رکھتے ہوئے امت کی فلاح و نجات کے لیے موجودہ نظام تعلیم تشکیل نہیں دیا گیا تھا وقتی حالات کے پیش نظر پالیسی بنائی گئی تھی۔ خاص طور پر برصغیر پاک و ہند میں خودمختار تعلیم کا نظام جو مدارس میں رائج ہے شاید یہ صرف اسی خطہ کی خصوصیت ہے۔

اسلامی نظریہ تعلیم محض الفاظ کی تعلیم دینے سے پورا نہیں ہوجاتا بلکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک لفظ خصوصیت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے "تعلیم و تربیت" ان دونوں پر اگر ایک لفظ بولا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے تادیب۔ "ادب سکھانا" کہ ہر چیز پر، ہر معاملے، اور ہر امر کو آداب کے ساتھ انجام دینے کی صلاحیت پیدا کرنا ہے۔ چاہے وہ امور دینی نوعیت کے ہوں یا دنیاوی معاملات و معاشرت کے ہوں

ارشاد نبوی ﷺ ہے: "**الدين كله ادب**" (الحدیث) ہے

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دین تو سارا کا سارا ادب ہی ہے

لہذا مسلم تصور علم کے مطابق محض الفاظ اور خالی نظریات سے روشناس کروانا علم نہیں

بلکہ ساتھ ہی اس کی زندگی کی سمت کو صحیح کرنا اخلاق و کردار کے ساتھ ساتھ اسلامی اقدار کا خوگر بنانا ہوتا ہے۔اس لیے ابتدائی سات سال تک نماز کا حکم بھی نہیں دیا گیا۔

یعنی سات سال سے قبل گو کہ رسمی تعلیم تو نہیں دی جاتی مگر ''تادیب'' ادب سکھانے کا عمل جاری رہتا ہے بچے کی تربیت، ماں کو گود ہی سے بلکہ دوران حمل ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔

☆ مباشرت کی دعا سیکھائی گئی۔

☆ پیدا ہوتے ہی کان میں اذان کہی گئی۔

☆ بچے کے ابتدائی کلمات سیکھائے گئے۔

پھر سات سال تک بچے سے صرف پیار و محبت کرنے کی ترغیب ہے۔اس کو کسی بھی قسم کے نفسیاتی اور اخلاقی دباؤ سے آزاد رکھتے ہوئے محبت و پیار کیا جاتا ہے اسے غیر محسوس طریقہ سے ادب سکھایا جاتا ہے یعنی تربیت کی جاتی ہے۔کہ کھانا دائیں ہاتھ سے کھاتے ہیں، آپ ﷺ بچوں کو ملتے تو آپ سلام میں پہل کرتے اور رک کر ان سے پیار کرتے۔اور شریعت نے کھانے پینے اور ضروریات زندگی کے آداب سیکھائے۔

عن عمر بن ابی سلمة وهو ابن ام سلمة زوج النبی صلی الله علیه وسلم قال اکلت یوماً مع رسول الله صلی الله علیه وسلم طعاماً فجعلت آکل من نواحی الصحفة فقال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم کل مما یلیک۔

(کتاب الاطعمۃ، بخاری حدیث نمبر 5)

عمر بن ابی سلمہ جو کہ ام المؤمنین ام سلمہ زوجہ نبی ﷺ کے بیٹے ہیں (ابوسلمہ سے) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ کے ساتھ کھانا کھایا میں رکابی (پلیٹ) کے چاروں جانب سے ہاتھ بڑھانے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنے نزدیک سے کھاؤ۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ قیمتی تحفہ جو والد نے اپنی اولاد کو دیا وہ اپنی اولاد کو حسن سلوک یعنی اچھے اخلاق سکھانا ہے۔

یہ تصور بالکل غلط ہے کہ بچے کو ابتدائی عمر میں تعلیم کے ذریعہ آزاد خیال سوچ کا مالک رکھنے والا فرد بنانا مطلوب ہے کہ وہ آزادانہ اقدار کا مالک ہو اور آزاد خیال، آزاد مشن، زندگی گذارنے کا خوگر ہو، جس طرح کی زندگی گزارنا چاہے کسی خارجی اثرات کا اس کی عملی زندگی پر اثر نہ ہونا چاہیے بلکہ اس کو اللہ کی بندگی کا خوگر بنانا چاہیے۔

حصول معاش کیلئے تعلیم حاصل کرنا:

ابتدائی تعلیم مقاصد شریعہ کی تکمیل کے پیش نظر دینی چاہے یعنی تحفظ دین ،جان، مال، عقل اور نسل کی اہلیت پیدا ہو جائے بچے کو اخلاق و عادات اور ترجیحات میں سنت کا خوگر بنایا جائے اور ابتدائی حصہ کے بعد تفصیلی علم یا تحقیق کرنے کے اس کے سامنے کئی راستے ہیں کہ وہ ماسٹر علوم شریعت میں کرے یا دیگر علوم مثلاً تاریخ، ریاضی، فزکس۔۔۔وغیرہ میں کرے بلا شبہ حلال معاش کی طلب شریعت میں مقصود

ہے اور اس پر اجر وثواب کا بھی وعدہ ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"التاجر الامین مع النّبیین و الصدیقین"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: امانت دار تاجر کا حشر کل قیامت کے دن انبیاء، شہداء، صالحین اور صدقین کے ساتھ ہوگا۔

البتہ سادہ زندگی کے طالب علم کو خوگر مہیا کیا جائے: ایک یہ وسوسہ کہ طالب علم کو سادہ زندگی کا عادی بنانے سے آئندہ زندگی سے دنیا کی چاہت اور ہوس اس کی زندگی سے نکل جائے۔ البتہ ایسا ہوتا نہیں ہے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ایک کشش رکھی ہے اس طرز تعلیم سے زندگی میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر نکل بھی جائے تو اس میں انسانیت کا کیا نقصان ہے۔ بلکہ فائد ہے کہ انسان چند ٹکوں کی خاطر اخلاقیات سے گرتا نہیں ہے بلکہ معزز اور باوقار فرد بن کر زندگی گزارے سادہ زندگی بہر حال بہتر ہے اور مزاج نبوت کے قریب ترین ہے۔

علم کا کون سا حصہ نصاب تعلیم ہونا چاہیے:

بلا شبہ علم کی بہت سی شاخیں ہیں جس طرح اسلام نے اس کا زاویہ طے فرمایا ہے کہ کس زاویہ پر رہتے ہوئے اس نور علم کو آگے بڑھانا ہے،

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اقراء باسم ربّک الذی خلق

ترجمہ ’’پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔

یعنی کائنات اوراس کے مختلف مظاہر کا مطالعہ اس زاویہ میں رہتے ہوئے کیا جائے کہ اس کے خالق و مالک کے قبضہ قدرت، غلبہ علویت، دل و دماغ میں نقش ہوجائے۔انسان پہاڑوں کی بلندی کے بارے میں جانکاری حاصل کرے یا ہواؤں اورسمندروں کا مطالعہ کرے یا پھر ایٹم کے جوڑ توڑ اور باہمی کیمیائی عمل کے بارے میں ادراک حاصل کرے یہ سب کچھ اس انداز سے کیا جائے کہ دل سے آواز نکلے یا اللہ آپ نے کیا ہی شاندار تخلیق کی ہے۔یہی مطلب ہے پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا ہے۔

تاکہ انسان ان چھوٹی چھوٹی حقیقتوں کے بارے میں مشاہداتی اور عقلی قوت سے اس طرح مطالعہ کرے کہ سب سے بڑی حقیقت (وجود باری تعالیٰ) تک اس کی رسائی ممکن ہوجائے اور انسان دل و زبان سے یہ کہہ اٹھے کہ وہ ایک ہی ہے جس نے یہ سب کچھ تخلیق کیا ہے اور وہی بندگی کے قابل ہے۔

جس طرح تحصیل علم کی سمت اور زاویہ متعین کیا گیا ہے اسی طرح علم کی اقسام بھی بتائی گئی ہیں۔امام شافعی کا قول ہے بعض نے حدیث موضوع بھی کہا ہے۔

” العلم علمان علم البدان علم الدیان “

اس کی تشریح عام محدثین نے یہی کی ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں (1) سرا علم ادیان یعنی مذاہب اور شرائع کا علم ہے۔(2) علم البدانی یعنی جسم انسانی کا مطالعہ

اس جملہ کے ظاہری الفاظ اس طرف اشارہ بھی کررہے ہیں کہ علم کی دو ہی قسمیں ہیں ایک ہے بدنوں کا علم یعنی مادہ اور Matter، تمام قسم کے اجسام مطالعہ اور معلومات

اور دوسرا علم دین یعنی طریقہ کار کا علم سسٹم اور نظام کا مطالعہ۔
مادہ اور اس کے باہمی نظام اور سسٹم و طریقہ کار کا مطالعہ اب عمومی معانی پر رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو اس قول کی تفہیم قدرے سہل ہے اور تمام موجودہ و گذشتہ علوم ان اقسام سے خارج نہیں ہیں بلکہ تمام علوم کی ایک معتدل و مناسب بالکل درست تقسیم ہے کہ تمام علوم یا تو مادہ جسم کی حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں یا اس کے نظام اور باہمی تعلق اور نظام پر گفتگو کرتے ہیں۔
دین شریعت بھی انسان کی زندگی گذارنے کے طریقہ کا نام ہے جس کی تعیین، تشریح و تفصیل انبیاء نے بیان کی ہے **واللہ اعلم بمرادہ**
بہر حال جملہ علوم پر علم کا لفظ بولا جاسکتا ہے پھر آپ ﷺ نے علوم میں کچھ کو نافع قرار دیا ہے اور کچھ کو غیر نافع قرار دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ
''علم نافع عطا فرما'' اور اس علم سے پناہ مانگی جو نفع نہ دے۔

کون سا علم نفع نہیں دیتا:

جو علم انسان کے مقصد حیات کی تکمیل میں بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر کسی طرح بھی معاون نہ ہو وہ علم (انتہائی باکمال ہونے کے باوجود بھی) انسانوں کے لیے غیر نافع ہی رہے گا۔
انسان کی حیات کا مقصد کیا ہے قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے ''**وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون**'' (القرآن)
ہم نے انسانوں اور جنوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بندگی ہی

انسان کی زندگی کا مقصد ہے اور اطاعت اور بندگی پر انسان کبھی آمادہ نہیں ہوتا بغیر معرفت الٰہی کے اور بغیر خدا کی پہچان کے۔

اور کسی بھی علم سے معرفت اسی وقت ہوگی جبکہ وہ علم صحیح تناظر میں ہو کہ معلومات کائنات کے جس حصہ کی بھی ہوں ذہن اس کے بنانے والے کی طرف جائے اور اس کا غلبہ وقدرت ذہن نشین ہو جائے شریعت طیبہ کا علم جو کہ عین نور حق ہے صحیح راہنمائی ہے اس کو بھی غیر نافع قرار دیا گیا ہے جبکہ اس کے ذریعے عمل عمل پر آمادہ نہ ہو۔ جو علم بھی انسان کی مقصد حیات کی تکمیل میں مُمِدّ ومعاون ثابت ہوگا وہ تمام علوم علوم نافع ہیں اس میں علوم شریعت بھی ہو سکتے ہیں اور علوم مادیہ بھی جبکہ ان کے مطالعہ سے ذات بابرکت کا یقین راسخ ہو۔

کثیر علوم میں سے نصاب کس کو بنائیں:

کثیر علوم اور ان کی بے شمار شاخیں علم نافع میں شامل ہیں تو کیا تعلیم کے عمل میں ہر علم کو نصاب میں شامل کیا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام علوم نافع کو شامل نصاب نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ایسا کرنا ممکن ہوتا ہے کہ کسی نصاب تعلیم میں تمام مقید علوم کا احاطہ کر دیا جائے۔

بلکہ اچھا نصاب وہ ہوتا ہے جس میں صرف ان علوم کو شامل کیا جاتا ہے جن کے نہ جاننے کی وجہ سے حرج لازم آئے یعنی نقصان ہوتا ہو۔ وہ حرج من الحیث الفرد ہو یا من حیث القوم ہو۔

شریعت کی روشنی میں نصاب سازی کی حدود طے کرنی ہو تو بظاہر میرے سامنے کوئی

صراحتاً نص (قرآن، حدیث) کی عبارت موجود نہیں۔ البتہ راہنمائی کے لیے قرائن ضرور موجود ہیں۔ اور یہ بھی شریعت مطہرہ کا حسن ہے جس چیز کو علاقے، ماحول و حالات کی وجہ سے بدلنا ہوتا ہے شریعت میں اس کی وضاحت صریح الفاظ میں نہیں کی جاتی بلکہ اس کے قرائن اور شواہد چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ تا کہ ہر خطہ، ہر قوم، ہر علاقہ اپنے حالات و ماحول کے مطابق راہنمائی اخذ کر لیں۔

حقائق نامہ تعلیم

(۱) ریاست کی ذمہ داری: قومیں افراد سے بنتی ہیں اور افراد کی کردار سازی کھیتوں اور کھلیانوں میں نہیں بلکہ تعلیم گاہوں میں ہوتی ہے۔ اگر استاد اور نصاب بہتر میسر آ جائے تو قوم کی یہ بنیادی اینٹیں پختہ تر ہونگی اور اگر نصاب اور استاد ناپختہ اور خام ہے تو پھر قوم کا خدا حافظ۔ ہم آج کل جو نصاب پڑھا رہے ہیں وہ نہ صرف بے مقصد ہے بلکہ نظریہ پاکستان سے عاری ہے اس نصاب کی تعلیم سے جو نسل پیدا ہوگی دیکھ لیں وہ ظاہر و باہر ہے۔

(۲) آرٹیکل 38 ڈی میں اور سہولتوں کے علاوہ سب شہریوں کو بلا امتیاز تعلیم دینے کا حکومت کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے جبکہ اٹھارہویں ترمیم میں دستور کے آرٹیکل نمبر 25 میں 25A کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جس کے مطابق پانچ سے 16 سال کی عمر تک تمام بچوں کے لیے تعلیم کا حصول لازمی قرار دیا گیا ہے۔

اٹھارہویں ترمیم کے بعد آئین کی کنکریٹ ایک نقطہ ہے لجسلیٹو لسٹ (Concurrent Legislative List) کی شق 38 اور 39 کو ختم کر کے

یہ کام صوبوں کے حوالے کر دیا گیا ہے ۔شق نمبر38 کے مطابق نصاب، سلیبس، پلاننگ ، پالیسی، سنٹرز آف ایکسی لینس اور سٹینڈرڈ آف ایجوکیشن وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی مشترکہ ذمہ داری تھی لیکن اب یہ ذمہ داری صرف صوبائی حکومتوں کی ہوگی ۔شق نمبر39 کو قرار داد مقاصد اور آئین کے آرٹیکل نمبر31 کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو پوری وضاحت ہوتی ہے۔ یہ کام بھی صوبائی حکومتوں کو سونپا گیا ہے۔

☆ اٹھارہویں ترمیم کے بعد قومی سطح پر تعلیمی یکسانیت اور ہم آہنگی ختم ہوگئی ہے۔ دنیا کے اکثر ملکوں میں کم ازکم نصاب کی حد تک قومی سطح پر کنٹرول ہوتا ہے مثلاً

☆ برطانیہ میں1988 سے مکمل طور پر مرکزی نصاب اور مرکزی امتحان کا قانون رائج ہے۔

☆ جرمنی اور فرانس میں نصاب اور امتحان پر مرکزی حکومت کا مکمل کنٹرول ہوتا ہے۔

☆ امریکہ میں ریاستیں اپنا نصاب بنا سکتی ہیں لیکن مقاصد تعلیم اور نصابی گائیڈ لائینز امریکہ کی وفاقی حکومت دیتی ہے۔

تعلیم اور مغربی NGOS

تعلیم ۔۔۔ ارباب بست وکشاد کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی ۔کبھی تو وہ اس کو پرائیویٹ سیکٹر کی معاونت سے اور کبھی انٹرنیشنل غیر مسلم ساہوکاروں کے حوالے کر کے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا چاہتی ہے مثلا یورپی ممالک کو یہ فکر مسلسل پریشان کیے ہوئے ہے کہ کہیں پاکستانی بچے تعلیم سے نہ رہ جائیں یورپی ممالک اور UNO کی درجنوں تنظیمیں پاکستان میں کھمبیوں کی طرح اگ آئی ہیں اور پہلے ان

سب کا بڑا نشانہ دینی مدارس تھے۔ انہیں یہ فکر دامن گیر تھی کہ مدارس اسلامیہ سے جہادی نوجوان پیدا ہو رہے ہیں۔ انہیں جدیدیت سکھائی جائے۔ لہذا انہیں مالی امداد دینے کے ساتھ ساتھ ان کے سلیبس اور نصاب کو بدلا گیا۔ مفت کمپیوٹرز لیب تیار کر کے دی گئیں تا کہ قال اللہ وقال رسول اللہ ﷺ کہنے والے انٹرنیٹ سے آگاہ ہو کے چیٹنگ کر سکیں اور غیر اخلاقی سائٹس دیکھ سکیں وغیرہ وغیرہ۔ ان کا دوسرا نشانہ حکومتی تعلیمی ادارے اور اساتذہ تھے۔ پاکستان میں اس وقت چار بڑی بڑی غیر سرکاری، غیر ملکی ایجنسیاں تعلیم کے میدان میں سرگرم ہیں اور پاکستان بچوں کو تعلیم دینے پر اربوں روپیہ صرف کر رہی ہیں۔ ان میں:

DFID ڈیپارٹمنٹ فار انٹرنیشنل ڈویلمنٹ (انگلینڈ)

اس کا رونا یہ ہے کہ ایک کروڑ بارہ لاکھ پاکستانی بچے تعلیم سے محروم ہیں۔ اس مقصد کے لیے صرف ایک سال میں 22 کروڑ 40 لاکھ پونڈ خرچ کیے جائیں گے۔

US AID یو ایس ایجنسی فار انٹرنیشنل ڈویلمنٹ (امریکہ)

اس کے مقاصد میں سکولوں کی دوبارہ بحالی ٹیچر ٹریننگ اور ہائیر ایجوکیشن میں طلباء و طالبات کے وظائف شامل ہیں۔ اس مقصد کے لیے لاکھوں امریکن ڈالر خرچ ہوں گے۔

AUS AID آسٹریلین ایجنسی فار انٹرنیشنل ڈویلمنٹ

یہ ادارہ خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں 1.56 ملین بچوں کو تعلیم کے ساتھ ساتھ کتب بھی فراہم کر رہا ہے جس پر 95 ملین ڈالر خرچ ہوں گے۔

NORAD نارویجن ایجنسی فار ڈویلمنٹ

یہ ادارہ گرلز سکولوں کی از سرِ نو تعمیر اور ہیڈ ماسٹرز کی ٹریننگ پر 31 ملین نوک صرف کر رہا ہے۔

اندازہ لگائیے کہ یہود و نصاریٰ کو ہمارے بچوں کی پڑھائی کی کتنی فکر ہے۔ مغرب اس بات کو بخوبی جان گیا ہے کہ قوموں کی اصل تسخیر عسکری میدانوں کی بجائے تعلیم گاہوں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

قومی زبان تدریس، تحقیق اور امتحانات کا ذریعہ

دنیا کی پانچ ہزار سالہ تحریر شدہ تاریخ میں کوئی قوم بھی ایسی نہیں جس نے کسی دوسرے کی زبان میں علم حاصل کیا ہو اور ترقی کی ہو مگر ہمیں گذشتہ 68 سال سے ایک سبق طوطے کی طرح رٹایا گیا ہے کہ انگریزی کے بغیر اب ترقی ممکن نہیں لیکن یہ سوال کسی نے ان چھوٹے چھوٹے ملکوں سویڈن، ناروے، ڈنمارک، آسٹریلیا، ہالینڈ اور بڑے بڑے ملکوں چین، جاپان، جرمنی سے نہیں پوچھا جو اپنی زبان میں پی ایچ ڈی تک کروا رہے ہیں۔ سنگاپور، انڈیا، پاکستان نے انگریزی تعلیم کا ترجمہ کیا اور بیس سال بعد اب سر پیٹ رہے ہیں کہ ان کے ہاں تخلیقی اور تحقیقی کام نہیں ہو رہا اور وہ تو بالکل نقال بندر بن کے رہ گئے ہیں اس لئے آپ علم کسی دوسرے کی زبان میں حاصل کر سکتے ہیں لیکن تخلیق کے دروازے اپنی زبان سے ہی کھلتے ہیں۔

سکولز میں طریق تدریس

پرائمری سکول سے ہی انگلش زبان کا لازمی ٹھہرانا، کیا لوگ اس چال کو نہیں سمجھتے کہ جب کوئی زبان ذریعہ تعلیم و تدریس بنائی جائے تو نہ صرف اس سے زبان

دانی آتی ہے بلکہ اس زبان کی تہذیب وثقافت بھی ساتھ ہی چلی آتی ہے اور بچے خود بخود السلام علیکم کی بجائے Goog Morning بولنا شروع کر دیتے ہیں، شلوار قمیص کی جگہ پینٹ شرٹ اور نک ٹائی لے لیتی ہے۔علی ھذا القیاس

اکبر آلہ آبادی کہتے ہیں

دل بدل جاتے ہیں، تعلیم بدل جانے سے

سکولز اساتذہ نے سنگل ٹیچر پالیسی کو ہائی کورٹ لاہور میں 2010 میں چیلنج کیا تھا۔ ہائی کورٹ لاہور نے پرائمری سطح پر سنگل ٹیچر کی بجائے چھ کلاسوں کے لیے چھ ٹیچرز کے تقرر کا فیصلہ دیا لیکن اس پر عمل در آمد کی بجائے حکام تعلیم نے (Consolidation) یعنی سکولوں کے ادغام کے نام سے ایک نیا نظام اپنا لیا ہے اور اس نظام کے تحت بلا استثنیٰ لڑکوں اور لڑکیوں کے سکولز کو اکٹھا کر رہے ہیں وہاں چھ مخلوط یعنی (مرد و خواتین) کا تقرر کر کے انہیں ماڈل سکول کا نام دیا جا رہا ہے اس سے ایک طرف اوائل عمر میں مخلوط تعلیم سے جہاں تعلیمی معیار گر جائے گا وہاں دوسری طرف اخلاقی تباہی کا سیلاب امڈ آئے گا۔

پنجاب میں 14 اگست 2013 سے تعلیمی ایمرجنسی کا نفاذ کیا گیا ہے جس کی رو سے 4 سے 9 سال تک کے بچوں کو سکولوں میں داخل کروایا جائے گا۔اس کے لیے حکومت برطانیہ آئندہ آنے والے پانچ سالوں میں 70 ارب روپے کی خصوصی گرانٹ جاری کرے گی ۔ اس سکیم کو بروئے کار لانے کے لیے 28 ہزار ایجوکیٹرز (غیر مستقل، یعنی دیہاڑی دار اساتذہ) بھرتی کیے جائیں گے۔

یونیورسٹیز کی صورتحال

اٹھارہویں ترمیم کے بعد یونیورسٹیز کے تعلیم وتحقیق کے تمام شعبہ جات براہ راست اب صوبائی حکومت کے ماتحت ہیں یونیوسٹیز کے سنڈیکیٹ میں پہلے بھی چار ارکان صوبائی اسمبلی کونمائندگی دی جاتی تھی جواب بھی ہے۔یونیورسٹیز کے صوبائی حکومت کے ماتحت آنے سے یونیورسٹیز میں سیاست زیادہ درآئی ہے یونیورسٹیز تعمیرو ترقی میں اپنی پسند کے ٹھیکے داروں کو ٹھیکے اوران کے غلط بلز کی ادائیگی ۔یونیورسٹیز کے اصول کے مطابق معیار پر پورانہ اترنے والے اساتذہ کی ترقی ،معیار پر پورانہ اترنے والے اساتذہ کے لیے وظیفہ جات کے لیے دباؤ،کلیریکل سٹاف اوردرجہ چہارم کی تقرری کے لیے وائس چانسلرز پر چڑھائی جیسے حربے عروج پر ہیں۔

تصورتعلیم کے بارے میں نظریاتی مغالطے:

☆مسلم معاشرہ میں تعلیم کاحصول اس کاحق نہیں بلکہ اس پرفرض ہے۔حق سے دستبرداری ممکن ہے مگرفرض کی تکمیل ہرصورت ضروری ہے۔

’’طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم‘‘ (الحدیث)

ترجمہ:علم کاحاصل کرناہرمسلمان پرفرض ہے۔

☆ذریعہ تعلیم صرف اورصرف اس علاقے کی قومی زبان ہی ہونی چاہیےاس لیے کہ انبیاء سے اچھامعلم کوئی نہیں ہوتااوراللہ تعالیٰ نے تمام رسول اسی قوم کی زبان میں تبلیغ کرنے والے بناکربھیجے۔

"وما ا رسلنامن رسول الا بلسان قومه" ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے رسولوں میں سے کسی کو مگران کی قوم کی زبان میں سے ہی۔

☆مسلم معاشروں میں تعلیم کبھی بھی کمرشل نہیں ہوتی تھی یہ فروخت نہ ہوتی تھی کیونکہ حصول علم عبادت ہے بلکہ ادائیگی فرض ہے۔

☆علم کے حصول کا مقصد معرفت الٰہی رہے گا تو علم فروخت نہ ہو پائے گا تعلیم وتعلم کا عمل تو معاشرے میں جاری رہے گا مگر لوگ عبادت سمجھ کر کریں گے گذشتہ اسلامی تاریخ اس بات کی آئینہ دار ہے۔

☆تعلیم وتعلم انبیاء کا پیشہ نہ تھا بلکہ ایک تکمیل فرض کا ذریعہ تھا۔"لا اسئلکم علیه اجراً" ترجمہ: میں تم سے کسی بھی قسم کے بدلے کا سوال نہیں کرتا۔

☆قرآن پاک کی سب سے پہلی وحی میں علم حاصل کرنے اور پڑھنے کا حکم ہے غور سے دیکھا جائے تو حصول علم کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے "اقراء" پڑھ۔کیا پڑھ؟ مفعول محذوف ہے۔سب کچھ پڑھ مگر اس طریقہ سے پڑھ "باسم ربک،اپنے رب کے نام کے ساتھ۔الذی خلق جس نے پیدا کیا ہے شجر وحجر، حیات و جماد سب کے متعلق اس تناظر سے علم حاصل کر۔کہ اس ایک رب نے ان کو بنایا ہے اور نظام میں چلایا ہے۔

جب حصول علم کا مقصد رب کی معرفت ہوگی تو ایک ایٹم کے متعلق معلومات بھی رب تعالیٰ کی قدرت وکمال کا یقین تمہارے دل میں پیدا کرے گا اسی کے بارے میں اللہ فرماتا ہے، آیت، ''**هل يستوى الّذين يعلمون والذين لا يعلمو ن**'' کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں۔

فصل دوم

مغربی فلسفہ تعلیم

تعلیمی میدان میں فتح کی اہمیت عسکری فتح سے کہیں زیادہ اہم ہے عسکری فتح کی بقاء اور دوام نظریات کی فتح سے وابستہ ہوتا ہے۔اسی فلاسفی کے پیش نظر اہل مغرب نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں اس نظام تعلیم کو فروغ دیا جو اہل مغرب کے نظریات کے ہم آہنگ تھا۔موجودہ صورت حال کے تناظر میں اس وقت مسلم دنیا اسلامی نظریاتِ تعلیم اور اسلامی اساسیاتِ تعلیم کی بجائے مغربی تناظر میں درس وتدریس کا عمل کر رہی ہے۔مروجہ نظام تعلیم پر تبصرا کرتے ہوئے خالد بیگ راقم طراز ہیں۔

”پورا عالمِ اسلام اس وقت دو قسم کے متوازی نظامِ تعلیم سے بھرا پڑا ہے۔ یہ دونوں نظام اقلیدس کی دو متوازی لکیروں کی طرح ہیں جو کبھی بھی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملتیں۔یہ دونوں نظام مل کر اسلامی معاشروں کے جامے کو مخالف سمت میں کھینچ رہے ہیں۔ایک طرف جدید اسکول، کالج، اور یونیورسٹیاں ہیں، اور دوسری طرف دینی مدارس یا دارالعلوم ہیں۔“ [1]

یہ جاننے کے لیے کہ ہم کس جگہ ہیں اور کس جانب جا رہے ہیں؟ اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہم جہاں ہیں اس مقام پر کیسے پہنچے؟اس وقت پورے عالمِ اسلام میں جو غالب نظامِ تعلیم رائج ہے وہ سامراجی طاقتوں کا ہی رائج کردہ مغربی

نظامِ تعلیم ہے۔ یہ سامراجی طاقتیں برصغیر پاک وہنداور اس کے علاوہ فلسطین، سوڈان، مصراور عراق کے ساتھ ساتھ الجزائر، لبنان، شام، تیونس اور مراکش میں تھیں۔ان سامراجی طاقتوں نے باقاعدہ ایک منصوبے کےتحت اپنے مقبوضہ ممالک کے تعلیمی نظام کو تباہ و برباد کرنے کے لیے کام کیا،اوراس کی جگہ رائج کیے ہوئے اپنے تعلیمی نظام کو جاہ ومنزلت کا مورد ٹھہرایا۔

ان طاقتوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی غلام اقوام کے ذہنوں کو کنٹرول کریں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ برصغیر پاک وہند پر برطانوی قبضے کے بعد کلکتہ، ممبئی اور مدراس میں قائم ہونے والی پہلی تین یونیورسٹیوں میں کئی دہائیوں تک تدریس کا عمل شروع نہیں کیا گیا۔ان کا قیام ۱۸۵۷ء میں عمل میں آیا۔ان کا کام صرف اپنے اپنے زیرانتظام علاقوں میں آنے والے طلبہ کا امتحان لینا تھا۔اس طرح یہ تینوں یونیورسٹیاں پورے ہندوستان کی تعلیم کو کنٹرول کررہی تھیں۔ دوسرے الفاظ میں ان کی قدرومنزلت اوراعزاز تدریس کی وجہ سے نہیں تھی کیوں کہ پڑھائی کا عمل تو یہاں تھا ہی نہیں، بلکہ ان کی طرف سے سرٹیفکیٹ اور ڈگری جاری کرنے کی اجارہ داری کی وجہ سے تھا جن کو سرکاری ملازمتوں کے ذریعے کیش کرایا جاسکتا تھا۔

بچوں کی تعلیم میں ایک غلط فہمی:

بچوں کی تعلیم کے بارے میں ایک غلط فہمی عوام اورخواص میں یہ پائی جاتی ہے کہ تعلیم کا لائحہ عمل اورخاص سمت کا تعین طالب علم کےعلاوہ کوئی اوروالدین یا استاذ نہ کرے بلکہ بچہ کو مکمل آزادی دی جائے وہ جس سمت جانا چاہے جو لائن اختیار کرنا

چاہے جو بھی طرز زندگی اپنانا چاہے اپنا لے اس کو مکمل آزادی دی جائے اس کے لیے آزادانہ ماحول فراہم کیا جائے اور اس خیال کے چند ظاہر اور سطحی فوائد بیان کیے جاتے ہیں۔ جبکہ تعلیم کے بارے میں یہ نظریہ کسی بھی مسلم مفکر کا نہیں رہا، شریعت کا مزاج یہ ہے کہ ہر شخص کو خیر اور حق پر رہنے کا پابند قرار دیتی ہے اور ماتحتوں کو خیر اور حق پر برقرار رکھنے کے لیے تدبیر کا حکم دیتی ہے۔ شتر بے مہار کی طرح جس کا جس طرف رخ ہوا چل دیا ایسی راہنمائی کی مخالفت کرتی ہے۔

حصول علم کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جائے تو بات بالکل واضح ہو جائے گی۔

پہلے حصے کو تعلیم اور تحقیق کا نام دیا جا سکتا ہے۔ تعلیم ہر طبقے اور فرد کی ایک جیسی ہونی چاہیے بیان کیے مقاصد علم کو مدنظر رکھ کر نصاب ترتیب دیا جائے کہ وہ نصاب پڑھنے کے بعد بچہ اس قابل ہو جائے کہ اپنے دین، اپنے مال، جان وعزت کی حفاظت کرنے کے قابل ہو جائے۔

اتنی صلاحیت کے حصول کے بعد دوسرے مرحلے کی تعلیم شروع ہوتی ہے۔

دوسرا مرحلہ تخصصات Splisitino کا ہے اس میں طالب علم کے رجحان کو دیکھنا چاہیے کہ اس میں کس قسم کی صلاحیت زیادہ ہے اور اس کے دلچسپی کے امور کون سے ہیں، ان میں مہارت پیدا کرنا طالب علم کے لیے آسان ہو گی اس کے لیے طالب علم کی رائے کے مطابق انتخاب زیادہ مناسب ہے۔

مغربی فلسفہ تعلیم کی بنیادیں:

اس وقت ساری دنیا میں جو نظامِ تعلیم رائج ہے۔ اس کی اساسی بنیادیں

مغربی فکر سے ہی ماخوذ ہیں اور ان بنیادوں پر اُٹھنے والی عمارت بھی وہی نقشہ پیش کرے گی جو مغربی نظامِ سیاست، معیشت و معاشرت یا سماجی اقدار کو مضبوط سے مضبوط تر کرتی چلی جائے گی۔ رائج الوقت نظام مندرجہ ذیل تین بنیادوں پر مشتمل ہے۔

"1۔ Predominant scientific.
2۔ Predominantly preedm given.
3۔ Staplishment of the liberal state." ؎۲

موجودہ نظامِ تعلیم مندرجہ بالا عنوانات کے استحکام کے لئے سرگرداں ہے۔ ان کی وضاحت سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرنا چاہیے کہ کوئی بھی نظامِ تعلیم صرف علم فراہم نہیں کرتا بلکہ ایک مخصوص نظامِ زندگی پر آپ کے ایمان کو مضبوط بھی کر رہا ہوتا ہے۔ نظامِ تعلیم کے ذریعے تمام علم منتقل نہیں کیا جاتا کیونکہ علم کا دائرہ تو بہت وسیع ہے۔ ہر علم کو منتقل کرنا معاشرے یا ریاست کی ذمہ داری نہیں ہوتی بلکہ صرف وہی علم منتقل کیا جاتا ہے جس کے بغیر معاشرتی یا ریاستی عمل پر بالواسطہ یا بلاواسطہ زد پڑتی ہو۔ جس کے علم کے ہونے سے ان امور میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی وہ علم منتقل کرنا ریاست یا معاشرے کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔

تو معلوم ہوا جیسی ریاست یا معاشرتی ڈھانچہ آپ بنانا چاہتے ہیں۔ اسی نوعیت کا نظامِ تعلیم آپ کو نافذ کرنا پڑے گا۔ مغربی فکر میں علم صرف اس چیز کو تسلیم کیا جاتا ہے جسے تجربے سے ثابت کیا جا سکے اور وہ حقائق جو محسوس و مشاہد نہیں ہیں اور ان

پر تجربہ بھی نہیں کیا جاسکتا وہ علم کے دائرہ سے خارج ہوں گے۔ وہ حقائق مغربی نظامِ تعلیم کا حصہ نہیں بن سکتے اس لئے کہ علم کے دائرے سے ہی خارج کر دیئے جاتے ہیں تجربہ میں نہ آسکنے کی وجہ سے سائیٹفک میتھڈ جب جڑ پکڑتا ہے تو ہر اس علم کی نفی کی جاتی ہے جو سائنٹفک میتھڈ کے دائرہ میں نہ آسکے۔ اس غلط طرزِ عمل سے انسان مختلف علوم نافعہ سے محروم ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالوہاب سوری سائنٹفک میتھڈ کی طرز تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس طرز تعلیم سے ایک خاص معاشرت جنم لے گی جس سے کئی زبانیں مفقود ہو جائیں گی۔

> ''2024ء میں دُنیا سے 200 زبانیں ختم ہو جائیں گی یہ زبانوں کے بولنے والے تو زندہ ہوں گے مگر جس طرح کی طرزِ زندگی وہ قبول کئے ہوئے ہیں۔ اس طرزِ زندگی میں وہ زبانیں چل نہیں سکتیں لوگوں نے وہ بولنا چھوڑ دیں''[۳۰]

عدم توجہ کی وجہ سے جب ایک زبان ختم ہو جاتی ہے اسی طرح مختلف علوم بھی ختم ہو جاتے ہیں ۔

سائنٹیفک میتھڈ (scientific method)۔

The scientific method is an ongoing"

process, which usually begins with observations about the natural world. Human beings are naturally inquisitive, so they often come up with questions about things they see or hear and often develop ideas (hypotheses) about why things are the way they ae"[۴] ۔

مغربی فکر میں علم صرف ان معلومات کو کہا جاتا ہے جو علم انسانی ذہن کی کاوشوں کے نتیجے میں حاصل ہُوا ہو۔ نتیجتاً وہ حقائق جن کے بارے میں انسان صدیوں سے جانتا تھا اور استعمال بھی کرتا تھا آج ان کو تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ان معلوم حقائق کو علم کا نام بھی نہیں دے سکتے۔ کیونکہ وہ تجربہ میں نہیں آسکتے ۔اس کا عملی عکس معاشرے میں یوں دیکھا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر کے غلط دوائی دینے پر جو نقصان ہوتا ہے اس کا ذمہ دار صرف ڈاکٹر کو قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ یہی غلطی اگر کسی حکیم سے ہو جائے تو اس سے پوری حکمت کو کوسا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے طریقے سائنٹفک نہیں ہیں لہٰذا یہ حکیم صاحب جاہل قرار پاتے ہیں اور معاشرے میں اس کی تضحیک کی جاتی ہے.

خاص سائنسی طریقہ علم:

موجودہ نظامِ تعلیم کی بنیاد جس فلسفہ علم پر ہے۔ اس میں علم صرف اس کو کہا جاسکتا ہے جس کو انسان اپنے تجربے سے ثابت کرسکتا ہو اس میں غلطی کا امکان ہو جسے درست بھی کیا جاسکتا ہو اگر کوئی شخص کسی ایسی حقیقت پر یقین رکھتا ہے جسے وہ تجربہ سے ثابت نہیں کرسکتا اسے اس کا عقیدہ تو کہا جاسکتا ہے۔ مگر وہ علم کے دائرہ سے خارج قرار پائے گا۔

لہٰذا تمام وہ علوم معاشرتی وسماجی ہوں یا سائنسی ہوں ان میں تحقیق وتفتیش اسی اصول کے تحت کی جاتی ہے مثلاً ایک ڈاکٹر جو صحت کی بحالی کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔ اس فن کا مقصد ہے جسم کا روح سے تعلق باقی رہے جب انسان کے جسم سے روح نکل جاتی ہے تو وہ مردہ جسم قرار پاتا ہے۔ معلوم ہُوا ڈاکٹر کا مقصد ہی یہ ہے کہ جسم اور روح کا تعلق بحال رہے۔ تو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ڈاکٹر جسم اور روح کے متعلق جان کاری حاصل کرتا۔ اس کے نصاب میں جس طرح جسمکے متعلق معلومات ہیں مگر دنیا کے کسی بھی میڈیکل کالج میں روح کے متعلق تعلیم نہیں دی جاتی حالانکہ جو شخص بھی دوائی لینے جاتا ہے اور استعمال کرتا ہے تو اس کا اثر دونوں پر منتج ہوتا ہے۔ روح کے متعلق اس لئے تعلیم نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کو تجربہ سے یا مشاہدہ سے ثابت نہیں کیا جاسکتا لہٰذا اسی جسم کو Organick خیال کرتے ہوئے تجربات کی روشنی میں امراض کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ سائنٹیفک میتھڈ سے اخذ شدہ معلومات کو حقیقی خیال کیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ ذرائع سے حاصل شدہ معلومات کو جہالت وگمراہی قرار دیا جاتا ہے۔[5]

سائینٹفک میتھڈ کو ہی ذریعہ علم تسلیم کرنا مغربی فکر کی بہت بڑی گمراہی ہے کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ دُنیا میں بہت سے مسائل ایسے ہوں جن کا حل سائنٹیفک میتھڈ کے ذریعہ ممکن ہی نہ ہو اور اس کو اصول بنانے کے چکر میں باقی ذریعہ علم کی نفی کرتے کرتے بہت سے علوم کو انسانیت ضائع کر بیٹھے۔

سائنٹیفک میتھڈ میں ایک حقیقت کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے اور تجربات کے بعد تجزیہ کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ کبھی حقیقت کے کل پر حکم سائنٹیفک میتھڈ کے ذریعہ لگایا نہیں جا سکتا کیونکہ کل کا تجربہ ممکن نہیں ہوتا۔ انسان زندگی اجزا میں نہیں کل حقائق میں گزارتا ہے۔ لہٰذا معاملات کو صحیح سمت چلانے کے لئے کسی ایسی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو کل معاملات کو پیشِ نظر رکھ کر رہنمائی کرے وہ ہے مذہب۔ ۶؎

Prodominantly Freedm given:

ایسا نظامِ تعلیم اقوامِ عالم پر مسلط کیا گیا ہے۔ جو Prodominantly Freedm given یعنی لامتناہی حد تک آزادی کو فروغ دیتا ہو عوام میں اس شعور کو اُجاگر کیا جائے گا کہ آزادی انسان کا اولین حق ہے اور یہ تمام معاملات میں آزاد ہے کسی کے تابع نہیں ہے۔ اس کے تمام علوم معاشرتی، معاشی، یا سائنسی ہوں اسی تصور پر آگے بڑھتے ہیں کسی بھی علم کو ایسے خاص تناظر میں نہ پڑھے جس سے فرد کی آزادی سلب ہوتی ہو بلکہ آزادانہ سوچ و خیال کے ساتھ مطالعہ کرے اور مختلف چیزوں کے متعلق جانکاری حاصل کرے۔ اس کی وضاحت میں ڈاکٹر عبدالوہاب سوری کرتے ہیں کہ:

”جب انسان ہر چیز کو محض تجربہ کی بنیاد پر
حاصل کرتا ہے تو وہ کسی چیز کے متعلق کلی طور پر جان نہیں سکتا بلکہ
کسی چیز کو جاننے کے لئے اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتا ہے
مثلاً انسانی جسم کو ہی لے لیجیئے ہر ڈاکٹر وہ خاصکسی ایک ہی
عضو کے بارے میں جانتا ہے اسی طرح کوئی آنکھ کا ڈاکٹر کوئی
تو کوئی گردے کا اور پھر دل کے بھی کئی حصے ہیں ایک ڈاکٹر کسی
ایک حصے کا اور دوسرا ڈاکٹر کسی دوسرے حصہ کا“ ۔

جزوی معلومات کی بنا پر وہ جز پر تو حکم لگا سکتے ہیں مگر کلی طور پر اس پر کیا حکم لگے گا۔اس کی اہلیت نہیں رکھتے“ رائج الوقت نظامِ تعلیم میں ایک مسئلہ ہے جو مغربی طرز پر علم کی تشکیل سازی کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ کلی طور پر حکم لگانا اتنا پھیل جا تا ہے کہ کسی ایک فرد کے احاطے میں آنا ناممکن ہے۔بیسویں صدی کے شروع میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ علم جو انیسویں صدی تک حاصل کیا گیا ہے اس کو اگر دوگنا کرنا ہو تو کتنی دیر لگے گی۔ایک اندازہ تھا تین سو سال کا عرصہ درکار ہوگا اور آج معلوم شدہ علم کو دوگنا کرنا ہو تو اس کے لئے چار گھنٹے کا وقت درکار رہے۔علم و معلومات اس تیزی سے بڑھ رہی ہیں کہ انسانی ذہن ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

انسانی جسم کے علاوہ باقی علوم کا بھی یہی حال ہے کہ وہ مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور کوئی بھی کلی طور پر رہنمائی کا دعویٰ کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔کلی معاملات کو سامنے رکھ کر اس کی اصلاح کرنے کی راہنمائی مذہب کی روشنی سے انسان حاصل کر سکتا ہے اور مغربی فکر و فلسفہ اور نظریہ کے علم کے مطابق مذہب سے رہنمائی

نہیں لے سکتے ایک تو اس وجہ سے کہ مذہبی معلومات پر تجربہ نہ ہوسکنے کی وجہ سے سا ئنٹیفک میتھڈ سے خالی ہوجاتی ہیں ان کو علم بھی نہیں کہا جا سکتا۔ دوسرا اس وجہ سے بھی کہ مذہب مختلف قسم کی پابندیاں لگاتا ہے اور مغربی طرز وفکر انسان یہ طے کر چکا ہے کہ آزاد ہونا اس کے لئے فخر ہے اس کی آزادی میں جو چیز بھی قدغن لگائے گی وہ قابلِ احترام نہ سمجھی جائے گی۔

آزادانہ ذہنیت کی نشو ونما کرنا تعلیم کا ایک بنیادی عنصر ہے جس سے ایک فرد اپنے آپ کو آزاد سے آزاد خیال کرے۔ جو چاہنا چاہے چاہ لے اور اپنی چاہت کو قابلِ عمل بنانے کی کوشش کرنے کا حق رکھتا ہے۔ مغربی فلسفہ تعلیم کا دوسرا بڑا عنصر آزادانہ اقدار کا فروغ ہے۔ جس کی جھلک پاکستان کے نصاب تعلیم میں بھی دیکھی جا سکتی ہے جسے مقالہ ہٰذا کے باب نمبر چار میں بیان کیا جائے گا۔

Stablishment of the Liberal state:

تیسرا بنیادی عنصر جو مغربی تعلیم میں ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ ایک ایسی ریاست کے خدوخال واضح کرتی چلی جاتی ہے۔ جس میں انسان کی آزادی کے لئے قانون سازی کا عمل انسان اپنی مرضی کے مطابق بنائیں گے۔ وہ تمام قوانین واقدار جو انسان کی آزادی میں کمی واقع کررہے ہوتے ہیں۔ ان قوانین کو کم سے کم کیا جائے یا کمزور کردیا جائے یا پھر ان قوانین کی معاشرے میں آئیڈئل حالت کو مجروح کیا جائے لوگ آزادی میں کمی کرنے والے قوانین کو کم تر اور حقیر خیال کرنے لگیں۔ برصغیر میں بھی انگریز نے جو تعلیمی نظام متعارف کروایا تھا وہ بھی انہی تین بنیادی اہداف کے پیشِ

نظر تھا۔

1۔ سائنٹیفک میتھڈ بطور اصول شناختِ حق کے لئے استعمال ہو۔

2۔ آزادانہ اقدار کی حامل ذہنیت کی آبیاری کی جائے۔

3۔ ایسی ریاست کی تشکیل سازی کی جائے جس کی قانون سازی انسان اپنی مرضی سے کرتے ہوں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی مغرب کے نظریہ علم پر علامہ اقبال کے افکار کی روشنی میں تنقید کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔علامہ اقبال کے ہاں مغربی تصور تعلیم پر تنقید کے اہم عنوانات درج ذیل ہیں:

1۔ خرد کی طغیانی

2۔ وحی و رسالت سے بیزاری

3۔ اخلاق سے انحراف

4۔ تعلیم کے اعلیٰ انسانی مقاصد کی فراموشی

5۔ تعلیم کے استعماری استعمال

6۔ لادینیت ۸ے

اقبال ان عنوانات کے تحت اپنی شاعری میں مسلمانوں کو مغربی فکر کے حملہ سے آگاہ کرتے ہیں کہ تعلیم و مادی ترقی کے نام پر جو الحاد تقسیم ہوگا اس پر اقبال تنقید کرتے ہیں۔مغربی تعلیم سے ہم آہنگ نصاب تعلیم نافذ کرنے سے مندرجہ بالا کوتاہیاں معاشرے میں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔درحقیقت جب بھی ان بنیادوں پر تعلیم کی عمارت اٹھائی جائے گی یہ مفاسد عملی طور پر لازمی پیدا ہوں گے۔

علم کمرشل ہو گیا:

کسی بھی سابقہ و پیوستہ تہذیب بجز تہذیب مغرب کے علم کبھی بھی کمرشل نہ تھا۔ بلکہ علم کا مقصد ہی معرفت حق تھا۔ بطور عبادت کے علم اگلی نسل تک منتقل کیا جاتا ہے۔ استاد طالب علم کو صرف مفروضات کا علم نہ دیتا تھا بلکہ طالب میں اچھے خصائص کو پیدا کرنا بھی اُستاد کی ذمہ داری خیال ہوتی تھی:

جب تک علم کا مقصد چھوٹی چھوٹی چیزوں کے ادراک سے بڑی حقیقت، حقیقت اعلیٰ خدا کے بارے میں علم حاصل کرنا تھا۔ تو اس وقت تک علم کمرشل نہ ہوا تھا۔ لیکن جب علم کا مقصد ہی مادی زندگی سے بحث کرنا ہوتا ہے تو علم کو صلاحیت کے بیچنے کے لئے حاصل کیا جائے گا۔

1۔ اسی طرح لیو تارڈ (Lyotard) لکھتا ہے۔ پس جدید علم (Knowledge) پوری طرح کمرشل قوموں کے زیر سایہ آ گیا ہے۔ علم اب شخصیت کا جزو نہیں بلکہ منڈی کا مال ہے۔ جسے خریدا اور بیچا جا سکتا ہے۔ علم اب حاکم نہیں بلکہ محکوم ہو گیا ہے اور علم جو پہلے ذہن انسانی کو جلا بخشنے یا شخصیت کو سنوارنے اور نکھارنے کے لئے حاصل کیا جاتا تھا۔ اب علم فقط اس لیے پیدا کیا جائے گا کہ منڈی معیشت میں اس سے منافع اندوزی کی جا سکے یا اس کی طاقت کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکے چنانچہ فوکو (Focoult) کے حوالے سے جان سٹوری (Jhon story) لکھتے ہیں۔

"Knowledge is not neutral or objective , knowledge is a product of power relations"۹

ڈاکٹر محمود احمد غازی مغربی تصور علم پر تبصرا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ہر چیز کمرشل رنگ میں رنگ کر اپنی اصلیت سے محروم ہو چکی ہے۔ چنانچہ جدیدیت کے مفکرین جدیدیت کے سابقہ تصور کو چیلنج کرتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ انسان یقیناً ترقی کررہا ہے۔ لیکن یہ ترقی کیفیتی اعتبار سے نہیں بلکہ کمیتی اعتبار سے ہے۔ کیفیتی اعتبار سے انسان کی اور علم کی ترقی کی ضمانت دی گئی تھی افسوس کہ وہ پوری نہ ہوئی اور اس طرح روشن خیالی کا دعویٰ شکست سے دوچار ہو چکا ہے۔فوکو (Focault) کے نزدیک جدید کاری کے تمام خواب مثلاً صداقت مطلق کی جدلیات انسان کی آزادی وحریت غیر طبقاتی معاشرہ وخوشحالی اور امن و مسرت کا خوش کن خواب،سب پر سوالیہ نشان لگ چکا ہے''۱۰

2۔ اسلام کے تصورِ علم اور مغرب کے تصور لا دینیت کا تقابل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ علم الاشیاء سائنس وحکمت جب مسلمان کی میراث تھی تو مشت خاک کو کیمیا بناتی تھی۔لیکن افسوس جب سے علم اشیا فرنگی نژاد ہُوا ہے اس کی تاثیر بدل کر رہ گئی ہے اب

وہاں کھوٹے اور کھرے کے اخلاقی پیمانے ختم ہو گئے ہیں۔ جب عقل و فکر قلم رو کی سے خوب دشت کے اخلاقی پیمانے نکال دیئے جائیں تو انسانوں کے دِل سنگ و خشت سے بدل جاتے ہیں اور چشمِ آدم بے نم ہو جاتی ہے شہر و دشت ہر جگہ علم اور اہلِ علم رسوائی کا سامان بنتی ہے۔ ہوتے ہوتے کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ فرشتہ صفت روحیں ابلیس کا پیکر اختیار کر لیتی ہیں.۱۱

3۔ مزید ڈاکٹر غازی لکھتے ہیں کہ:

''علامہ اقبال کے نزدیک مغرب کے اس علم کو علم کہنا زیادتی ہے دانش فرنگی ایک تیغِ براں ہے جو نوعِ انسانی کی ہلاکت اور تباہی میں انتہائی کارگر ہے۔ اس دانش کے علمبرداروں میں خیر و شر کا امتیاز اُٹھ گیا ہے اور علم و ہنر کا حقیقی ذوق اور عشق مٹ گیا ہے۔

آہ از فرنگ و از آئین او

آہ از اندیشہ لا دین او

اس اظہار افسوس کے ساتھ ساتھ اقبال نے اپنے قاری بالخصوص مسلمان قاری کو اس ساحری بلکہ کافری کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کی تعلیم بھی دی ہے اور کہا ہے کہ علم کے نام پر کھینچی جانے والی یہ تلوار رہزنوں کے ہاتھوں میں آ گئی ہے لہٰذا یہ تلوار رہزنوں کے ہاتھوں سے چھین لینی چاہیے اور لادینی کا سحر توڑ دینا چاہیے''۱۲۔

کیونکہ جو قوم بھی رول کرتی ہے وہ زمانے میں اپنے تصورِ عدل کو تمام

عادلانہ نظاموں سے اچھا ثابت کرتی ہے۔اگر علمی اعتبار سے کوئی قوم شکست کھا جائے اور اپنے مبینہ تصورِ عدل کی فضیلت واضح نہ کر سکے تو فاتح قوم یا تو خود دوسرے محکم و ثابت تصور عدل کو اپنا کر خارجی بنیاد پر اپنی حکومت باقی رکھتی ہے۔اگر وہ ایسا نہ کرے گی تو ان کی امامت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔اس لئے ظاہر غلبہ کی بقا اور دوام علمی دنیا میں برتری منوانے سے جڑی ہوتی ہے۔مسلمانوں کے پاس علمیت وحی سے ماخوذ ہے وہ تصورِ تمام عادلانہ نظاموں پر برتری لینے کا اہل بھی ہے۔اس مضبوط بنیاد پر جب تک مسلمان علمی استحکام حاصل نہ کریں گے۔مغرب کی شکست کا نعرہ محض ایک حسین خواب ہی ہے۔

تعلیم میں مذہبی مداخلت پر سیکولر طبقہ کے خدشات اور ان کے اعتراضات

سیکولر طبقہ مذہبی تعلیم کے شاملِ نصاب ہونے پر مندرجہ ذیل شبہات رکھتا ہے۔

1۔ اس نظریے کے ہم خیال زیادہ تر مغربی ممالک کے فلاسفر ہیں۔وہ اس کے حق میں یہ دلائل دیتے ہیں کہ مذہب تنگ نظری اور تعصب کو ہوا دیتا ہے۔

2۔ مذہب کی پیروی سے دوسرے انسانوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

3۔ طلبہ میں گروہ اور فرقہ بندی کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔

4۔ سکول میں مختلف نظریات کے حامل طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اس لئے

یکسانیت اور وحدانیت کی خاطر مذہبی تعلیم سے اجتناب کرنا چاہیے۔

5۔ مذہب جنون پیدا کرتا ہے اس سے تعلیمی اداروں میں امن و امان کا مسئلہ پیدا ہوسکتا ہے۔

6۔ مذہب غیر جانب دارانہ تحقیق کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ حقائق جو علم کی بنیاد پر ہوتے ہیں منظرِ عام پر نہیں آتے۔

7۔ مذہب انسان کو انجانے خوف اور توہمات میں جکڑے رکھتا ہے اور اس کی اصل صلاحیت نشو ونما نہیں ہو پاتی۔

8۔ مذہب معجزاتی کرشمہ پر زور دے کر انسان میں بے عملی پیدا کرتا ہے۔

9۔ مذہب انسان کو تارک الدنیا ہونے کی تحریک دیتا ہے۔

10۔ مغربی قوموں نے تعلیم کو مذہب سے علیحدہ کرنے کے بعد تیزی سے ترقی کی ہے جب کہ مشرقی اقوام مذہبی قدامت پسندی کے غلبے کی وجہ سے ترقی نہیں کرسکتیں۔

ان اعتراضات کا تنقیدی جائزہ۔

1۔ تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ مذہبی تناظر میں حاصل کی گئی تعلیم سے ایثار، قربانی اور حق کہنے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور نتیجۃً یہ اوصاف معاشرے میں محبت اور امن کو فروغ دیتے ہیں۔ جب کہ مذہبی تعلیم کے بغیر ایثار و قربانی کے فقدان کے باعث تعصب، حسد، تنگ نظری، تخریبی ذہنیت اور مفاد پرستی جیسے امراض معاشرے میں جنم لیتے ہیں۔

2۔ مذہب ایثار پیدا کرتا ہے، محبت اس کا لازمی نتیجہ ہے جب کہ لامذہبیت کے تناظر میں حاصل کی گئی تعلیم خودغرضی کو جنم دیتی ہے اس کا نتیجہ لازماً نفرت اور حسد ہوتا ہے۔

3۔ مسلم معاشرے میں دینی علوم سے نا آشنا ہونے کے باعث فرقہ بندی زیادہ جنم لیتی ہے ۔ اسلام کی خصوصیت ہے کہ مذہبی لٹریچر قرآن اور احادیثِ نبوی ﷺ کا ماخذ مسلّم ہے۔ جس کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ فرقہ بندی کی بجائے حقیقت کے زیادہ قریب کرتا ہے۔ اگر کسی علم کا ماخذ ایک ہوگا تو ماخذ واحد ہونے کی وجہ سے قربت واتحاد پیدا ہوتا ہے اور اگر علم کا ماخذ عقل انسانی کے وجدان وطبعی حالات ہیں تو مشاہدے کا اختلاف اور دلائل عقلیہ کا مختلف ہونا باہمی اختلافات کو جنم دیتا ہے۔
اگر تعلیمی ادارے مذہبی تعلیم کی ذمہ داری نہ اُٹھائیں گے تو طلبہ نامعلوم کِن نظریات کو اپنا دین خیال کرلیں اور غیر دینی نظر پر ایسا جذباتی ہوں گے جیسا کہ دین پر ہونا چاہیے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب ایک فطری تقاضا ہے۔ اگر درس گاہوں میں اس کو پورا نہ کیا جائے گا تو درسگاہوں کے علاوہ سکھلائے گئے نظریات گروہ بندی اور فرقہ بندی کو جنم دیں گے۔

4۔ مذہب ہی تو ملی یک جہتی کا امین بن سکتا ہے۔ جو لسانیت، قومیت حتیٰ کہ وطنیت کے جذبات کو معتدل یا بعض اوقات غیر مؤثر بنا کر حقیقی ملی یک جہتی کو فروغ دیتا ہے۔

5۔ مذہب مقصدِ زندگی کو شعور بخشتا ہے اور اخلاقِ حسنہ مذہب ہی کی بدولت

حاصل ہو سکتے ہیں۔اخلاقِ حسنہ کا لازمی نتیجہ امن وامان اور محبت ہے۔

6۔ کوئی بھی تحقیق غیر جانب دار نہیں ہوتی علم تو وہ روشنی ہے جو کسی نہ کسی زاویے پر سفر کرتی ہے اور اسی تناظر میں ترقی اسی خاص زاویے پر اعتقاد و اعتماد کو پختہ کرتی ہے۔ تحقیق کبھی غیر جانبدارانہ نہیں ہوگی کیونکہ وہ کسی نہ کسی تناظر سے کی جائے گی اور جو بھی نتیجہ نکلے بہر صورت تناظر کا اثبات و تعلّی ثابت کرے گی۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کون سا علمی تناظر حقیقت کے ادراک میں انسان کا معاون ثابت ہوتا ہے۔ تناظر عقلی، تناظر حواس، تناظر وجدان، تناظر نفسیات، تناظر علومِ وحی، تجرباتی تناظر، معاشرتی آرا کے تناظر وغیرہ۔

وحی کے تناظر کے علاوہ، حقیقت کے ادراک کے بارے میں تمام تناظرات احتمالِ خطا سے پاک نہیں ہو سکتے۔لہٰذا درست رہنمائی اور حقیقت کے بارے میں صحیح ادراک جو کہ علم کا مقصد ہے۔وحی کے تناظر میں ہی ممکن ہے

7۔ ان توہمات (عقائد) کی بدولت اخلاقی قدروں کو انسان فراموش نہیں کرتا اور یہی توہمات مثبت سوچ، مثبت رویے میں تحریک پیدا کرتے ہیں۔ مذہبی عقائد کی بدولت ہی انسان نامساعد حالات میں بھی ظلم وانتقام سے گریز کرتا ہے اور یہ حقیقت ہے مذہبی نظریات ہر طرح کی صلاحیتوں کو نشوونما نہیں پانے دیتے بلکہ منفی صلاحیتوں کی نشوونما کو روکنے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں اور منفی صلاحیتوں کی حوصلہ شکنی کی بدولت انہیں جڑ پکڑنے نہیں دیتے اور یہی علم کا مقصد ہوتا ہے۔ کہ انسان اچھی صلاحیتیں بروئے کار

لائے اور منفی صلاحیتوں پر انسان کی توانائی خرچ نہ ہو۔ لہٰذا تعلیم مذہبی تناظر میں ہی ہونی چاہیے۔ مذہب کی تعلیم کے بغیر مثبت اور منفی صلاحیتیں دونوں نشوونما پائیں گی جس سے مقصدِ علم انسان کو حاصل نہ ہوگا۔

8۔ مذہبی معجزاتی کرشمے انسان میں بے عملی پیدا کرنے کی بجائے انسان میں ایسے عالی شان مقاصد حاصل کرنے کی بھی ہمت پیدا کر دیتے ہیں جو انسانی طاقت سے ماورا ہوتے ہیں کہ ایک انسان انتہائی کم وسائل اور کم استطاعت کے باوجود بھی ناکارہ ہو کر نہیں بیٹھتا بلکہ اپنے مالک (اللہ) پر بھروسہ کرتے ہوئے کوشش میں لگا رہتا ہے کہ عمل میں تاثیر پیدا کرنے والی وہ ذات ہے اور ایسے عملوں کو بھی انسان سرانجام دے دیتا ہے جو انسانی رسائی سے بالاتر ہوتے ہیں اس کی مثالیں صحابہ کرامؓ کی زندگی سے نمایاں ہیں تو مذہبی تعلیم بچے میں محنت، ہمت کے ساتھ ساتھ وہ شعور بھی پیدا کرتی ہے کہ حالات کے نامناسب ہونے سے بھی وہ کم ہمت نہیں ہوتا۔

9۔ مذہب کم سرمایہ سے خوشحال زندگی کی راہ دکھلاتا ہے اور اس اصول کی طرف بلاتا ہے کہ کم خواہشات، کم ناکامیاں، کم پریشانیاں، نتیجہ: خوشحال زندگی۔ زیادہ خواہشات، زیادہ ناکامیاں، زیادہ پریشانیاں، نتیجہ: پریشان و مضطرب زندگی۔ مذہب انسان کو دنیا چھوڑنے کا درس نہیں دیتا بلکہ دنیا میں ڈھنگ سے رہنے کا طریقہ بتلاتا ہے۔

10۔ اہلِ مغرب نے مذہب کے اخراج سے گو کہ مادی ترقی میں تمام اقوام پر برتری حاصل کر لی ہے مگر اخلاقی تنزلی کا تقابل جب مادی ترقی سے کیا

جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خسارے کا سودا ہے۔مشرقی اقوام غربت اور فقر کے باوجود اس سکونِ جگر سے سرشار ہیں جو مغربی اقوام کے پاس نہیں ہیں۔مغربی اقوام نے سیکولر اور لبرل اقدار کو فروغ دیا۔جس سے وہ مذہبی رجحان اور خاندانی نظام سے دور ہوتے گئے اور آج جس جگہ پر وہ ہیں مذہب اور خاندان بالکل بے اثر ہو چکے ہیں ان دونوں کے فقدان سے ایسے اخلاقی تنزلی کا شکار ہوئے کہ انسانیت کبھی بھی ایسے دریچہ جہالت پر کھڑی نہیں ہوئی کہ ایک فرد ہجوم میں بھی تنہا ہے مال و زر کی کثرت کے باوجود بھی ایسی اذیت ناک زندگی سے دوچار ہے کہ اس کو اپنی زندگی موت سے بھی بدتر نظر آتی ہے۔اس ترقی یافتہ معاشرے میں مادی ترقی کی دوڑ میں ایسا معاشرہ جنم دیا جو نفسیاتی امراض میں مبتلا اور سکونِ قلب سے ناآشنا ہے مادی ترقی سے اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ انسان زندگی کے ایام بلا مشقت فرحت و مسرت کے ساتھ گزارے نہ یہ کہ مادیت کی دوڑ میں خاندانی نظام مذہبی اقدار، معاشرتی اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا جائے۔ اس سنگین صورتِ حال سے اہلِ مغرب اس لیے دوچار ہیں کہ انہوں نے عملی ترقی تو کی مگر مذہبی تناظر کو ترک کر دیا۔ترقی اور تنزلی کا تقابل کرتے ہوئے روسی صدر گوربہ چوف رقم طراز ہوئے ہیں۔

''بے شک ہم نے کچھ معاشی فوائد حاصل
کیے اور پیداوار کے زیادہ ہونے کے
باوجود اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا فیملی

سسٹم تباہ ہو گیا اور اس فیملی سسٹم کے تباہ
ہونے کے نتیجے میں ہمیں جو نقصانات
اٹھانا پڑے ہیں وہ نقصانات ان فوائد سے
زیادہ ہیں جو پروڈکشن کے اضافے کے
نتیجہ میں ہمیں حاصل ہوئے ہیں"۔۱۳۱

مغربی مفکرین اور تعلیم:

عصر حاضر میں رائج الوقت تعلیمی نظام پر جس فلسفہ افکار کی چھائیاں نمایاں ہیں ان میں قابل ذکر تین بڑے افراد ہیں۔

افلاطون ارسطو روسو

علی ھذا الترتیب: ان نظریات پر مبنی فکر وسوچ کو درج ذیل نام دیئے گئے ہیں۔فلسفی تصوریت یا نظریہ مثالیت، نظریہ حقیقت پسندی، نظریہ فطرتیت، یہ عقل وخرد کے شاہ سوار اور دلائل کے میدان میں اپنا لوہا منوانے والے جن کے تجربات اور تحقیقات کو صدیوں علمی دنیا میں قابل حجت خیال کیا جاتا رہا۔اس سب کے باوجود وحی کی روشنی سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے ہمیشہ ضلالت وگمراہیوں کی کھائیوں سے باہر نہ آسکے۔اور تعلیم وتعلم کے میدان میں بھی ان کی نظر مادی دنیا سے آگے نہ بڑھ سکی۔بہر حال اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مادی دنیا میں ترقی کے لیے یہ نظریات مفید ثابت ہوئے ہیں لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انسانیت اس راہ پہ چل کر مراد تک پہنچ گئی اور سکون قلب وجگر سے بہرہ مند ہوگئی۔

افلاطون کا نظریہ تعلیم:

افلاطون نے تعلیم کے میدان میں آج سے 2500 سال قبل جو اصول، مقاصد اور طریقے رائج کیے جدید تعلیمی افکار میں ان سے راہنمائی لی جاتی ہے۔ افلاطون تعلیم کے چھ ادوار متعین کرتا ہے کہ بچے کی عمر اور استعداد کے مطابق تعلیم وتدریس دی جائے۔

’’پہلا دور (پیدائش سے 7 سال)

دوسرا دور (7 تا 18 سال)

تیسرا دور (18 تا 20 سال)

چوتھا دور (20 تا 30 سال)

پانچواں تعلیمی دور (30 تا 35 سال)

چھٹا دور (35 تا 50 سال)‘‘[۱۴۱]

عصر حاضر میں مغرب کی تقلید میں عورتوں کی مساوی تعلیم پر زور دیا جا رہا ہے حالانکہ ان کی ذمہ داریاں مردوں سے یکسر مختلف ہیں تو عقل بھی تقاضا کرتی ہے کہ مہارتوں کے حصول میں تعلیمی نصاب وانتظام ایک جیسا کیونکر ہو، اہل مغرب اپنی تاریخ کو یونان سے جوڑتے ہیں اور افلاطون اور ارسطو کے نظریات پر اپنا تمدنی نقشہ تعمیر کرتے ہیں۔ افلاطون نے مرد وعورت کو مساوی درجہ دیا ہے اس کا کہنا ہے کہ تعلیمی لحاظ سے مرد وعورت میں کوئی تفریق نہیں ہے اس لئے جو تعلیم مردوں کو دی جائے وہی عورتوں کو دی جائے۔ تعلیمی عمل میں جو مختلف نصاب تعلیم اور مختلف مضامین کے لیے

طریقہ ہائے تدریس رائج کیئے گئے تو وہ افلاطون کی ہی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔

ارسطو کا نظریہ تعلیم:

دوسرا بڑا مفکر ارسطو ہے اس کے بھی عصر حاضر کے تعلیمی نظریات پر اثرات موجود ہیں وہ تعلیم کے پانچ ادوار متعین کرتا ہے۔

"پہلی تعلیمی منزل (پیدائش تا 5 سال)

دوسری منزل (5 تا 7 سال)

تیسری منزل (7 تا 14 سال)

چوتھی منزل (14 تا 21 سال)

پانچویں منزل (21 تا 35 سال)" ۱۵؎

آج مادی ترقی کی دوڑ میں ان نظریات کی کیا حیثیت ہے، مسز کشور اقبال، فلسفہ تعلیم میں رقم طراز ہیں کہ:۔

"آج کے ترقی یافتہ دور میں جملہ ترقی ملکوں کے نظام پر ارسطو کے تعلیم افکار و نظریات کی چھاپ نظر آتی ہے۔ دور جدید کا ہر عظیم مفکر ارسطو کے نظریات سے متأثر اور ان کا قائل دکھائی دیتا ہے لہذا یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ارسطو کے فلسفہ حقیقت نے ہی فلسفہ علمیت کو وجود بخشا اور اسے بنیاد فراہم کی"۔ ۱۶؎

روسو کا نظریہ تعلیم:

فلسفہ فطریت کا بانی روسو ہے تقریباً 1778ء کو اس کا انتقال ہوا یہ اپنی

کتاب عمرانی ''معاہدات او تعلیمات پر ایمائل'' میں تعلیمی نظریات درج کرتا ہے۔
روسو کتابی علم اور زبردستی ٹھوسے جانے والے علم کے خلاف ہے وہ کہتا ہے کہ اصل حالات میں تعلیم دی جائے یعنی جو کچھ اسے دکھانا چاہیے وہ اسے عملاً کر کے دکھائے۔ ۱۷

روسو، کتاب، استاد اور نصاب کے خلاف ہے وہ فرد کو معاشرے سے باہر لے جا کر تعلیم دینا چاہتا ہے تا کہ معاشرے کی خامیوں کا عکس بچے پر نہ پڑ سکے بچے کو صرف فطرت کے مطابق سیکھنے کا موقع دیا جائے۔

تنقید جائزہ

تعلیم کے نظریات میں سے رسو کا نظریہ مقبول ترین نظریہ تعلیم ہے کہ فطرت کے مطابق تعلیم دی جائے مگر سوال یہ ہے کہ فطرت کا تقاضا کیا ہے فطرت کی اصل اور حقیقی ڈیمانڈ کیا ہے اس بات کا اندازہ لگانے کے لیے کہ فطرت کا تقاضا کیا ہے اس کے ادراک کے لیے صرف حواس خمسہ اور عقل کو ہی ماخذ تسلیم کرتے ہیں یہ تمام مفکریں وحی کی روشنی سے جاہل ہیں اس لیے اس بات سے ناواقف ہیں کہ حواس خمسہ اور عقلِ محض کے سواء کوئی اور بھی ذریعہ علم بھی ہوسکتا ہے حالانکہ (حواس خمسہ، عقل) یہ دونوں ذریعۂ علم امکان خطاء سے باہر نہیں نکل سکتے لہذا حقیقت کے ادراک کے لیے تجربہ کا سہارا لیتے ہیں تا کہ بالکل صحیح معلومات تک رسائی ہو سکے مگر تجربہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک حقیقت کو مختلف چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا جائے تا کہ تجربہ ہو سکے۔ لہذا تجربہ سے کسی حقیقت کے ایک جزو پر تو حکم لگایا جا سکتا ہے۔ مگر کل حقیقت پر حکم لگانا ناممکن ہے کیونکہ کل پر تجربہ نہیں ہوسکتا بغیر تجربہ کے اگر حکم لگایا

جاتا ہے تو خطاء وامکان خطاء سے انسان دوچار رہے گا۔اور یہ بات تو واضح ہے کہ انسان تو کل حقیقت یا کئی حقیقتوں میں زندگی گزارتا ہے نہ کہ صرف چند اجزاء میں کسی حقیقت کے کلی وجود پر صحیح اور غلط کے حکم لگانے کی صلاحیت صرف اور صرف دین میں ہوتی ہے۔لہٰذا سوشل سائنس (سماجی علوم،معاشرتی علوم،سیاسی ومعاشی علوم) کی ترویج دین کے قائم کردہ اصولوں کے بغیر کرنا جہالت وگمراہی ہے جس سے معاشرے کے اخلاقیات تباہ ہوجاتے ہیں سکونِ قلب وجگر ناپید ہوجاتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ مذہب میں ایسی جامعیت ہوتی ہے جو سماجی علوم کو بیان کرسکے۔اسلام کے متعلق بغیر کسی شک کے اور دلائل کثیر کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے اس نے جو تصور حیات دیا ہے پیش کیا ہے۔انسانی زندگی کے ہر پہلو کو تفصیل سے بیان کیا یا اس کے لیے راہنما اصول چھوڑے ہیں جس تصور عدل پر بارہ سو سال تک معاشرتی معاشی ،معاشی ،ڈھانچے قائم رہا جس کی تعلیم نے انسان کو اخلاق کی اس بلندی تک پہنچادیا ہے کہ اس سے زیادہ وہ بااخلاق جرت مند لوگ انسانی تاریخ میں نہ مل سکیں گے۔ارشاد نبوی ﷺ

’’خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم‘‘

ترجمہ:

بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ زمانہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہے پھر وہ زمانہ جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے

حوالہ جات

۱۔ بیگ، خالد، مروجہ نظام تعلیم ایک دعوت فکر www-urduweb.org

۲۔ سوری ، عبدالوہاب ، ڈاکٹر، لیکچر، فلاسفی آف ایجوکیشن، ERDC, ون ڈے سیشن، کراچی، 2015

۳۔ ایضاً، ون ڈے سیشن، کراچی،، 2015

۴۔ wikipedia.org/wiki/Scientific_method

۵۔ سوری ، عبدالوہاب ، ڈاکٹر، لیکچر، فلاسفی آف ایجوکیشن، ERDC, ون ڈے سیشن، کراچی، 2015

۶۔ ایضاً، کراچی، 2015

۷۔ ایضاً، کراچی، 2015

۸۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، بعنوان علامہ اقبال اور تقید مغرب مشمولہ، ماہانہ دعوت الاسلام نومبر 2002ء، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی، اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ص:13

۹۔ Story , John , cultural theory and popular culture Harvester wheat sheaf london , 1993,P.167.

۱۰۔ محمد عبدالقیوم، حافظ، اسلامی اور مغربی تہذیب کا تقابلی مطالعہ، جہات

الاسلام جلد ۲، شمارہ دوم، جنوری، جون 2013، ص:139

۱۱۔ ایضاً، ص:152

۱۲۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، بعنوان علامہ اقبال اور تقید مغرب مشمولہ، ماہانہ دعوت الاسلام نومبر 2002ء، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی، اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ص:35

۱۳۔ عثمانی، محمد تقی مفتی, یورپ میں آزادی نسواں کے نقصانات، مکتبہ ارسلان, کراچی2003, ص:535

۱۴۔ مسز کشور اقبال، فلسفہ تعلیم، مجید بکڈ پو لاہور، ص:62

۱۵۔ ایضاً، ص:54

۱۶۔ ایضاً، ص:52

۱۷۔ ایضاً، ص:64

فصل سوم:

مغربی تصورِ علم اور اسلامی تصورِ علم کا تقابلی جائزہ

تصور علم اور تعریفات:

مذہبی ایمانیات وعلمیات چونکہ خیر کل کی حقیقتِ کبریٰ اور ہستی مطلق کے پاس سے آتی ہیں جو عالم الغیب والشھادۃ noweth the unseen and that which is open] اور زمان ومکان سے ماورا ہے۔اس لیے یہ علم حتمی، قطعی، اکمل اور نا قابلِ تغیر ہے۔ یہاں علم کی متفق علیہ تعریفات یہ ہیں ۔جسے امام راغب اصفہانی بحوالہ امام غزالی نقل کرتے ہیں۔

''ادراك الشئ بحقيقتہٖ'

کسی شئے کو اس کی حقیقت کے حوالے

سے جان لینا علم ہے۔''[1]

امام سید شریف جرجانی (م۸۱۳ھ) یہ فرماتے ہیں۔

''معرفة المعلوم على ماھو بہٖ''

کسی شے کو اس کی حقیقت و ماہیت کے حوالے سے،جس پر وہ قائم ہو جان لینا علم ہے''[2]

حافظ ابن حزم (م ۴۵٦ھ) کے ارشاد کے مطابق علم کی تعریف یہ ہے۔

''ھوالاعتقاد الجازم
المطابق للواقع''

''علم وہ پختہ اعتقاد ہے جو واقعہ کے عین
مطابق ہو''۳؎

علی بن محمد الاندلسی علم کی تعریف فرماتے ہیں:

''ھو تیقن الشی علی ما ھو علیہ''

''کسی شے کی ایسی حقیقت کا
یقین جس پر وہ قائم ہو علم ہے''۴؎

اسلامی تناظر میں تعلیم:

منور ابن صادق نے اسلامی تناظر میں تعلیم کا مفہوم متعین کرتے ہوئے کہا ہے کہ تعلیم افراد کو معاشرہ کی خلافت ارضی کے لیے تیار کرنے کا عمل ہے۔ بقول پروفیسر سید محمد سلیم:

''تعلیم رو یہ اجتماعی عمل ہے۔ جس کے ذریعے معاشرہ نو خیز نسلوں کو اسلامی تصور حیات سکھاتا ہے اسلامی عقائد و اقدار ان کے اذہان میں راسخ کرتا ہے۔ اسلامی افکار کی روشنی میں آداب زندگی بجالانے اور اخلاق کی تربیت دیتا ہے''۔۵؎

اسلامی تصور تعلیم و تربیت اپنے اندر بے پناہ وسعتیں رکھتا ہے۔ جس میں وہ تمام

ضروری امور شامل ہیں جن کی ایک فرد کو ضرورت پڑتی ہے۔ جسمانی صحت فکری ،بالیدگی ،اخلاقی پاکیزگی ،آداب معاشرت، تکمیل ذات اور نیابت الٰہی کی صلاحیت یہ سب پہلو اسلامی تعلیم میں داخل ہیں۔۶؎

دین اسلام میں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اس دین مبین کی پہلی وحی اقرا (پڑھ) ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بابت ارشاد فرمایا کہ مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے، ''انما بعثتُ معلما'' بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

تعلیم دینا پیشہ پیغمبری نہیں بلکہ شیوا پیغمبری ہے :

عام طور پر یہ کہ دیا جاتا ہے کہ معلم ہونا یہ انبیا کا پیشہ ہے۔ یہ بات تو حقیقت ہے کہ تمام انبیا معلم تھے مگر کسی نے بھی اسے پیشہ نہ بنایا تھا بلکہ انبیاؑ کے نزدیک تعلیم و تعلم کا کام عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ ایک بار نبی اکرم ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوئے دیکھا کہ دو حلقے ہیں کچھ لوگ ذکر میں مصروف ہیں اور کچھ تعلیم و تعلم میں مصروف تھے تو آپ نے فرمایا مجھے اللہ نے معلم بنا کر بھیجا ہے پھر آپ تعلیم کے حلقے میں بیٹھ گئے ہیں۔

تعلیم کسی نبی کا پیشہ نہ تھا بلکہ ان کے نزدیک تعلیم دینا مستقل ایک عبادت تھا اور اس پر کسی طرح کے اجر کا مطالبہ نہ کیا جاتا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝ اتَّبِعُوۡا
مَنۡ لَّا یَسۡـَٔلُکُمۡ اَجۡرًا وَّ ھُمۡ مُّھۡتَدُوۡنَ ☆۷؎

ترجمہ: کہا اے میری قوم رسولوں کی اتباع کرو، اتباع کرو ان ہستیوں کی جو تم سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں کرتے اور وہ ہدایت آفتہ ہیں۔

کیونکہ تعلیم کا مقصد صرف معرفتِ الٰہی تھا تا کہ بندگی اور اطاعت الٰہی کی تکمیل ہو اس لئے مقاصد شریعت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلاف امت بھی اسی طریقہ کار پر گامزن نظر آئیں گے۔ گو کہ معلمیں کو مالی طور پر مستحکم کرنے کے لئے امراء اور اہل ثروت کی امداد اور اوقاف کا نظام ہوتا تھا۔ ملوک وسلاطین اسلامی معاشرے میں علوم کی ترویج اور اشاعت کو اپنی ذمہ داری خیال کرتے اور معلمین کی امداد اور درسگاہوں کے قیام کے لئے جاگیرین وقف ہوتی تھیں مگر طالب علم سے معاوضہ نہ لیا جاتا تھی معاشرے میں تعلیم کا عمل جاری رہتا تھا بطور عبادت کے کیونکہ مقصد معرفت الٰہی ہوتا۔

مغربی فکر، سوچ کی وجہ سے تعلیم کا مقصد یہ نہ رہا بلکہ تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی تکمیل (بحیثیت محض انسان نہ کی بطور عبد) یعنی آزادی کا فروغ اور سرمائے کا حصول ہے تو تعلیم دینا بھی ایک کاروبار کی حیثیت اختیار کر گیا۔ تعلیم کو جس نے بطور پیشہ کے متعارف کروایا مغربی فکر اور سوچ ہے۔

مغربی افکار اور مسلم نظریات بالکل جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر ان دونوں تہذیبوں کے نزدیک، علم، ماخذ علم، حقیقتِ علم، کے بارے میں بھی الگ الگ نظریات ہیں۔

کن معلومات کو معاشرہ علم کا درجہ دیتا ہے

نظریہ علم پر بحث کرنے سے قبل یہ بات طے کرنا لازمی ہے کہ کسی معاشرے

میں علم کِس چیز کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ مسلم معاشروں میں عالم کسے کہا جائے گا۔ ہندو معاشروں میں عالم کون ہوگا؟ عیسائی معاشرے میں اہلِ علم کون سمجھے جائیں گے اور اسی طرح سول کلچر سول سوسائٹی، مغربی کلچر میں علم والے کون ہوں گے؟ ہر معاشرے میں رہنے والے افراد بعض چیزوں کو اہم خیال کرتے ہیں اور بعض چیزوں کو غیر اہم تصور کیا جاتا ہے۔ ہر معاشرے کی سب سے اہم سمجھی جانے والی چیز کے متعلق جانکاری اس معاشرے کا علم کہلاتی ہے۔ مسلم معاشروں میں سب سے اہم حقیقت جسے مسلمان تسلیم کرتے ہیں وہ اللہ اور اس کا رسول محمد ﷺ ہیں لہٰذا مسلم معاشرے میں ان کے بارے میں جانکاری یعنی قرآن و سنت سے واقفیت علم کہلاتی ہے۔ عیسائی معاشرے میں اہم ترین ہستی اللہ، عیسیٰ مریم اور بائبل ہے۔ ان کے بارے میں معلومات علم کہلاتی ہیں اور ان کے بارے میں جاننے والے کو عالم کہتے ہیں۔ ہندو معاشروں میں اہم ترین سمجھے جانے والی حقیقت بھگوان، وید وغیرہ ہیں تو اس معاشرے میں ان کے بارے میں جاننا علم ہے اور اسی کے جاننے والے کو عالم کہا جائے گا۔ بالکل اسی طرح، سیکولر اور لبرل معاشرے میں اہم ترین چیز نہ تو قرآن و حدیث ہے اور نہ ہی گرنتھ اور وید ہے اور نہ ہی اہم ہستی مریم و عیسیٰ ہیں بلکہ ان سب سے زیادہ اہم اور قابلِ قدر خود انسان ہے انسان کی رائے اور اس کی آزادی ہے۔ جو چیز انسان کی آزادی کو زیادہ سے زیادہ کرے گی وہ ہی قابلِ قدر ہوگی بلاشبہ وہ چیز سرمایہ ہے۔ جس کے پاس جس قدر سرمایہ ہوگا وہ تمتع فی الارض زیادہ سے زیادہ کر سکے گا۔ دنیا سے مستفید زیادہ ہوگا۔ انسان کا کمال اور معراج یہ نہیں کہ وہ خدا رسول ﷺ کی اطاعت میں پیش پیش ہو بلکہ اس کا معراج و کمال یہ ہے کہ وہ دنیا میں

جو چاہے جاہ لے اور اپنی چاہت کو قابلِ عمل بنانے کے لئے سرگرم ہو اپنی چاہت کے مطابق زندگی گزارنا یہ سب سے اہم چیز ہے اور یہ صرف کثرت سرمایہ سے ممکن ہے۔

لہٰذا سیکولر اور لبرل معاشروں میں اہم ترین حقیقت سرمایہ ہے۔اس کے متعلق جانکاری علم کہلائے گا اور جس علم کے نتیجہ میں سرمایہ کی طاقت زیادہ سے زیادہ ہونے کا امکان ہو وہ علم باقی علم سے اعلیٰ ہوگا اس معاشرے میں درحقیقت صرف اور صرف اسی کو علم سمجھا جائے گا اور اس کے علاوہ معلومات علم کے تلچھٹ کے طور پر تسلیم ہوں گی پڑھا لکھا شخص بھی وہ قرار پائے گا جس کی معلومات سے سرمایہ، آزادی میں اضافہ ہو جو معلومات انسان کی مادی آسائش یا دنیاوی فائدے کے علاوہ کوئی اور بات کر رہی ہوں وہ درحقیقت اس معاشرے میں علم ہی نہ کہلائیں گی اور اس کا جاننے والا عالم ہی تسلیم نہ کیا جائے گا____ جس طرح ایک معاشرے میں عالم سمجھا جانے والا دوسرے معاشرے میں جاہل متصور ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح تمام مذہبی معاشروں میں عالم سمجھے جانے والے افراد سیکولر اور لبرل معاشرے میں اپنے اس علم کی وجہ سے پڑھے لکھے Educated متصور نہیں ہوتے بلکہ دُنیا اور اسکی حقیقت سے جاہل متصور کیئے جاتے ہیں۔

اس اصول اور کسوٹی کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف معاشروں کا علم اور عالم مختلف ہوں گے۔ایک خاص نوعیت کی معلومات اس معاشرے کا علم متصور ہوگا۔ کسی معاشرے کے بدل جانے سے وہ معلومات اپنی حیثیت کھو دیتی ہیں۔زیرِ بحث موضوع مغربی تصور علم اور اسلامی تصور علم بھی اسی نوعیت کا ہے۔

کائنات کی حقیقت اعلیٰ ہستی:

مغربی تصور علم اور اسلامی تصور علم میں بنیادی فرق کائنات کی حقیقت اعلیٰ کے بارے میں اختلاف ہے ایک مسلمان اللہ اور رسول اللہ ﷺ کو اہم گردانتا ہے ان کے متعلق معلومات ہی علم تصور کرتا ہے اور ان کے ارشادات کی روشنی میں ہی تمام کائنات کے رازوں کو جاننے کی کوشش کی جائے گی۔ اسی اسلامی تناظر میں تمام قسم کے علوم کے بارے میں بھی جانکاری حاصل کریں گے جیسا کہ قرآن مجید میں پہلی وحی ہے:

ارشاد باری تعالیٰ:

''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ☆

پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا''[۸]

جب کہ مغربی تصور مختلف ہے کیونکہ سیکولر اور لبرل ذہنیت میں اس کائنات کی سب سے اہم حقیقت خود انسان ہے۔ لہٰذا حاصل کیا جانے والا علم صرف انسانی زندگی کے تناظر میں حاصل کریں گے۔ انسان کا تمام مطالعہ اس کی دنیاوی زندگی کے نفع کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا اور اس کا ماخذ صرف عقل ہوگا۔

اسلامی تصور علم احکامِ الٰہی اور وحی کے تناظر میں حاصل کیا جائے گا جب کہ سیکولر اور لبرل تصور علم محض عقل و انسانی شعور کے تناظر میں حاصل کیا جائے گا۔

ماخذ علم:

مغربی تصور علم میں ماخذ علم انسانی کے علاوہ کوئی خارجی ذریعہ علم وحی وغیرہ

بطور ماخذ تسلیم نہ کیا جائے گا۔ ماخذ صرف عقل اور حواس ہوں گے۔ اسلامی تصورِ علم میں ماخذِ علم جس طرح حواس و عقل ہے۔ اسی طرح ایک ماخذ وحی بھی ہے۔ جو خطا کے امکان سے بالکل پاک ہے۔ ڈاکٹر خالد جامعی اس کے بارے میں راقم طراز ہیں کہ:

"مسلم معاشرہ انسانی علم کے
لئے خارج کا محتاج تھا یعنی وحی وغیرہ،
سیکولر معاشرہ علم کے لئے کسی خارج کا نہیں
صرف داخل کا یعنی عقلیت کا محتاج ہے"[9]

موضوع علم، علم اور ماخذ علم کا باہمی ناتا

ہر علم کے ساتھ تین چیزیں لازم ہیں نمبر (۱) موضوع علم، نمبر (۲) ماخذ علم نمبر (۳) ذریعہ علم، جیسے ہی کوئی علم تبدیل ہوگا تو اس کے ساتھ یہ تینوں چیزیں بھی تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے تبدیل ہونے سے باقی دونوں بھی تبدیل ہو جائیں گی۔ اسلامی تصور علم میں اصل علم حقیقۃ الحقائق کا علم ہے۔ اسی تناظر میں دیگر علوم میں بھی حاصل کئے جائیں گے۔ مغربی تصور علم میں اصل علم (آزادی) میں اضافہ کا علم ہے۔ اسی تناظر میں دیگر علوم حاصل کئے جائیں گے۔ ان دو مختلف موضوعات کے لئے ذریعہ بھی الگ الگ اختیار کیا جاتا ہے۔ اسلامی تصور علم میں وحی ذریعہ علم ہوگا اس کے بغیر حقیقت تک رسائی ممکن ہی نہیں ہے۔ جب کہ مغربی تصور علم میں حواس اور عقل سے مطلوبہ مقاصد تک رسائی ممکن ہے۔ وحی کے علم کو لازمی نہ سمجھا جائے گا۔ یہ فرق موضوع علم کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے واقع ہُوا ہے۔ ڈاکٹر

خالد جامعی جو مسلم معاشرے اور سول سوسائٹی میں فرق تحریر کرتے ہوئے ان الفاظ میں علم کی وضاحت کرتے ہیں

"مسلم معاشرہ میں اصل علم
حقیقۃ الحقائق کا علم تھا سول کلچر میں اصل علم
سرمائے میں اضافہ کا علم قرار پایا" [۱۰]

علم عقیدے سے جنم لیتا ہے:

اسلامی تصور میں سب سے پہلے عقیدہ ہوتا ہے اور اسی عقیدے کی روشنی میں علم حاصل کیا جاتا ہے اور اسی طرح تمام کا تمام علم اس عقیدے کی تقویت کا باعث بنتا ہے۔ عقیدہ اس کی اولین ترجیح ہوتی ہے۔ اس سے علم پھوٹتا ہے۔ اسی لئے تمام فقہی مسائل، محدثین ومفسرین کی تحقیقات اصولی عقائد کے ہم آہنگ ہوں گی۔ جس سے معاشرے میں ایک صحیح عمل کی راہ ہموار ہوتی ہے جب کہ سیکولر اور لبرل تصور میں علم پہلے ہے اور مابعد الطبیعات عقائد سے بحث کرنے کو غیر ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ یعنی علم کسی خاص روشنی (تناظر) میں حاصل نہ کیا جائے گا۔ دعویٰ تو یہ ہوتا ہے۔ مگر جب عملی طور پر معاملہ پیش آتا ہے تو انسان کو لامحالہ کسی نہ کسی تناظر میں ہی علم حاصل ہوتا ہے تو پھر محض عقل وتجربے پر علم کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ جو کسی طرح بھی خطا کے امکان سے خالی نہیں ہے جب ہر شخص اپنی اپنی عقل اور تجربے کو استعمال کرتے ہوئے علم حاصل کرتا ہے تو اعتماد صرف اپنی ذات وعقل پر بڑھتا ہے۔ علم کے بہت سے معاملات میں انسان تشنہ رہ جاتا ہے اور علم کا درجہ قطعیت سے ظنیت پر آجاتا ہے۔

تناظر میں فرق:

یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ علم کسی نہ کسی تناظر میں ہی حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ وہ روشنی ہے جو کسی نہ کسی زاویے پر سفر کرتی ہے اس لئے زاویہ تناظر کیا ہوگا۔ تناظر کے تبدیل ہو جانے سے حقیقت کے ادراک میں فرق پڑ جاتا ہے۔

اس بارے میں ڈاکٹر خالد جامعی رقم طراز ہیں کہ:۔

''اسلامی تصور علمی تناظر میں
بتاتا ہے کہ حقیقت کا ڈھانچہ موجود ہے
ہمارا ذہن اگر اسے اسی طرح پہچان لے
جیسا کہ حقیقت ہے تو ہم حقیقت کو پہچان
لیں گے''[11]

اسلامی تصور میں حقیقت انسان خلق نہیں کرتا اور نہ انسان یہ خلق کر سکتا ہے بلکہ اس کے ادراک کے لئے جستجو کرتا ہے، مختلف تناظرات میں ادارک حقیقت کا صحیح ترین تناظر وہ ہی ہے جو خالق حقیقت کی طرف سے طے کر دیا گیا ہے یعنی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ☆

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا

جب کہ مغربی تصور علم کے مطابق حقیقت کا کوئی ڈھانچہ کائنات میں موجود نہیں اصل حقیقت وہی قرار پائے گی جو انسان کے ذہن میں آجائے۔ یعنی انسان محض حقیقت کا ادارک نہیں کرتا بلکہ اس کو خلق بھی کرتا ہے یعنی سود، شراب نوشی، زنا،

اور دیگر معاشرتی و معاشی، سیاسی و سماجی یا اس کے علاوہ انسان کے ذاتی معاملات میں صحیح اور غلط کیا ہے؟ اس کا تعین اپنے عقل و شعور سے کرے گا کسی خارجی علم جو تجربے سے ثابت نہ ہو مثلاً وحی پر اعتماد نہ کیا جائے۔ علم صرف اسی چیز کو تسلیم کیا جائے جس پر تجربہ ہو سکے۔ لامحالہ اس نظریہ کی وجہ سے علم محدود ہو گا حواس و عقل کے دائرہ میں وحی کے ذریعہ علم ہی تسلیم نہ کیا جائے گا۔

اسلام اور مغربی کے ماخذ علم میں فرق:

اسلامی تصور علم میں ماخذ علم حسی چیزوں میں حواس کو تسلیم کیا جاتا ہے اور دوسرا ماخذ عقل ہے، یہ دونوں کسی چیز کے صحیح ادراک میں خطا کھانے کا امکان رکھتے ہیں کیونکہ عقل کے سوچنے کی بنیاد حواس پر ہے اور حواس کئی بار خطا کھا جاتے ہیں مثلاً دور سے دیکھی گئی چیز قریب کے مقابلے میں چھوٹی محسوس ہوتی ہے سراب کو سمندر خیال کرنے لگتا ہے۔ جب حواس کا نتیجہ غیر یقینی ہے تو عقل اس پر منحصر ہے اس کا نتیجہ بھی امکان خطا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تیسرا ذریعہ اشیاء کی حقیقت کا وہ عطا فرمایا ہے۔ جو امکان خطا سے پاک ہے وہ ہے وحی الٰہی، جو اللہ کے پیغمبر پر نازل ہوتی ہے۔ وہ اس کائنات کے سچے ترین انسان تھے۔ جن حقائق کے متعلق انسان عقل و شعور سے نہیں جان سکتا اس کے بارے میں اطلاع کے لئے وحی الٰہی کا سلسلہ جاری فرمایا تا کہ انسان جان لے کہ یہ کون ہے؟ پیدائش سے پہلے کہاں تھا؟ مرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے؟ اس کو کس نے پیدا کیا اور کن کاموں سے خوش ہوتا ہے؟ اور انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ لہٰذا حتمی اور آخری ذریعہ علم عطا کیا جس کے

بارے میں انسان خطا نہ کھائے اور حقیقت کے ادراک میں غلطی نہ کرے۔اس طرح اسلامی تصور میں علم کی بنیاد یقین پر ہے۔وحی سے حاصل شدہ علم یقینی اور قطعی ہوتا ہے جب کہ مغربی فکر میں علم کی بنیاد یقین پر نہیں ہے بلکہ شک و ریب پر ہے۔اس حوالہ سے ڈاکٹر خالد جامعی تحریر کرتے ہیں کہ:۔

> ’’مسلم معاشرہ میں علم کی بنیاد یقین تھی ۔مغربی معاشرہ میں علم کی بنیاد ڈیکارٹ کے بعد شک پر رکھی گئی ۔ ایسا طریقہ جو شک سے یقین تک پہنچائے لہٰذا ڈیکارٹ کے بعد تمام فلسفی ریب و شک میں ہی گرفتار رہے‘‘[۱۲]

علم کے باب سے مابعدالطبیعات کا سوال خارج:

مابعدالطبیعات میں پانچ بنیادی سوالات سے بحث کی جاتی ہے:اس ضمن میں ظفر اقبال رقم طراز ہیں:۔

> ’’ما بعد الطبیعات پانچ بنیادی سوالات سے بحث کرتی ہے۔میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کہاں جاؤں گا؟ مجھے کس نے پیدا کیا میرا کیا انجام ہوگا؟ یعنی طبعی اور حسی چیزوں سے ماوریٰ ہو کر کچھ سوالات یا کسی چیز کے متعلق معلومات مابعدالطبیعاتی سوالات کہلاتے ہیں‘‘۔[۱۳]

اسلامی تصورِعلم میں ان سوالات سے بحث کی جاتی ہےاور تشفی بخش جوابات دیئے جاتے ہیں۔مابعدالطبیعات کے بارے میں جاننا علوم میں سے اہم ترین علم قرار دیا جاتا ہے۔

اسلامی کلچر میں عقائد(مابعدالطبیعات) کاعلم اہم ترین تھا کہ انسان ان چیزوں کے بارے میں جانکاری حاصل کرتا کہ اس کامقصدِ حیات کیا ہے۔اس کا انجام کارکیا ہوگا؟ وہ کون ہے؟ وغیرہ۔لہٰذا اسی تناظر میں عملی زندگی کوتشکیل دیتا تھا جوعملاً ظلم وبے انصافی سے روکتی اور معاشرتی عدل قائم کرنے کے لئے ممد ومعاون ہوتی ہے جب کہ مغربی تصورعلم میں مابعدالطبیعات کی جگہ موجود دنیا کی مابعدالطبیعات نے لے لی۔انسان صرف موجود وخارج کی دنیا کے متعلق جانکاری حاصل کرنے میں مصروف ہےاورآخرت کے متعلق خیالات کوعبث اور وہم پرمبنی خیال کیا جاتا ہے۔جو بھی قوم علم کی بنیادمحض تجربہ پر رکھتی ہوایسی ہی ٹھوکریں کھاتی ہے۔بہت سے ان حقائق سے انسان ناواقف رہتا ہےجن پرتجربہ نہیں ہوسکتا۔ڈاکٹر خالد جامعی تحریر کرتے ہیں کہ:۔

”اسلامی تصور علم میں مابعدالطبیعات پہلے ہوتی ہےاورعلمیت مابعد الطبیعات سے نکلتی ہے جب کہ سیکولراورلبرل فکر میں علمیت پہلے آگئی اور ہمارے ذرائع علم کیا ہیں؟ اورہم ان سے کیا جان سکتے ہیں اس علمیت سے مابعدالطبیعات نکالی

گئیں لہذا مابعد الطبیعات کا علم علمیت کے

دائرہ سے باہر ہو گیا''۱۴۰

عصر حاضر میں علم کی بنیاد شک پر:

انسان تحقیق کے بعد جس نتیجے تک پہنچے گا وہ حتمی اور یقینی تسلیم نہیں کیا جاتا بلکہ اس میں ہمیشہ غلطی کا امکان باقی رہتا ہے اور اس کو درست بھی کیا جا سکتا ہے۔ کسی بھی تحقیق کو آخری اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سائنس دان کی موت واقع ہو گئی۔ لیکن جو بھی ثابت شدہ چیز ہے اس پر مزید تحقیق کرتے رہیں گے تاکہ اس غلطی کو بھی دور کیا جائے۔ ہر حاصل شدہ تحقیق کی ابتدا اور انتہا شک پر ہوتی ہے جب کہ اسلامی تصور علم میں علم کی ابتدا اور انتہا شک پر نہیں ہوتی۔ جو چیز بھی وحی سے ثابت ہے اس پر شک نہیں کیا جا سکتا وہ اسلامی تصور علم میں حتمی ہے اور امکان خطا سے بالکل پاک ہے۔

سیکولر معاشرے اور مسلم معاشرے کا عالم:

مسلم معاشروں میں علم والا اس کو کہا جاتا ہے۔ جو اس کائنات کی سب سے اعلیٰ حقیقت اللہ کے بارے میں جانکاری رکھتا ہے۔ لہٰذا عالم وہ ہوتا ہے جو قرآن و سنت سے زیادہ واقف ہو:

مسلم معاشرے میں پڑھا لکھا کسے سمجھا جائے گا ڈاکٹر خالد جامعی لکھتے ہیں

''اس معاشرے میں بیٹھ کر خدا یاد آئے

دنیا اور دنیا کی لذتیں نعمتیں حقیر نظر آنے لگیں اور خدا کی محبت تمام

محبتوں پر غالب آجائے جب کہ سیکولر معاشرے میں پڑھا لکھا

اور علم والا وہ کہلائے گا جو مادی دنیا کے بارے میں علم سیکھے جس
کے ذریعے زیادہ سے زیادہ پیسہ کمایا جاسکے"۔ ۱۵

کیونکہ اس معاشرے کی سب سے اہم چیز جسے سمجھا جاتا ہے وہ ہے پیسہ لہٰذا جس علم کے بدلے سرمائے کو بڑھایا نہ جاسکتا ہو۔ اس علم کو علم نہیں سمجھا جاتا۔ اس عالم کو عالم، پڑھا لکھا شخص تسلیم نہیں کیا جاتا۔

کسی معاشرے میں جس حقیقت کو سب سے اہم اور قابل قدر خیال کیا جاتا ہے اسی حقیقت کے بارے میں جانکاری اس معاشرے میں علم سمجھا جاتا ہے اس کے جاننے والے کو پڑھا لکھا خیال کیا جاتا ہے۔

مثلاً: مسلم معاشرہ میں جس حقیقت کو سب سے اہم خیال کیا جاتا ہے وہ ہے اللہ، رسول اور ان کے فرامین یعنی قرآن وسنت۔

عیسائی معاشرہ میں اللہ، عیسیٰؑ، مریمؑ ان کے بارے میں معلومات بطور علم تسلیم کی جاتیں ہیں اور ہندو معاشرہ میں بھگوان، دیوتا، وشنو، ان کی کہانیوں کا علم۔ اسی طرح موجودہ سول کلچر میں آزادی بطور قدر واصول کے تسلیم کیا جاتا ہے آزادی کے حصول کا ذریعہ سرمایہ ہے لہذا ہر وہ علم جو سرمائے کے بڑھانے کے بارے میں بتائے علم کہلائے گا۔ جس طرح مسلم معاشرے کے عالم کو عیسائی معاشرے عالم تسلیم نہیں کرتے۔ اسی طرح ہندو معاشرے کا عالم مسلم وعیسائی کمیونٹی میں بے وقعت ہوگا اس کی قدر نہ ہوگی۔ بالکل اسی طرح اگر ان تینوں میں سے کوئی سول کلچر کا حصہ بن جائیں تو ان کی قدر ایسی نہ ہوگی جیسی کہ اس مذہبی معاشرے میں ان کی قدر تھی۔

مذہبی معلومات کو علم کے تل چھٹ کے طور پر باقی رکھا جاتا تھا۔ لیکن معاشرہ پڑھا لکھا

انسان اسی کو تسلیم کرتا ہے جس کی معلومات سرمایہ کی بڑھوتری کے بارے میں بتائیں۔

حوالہ جات

۱۔ اصفہانی، راغب ، المفردات فی غریب القرآن ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز (س.ن)۔جلد2،ص:442

۲۔ الغزالی، ابو حامد، محمد، المستصفیٰ ، جلد1 ،ص:74۔

۳۔ جرجانی, سید شریف , معجم التعریفات ،قاہرۃ دار الفضیلۃ (س.ن) ، ص130۔

۴۔ الاندلسی، علی بن محمد، الاحکام فی الاصول الاحکام، بیروت، دار الآفاۃ الجدیدہ (س.ن) جلدا،ص:32

۵۔ چیمہ، مسرت شوکت، تعلیم کے اسلامی آفاق، اسلامک ایجوکیشنل ٹرسٹ، طبع اوّل لاہور،1995،ص: 186

۶۔ ایضاً،ص:167

۷۔ القرآن سورۃ یٰسین، آیت نمبر:21

۸۔ القرآن، سورۃ العلق، آیت نمبر:1

۹۔ جامعی، محمد خالد، ڈاکٹر، جریدہ نمبر ۳۵، جامعہ کراچی یونیورسٹی، ص:323

۱۰۔ ایضاً،ص:323

۱۱ ایضاً،ص:323

۱۲۔ ایضاً،ص:323

۱۳۔ ایضاً،ص:324

۱۴۔ ایضاً،ص:324

۱۵۔ ایضاً،ص:325

باب دوم

پاکستان کا نظامِ تعلیم، تعارفی و تجزیاتی جائزہ

فصل اول:

پاکستان میں مختلف نظام ہائے تعلیم

پس منظر:

پاکستان میں رائج نظامہائے تعلیم آج بھی اس کشمکش سے دوچار ہیں۔جس کشمکش کی ابتدائبر صغیر میں انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں ہوئی تھی۔اس سے قبل برصغیر پاک وہند میں ایک ہی نظامِ تعلیم رائج تھا۔ایک نظامِ تعلیم کی وجہ سے مختلف افکار کے حامل افراد کو بہت حد تک قریب لایا جاسکتا ہے۔برصغیر میں رائج ایک صحتمندانہ تعلیمی نظام اس قدر قابلِ فخر تھا کہ اس زمانے میں ذرائع آمدورفت بہت دشوار تھے 75%لوگ پڑھے لکھے تھے۔

برطانوی کمیشن نے اپنے قدم اچھی طرح سے جمالینے کے بعد1813ء میں برطانوی تعلیم کا آغاز کیا ۔جنوبی ایشیا پر برطانیہ کا تسلط 1947ء تک قائم رہا۔ 1813سے1947 تک کے دور میں کئی برطانوی تعلیمی پالیسیاں بنائی گئیں۔

1813ء سے 1835ء

1835ء سے 1854ء

1854ء سے 1882ء

1882ء سے 1904ء

1904ء سے 1929ء

1929ء سے 1947ء[۱]

یہ نظامِ تعلیم اپنی اساس اور اصل کے اعتبار سے برصغیر کے گزشتہ نظامِ تعلیم سے خصوصاً مسلمانوں کی تعلیمی میراث اور تعلیمی اساس سے متصادم تھا۔1883ء تک برطانوی نظامِ تعلیم پر عیسائی مشنری سرگرمیوں کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے اس کے بعد حکومت نے سیاسی مصالح کے پیشِ نظر مشنریوں کی براہِ راست مداخلت کو پسند نہ کیا۔ بہرحال سرکاری تعلیمی پالیسی میں مغربی علوم وفنون اور اس کی تہذیب وثقافت کو فروغ دینا اولین حیثیت ترجیح تھی۔تاکہ اہلِ ہند کو اُن کی اپنی تہذیب وثقافت سے کاٹ دیا جائے اور مغربی تہذیب وثقافت، مغربی اندازِ فکران میں پیدا کیا جائے۔مغربی چال ڈھال کا دل دادہ بنایا جائے۔ جب ان کی ذہنی سطح یہ ہوگی تو انگریزوں کو غاصب سمجھنے کی بجائے اپنے محسن خیال کرنے لگیں گے۔

اس نئے نظامِ تعلیم سے ان کو غلامی میں پختہ کار، باصلاحیت افراد مل سکتے تھے۔جو انگریز کے نظام زندگی وہ سیاسی طور پر سماجی یا معاشی سرگرمیاں ہوں ان کو سیکولر بنیادوں پر نافذ کرسکتے ہیں۔محکومانہ ذہن رکھنے والے اپنی تہذیب وتاریخ پر شرمندہ زندگی کے ہر میدان میں مغربی تہذیب کو آئیڈیل سمجھنے والے باصلاحیت افراد مل جائیں اور برطانیہ کا یہ خواب کہ ’’ہم لندن میں بیٹھ کر ہندوستان میں حکومت کرنا چاہتے ہیں‘‘، پورا ہُوا۔[۲]

ہندوستان میں برطانوی نظام کے نظم ونسق چلانے والے قلیدی عہدوں پر تو برطانوی افسران ہی ہُوا کرتے تھے مگر مقامی سطح پر کسی کو حکومت کی کوئی ذمہ داری سونپی جاتی تو ضروری تھا کہ وہ سرکار کا ’’وفادار‘‘، ہو نسلاً ہندوستانی ہو مگر مزاجاً انگریز ہو۔اس

تعلیمی نظام کا اولین ہدف اہلِ ہند کو جدید علوم سے آراستہ کرنا ہرگز نہ تھا۔ نئے تعلیم کے نظام میں ساری کوشش انگریزی ادب مغربی کلچر کی تدریس ہوتی یا پھر برٹش لاء پڑھایا جاتا تھا۔

ہندوستان میں نافذ کیا جانے والا نظامِ تعلیم قطعاً مختلف تھا اُس نظامِ تعلیم سے جو خود انگلستان میں نافذ تھا۔ تاریخ شاہد ہے ہندوستان کا مغربی نظامِ تعلیم اپنے ڈیڑھ سو سال کے طویل عرصہ میں ایک قابلِ ذکر سائنس دان، فلسفی یا ادیب پیدا نہ کر سکا۔ بلکہ نو آبادیاتی تعلیمی نظام نے برصغیر پاک و ہند میں کئی طرح کے مسائل جنم دیئے۔[۳]

برٹش راج کے مسلمانوں کی تعلیم کے اثرات:

1۔ انگریزوں نے یہاں کے صحت منداور ترقی پذیر نظامِ تعلیم کو ختم کیا اور نیا نظامِ تعلیم رائج کیا۔ اس میں نہ ملک کی ضروریات کا خیال رکھا گیا نہ ہی اعلیٰ مقاصد کے تحت اسے پروان چڑھایا گیا۔

2۔ تعلیم کو فلسفہ حیات، مقاصد تعلیم، اخلاقی اقدار اور حقائق زندگی سے کاٹ کر محض تمدنی خوشہ چینیوں اور ادنیٰ ملازمین کی ایک نئی فوج تیار کرنے میں استعمال کیا گیا۔

3۔ جو نیا نظامِ تعلیم اس ملک میں رونما ہُوا وہ نہ ملک کی ضروریات کو پورا کرتا تھا اور نہ ہی بین الاقوامی دنیا کی تعلیم کی کوئی تعلیم ہندوستان کی سرزمین اور یہاں کے لوگوں کی تا

ریخ، تمدن اور ثقافتی ضروریات سے نہ تھا۔ بین الاقوامی پیمانے پر مشرق ومغرب کی جو کشمکش رونما تھی اور جو نظریاتی نظام تصادم درپیش تھا۔ اس تعلیم میں اس کا کوئی شعور نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیمی نظام محض جی حضوریے تو پیدا کرسکا لیکن ایسے انسان پیدا نہ کرسکا جو نئے حالات میں نئی راہیں نکال سکتے۔ اس سلسلہ میں ایس، ایم، شاھد رقم طراز ہیں کہ:

"تعلیم کے ساتھ جو سلوک انگریزوں نے کیا اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جس وقت وہ ملک چھوڑ کر گئے ملک میں خواندگی کا معیار 11.80% اور سکول کے تعلیم یافتہ افراد کا 5% سے بھی کم تھا۔ لیکن جس وقت انہوں نے اقتدار سنبھالا ہے خود اُن کی سرکاری رپورٹیں یہ تسلیم کرتی ہیں کہ مدرسوں کے ذریعے سے تعلیم حاصل کئے ہوئے افراد کا اوسط 25 سے 33 فیصد تک تھا"[۴]

4۔ نئے نظام میں جو تعلیمی طریقے اختیار کئے وہ غلط ہی نہیں تباہ کن بھی تھے۔ مقامی تعلیمی طریقوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ اوسط انیسویں صدی کے انگریزی نمونے کو سامنے رکھا گیا جس کا تعلق یہاں کی تاریخ اور تہذیب سے نہ تھا۔

5۔ یہاں تعلیم کا کوئی تعلق ملک کی تمدنی زندگی اور معاشی ضروریات سے نہیں اور یہ بھی اسی کا نتیجہ تھا کہ جدید تعلیم کے فروغ کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ افراد کی

بے روزگاری میں برابر اضافہ ہوتا گیا اور آج بھی ہندوستان، پاکستان دونوں اس مسئلے سے دوچار ہیں۔

6۔ کسی موقع پر بھی ملک کی تعلیمی ضروریات کو سامنے رکھ کر ان کو پورا کرنے کے لئے نقشہ کار نہیں بنایا گیا۔ صرف ایک گروہ کی تعلیم پیشِ نظر رہی کسی معاملے میں دوراندیشی نظر آتی ہے تو وہ صرف یہ کہ مشرقیت کا ہر رنگ مٹ جائے اور مغربیت کا رنگ چڑھ جائے۔ اس سے ہٹ کر اصل تعلیمی معاملات میں نہ منصوبہ بندی ہے نہ دور بینی نہ معاملات کا فہم ہے

7۔ جو بات اس نئی تعلیم کے حق میں زیادہ سے زیادہ کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے اس کے نتیجے میں مغربی فکر و ادب تک رسائی ہوئی۔ مغرب کے اصول تنقید کی روشنی میں مشرقی علوم کا از سر نو مطالعہ شُروع ہُوا۔

8۔ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے یہ دور سب سے زیادہ تلخ، سب سے زیادہ تباہ کن اور سب سے زیادہ ضرر رساں رہا۔ اس لیے کہ نئی تعلیم میں اصل ہدف مسلمان ہی تھا اور ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ انگریز اپنی چال میں کامیاب رہا اور اس نے محض تعلیم ہی کو تباہ نہ کیا بلکہ نئی نسل کے ذہن و فکر کو بگاڑ دیا۔

9۔ ہم ایک ایسے نظامِ تعلیم میں گھرے ہوئے ہیں جو ہماری تاریخ، ہماری ثقافت، ہمارے مذہب، ہماری ملکی ضروریات، ہمارے ادب ہماری روایت ہر ایک کے لئے چیلنج ہے۔

مسلمانوں میں سیاسی، ذہنی اور معاشی شعور زندہ کرنے کے لئے مختلف سطح پر محنت کی گئی۔ 1857ء کی جنگِ آزادی، جنگِ پلاسی، میسور کی لڑائیاں، احمد شاہ ابدالی

کا حملہ، حضرت مولنا سید احمد شہید کا جہاد، حضرت شاہ ولی اللہ کی تعلیمی تحریک اس سلسلے کی کڑیاں تھیں۔حضرت شاہ صاحب کے بعد کی تحریکات کے قائد بالواسطہ یا بلاواسطہ ۔حضرت شاہ ولی اللہ کی تحریک کے فیض یافتہ تھے۔نظامِ تعلیم کی تشکیل،نوع میں نمایاں اثرات کے اعتبار سے چار تحریکیں قابلِ ذکر ہیں:

1۔	تحریکِ علی گڑھ	2۔	تحریک دیوبند
3۔	ندوۃ العلماء	4۔	جامعہ ملیہ اسلامیہ

تحریک کے بانی کے اثرات آئندہ آنے والے افراد کے مزاج،طبعیت سے لے کر چال ڈھال تک ہوتے ہیں سر سید نے مسلمانوں کی خیر خواہی کا جو راستہ اختیار کیا اس میں پیش نظر صرف مسلمانوں کا مادی مفاد تھا انہوں نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے انگریز کی خوش آمد بھی کی اور ان کو اپنا ہم نواء بھی بنایا حتی کہ سکول کی ابتداء بھی انہی افراد سے کروائی۔اس سلسلہ میں شیخ محمد اکرم موج کوثر میں رقم طراز ہیں کہ:۔

''سر ولیم میور نے (یو پی کے
گورنر جس نے ذات اقدس پر حملے کئے
تھے) ایک ہزار دیا اور دوسرے انگریز
افسروں نے بھی مدد کی اس طرح بالآخر
رجنوری ءکو لارڈ لٹن کے ہاتھوں ایم اے او
کالج علی گڑھ کا افتتاح ہوا''۵؎

افتاح کروانا کوئی زیادہ قابل اعتراض بات نہیں اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ

انہوں نے تقلید مغرب کو بے دریغ قبول کیا اور تہذیب اخلاق کے نام سے رسالہ بھی لکھا جو برصغیر کے افراد کو مغربی چال اختیار کرنے پر اکسایا گیا ہے شاید ان کو بھی اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ ان کے ہاتھوں اہل مغرب کے مقصد کی تکمیل ہوگی اور مسلمان ذہنی طور پر پسماندگی کا شکار ہو جائیں گے بقول اقبال کے

دے کے فکر معاش ان سے روح محمد چھین لو

تحریک علی گڑھ کی بنیاد نظریات سے مصالحت اور اسلام اور مغرب کی ہم آہنگی سے مادی ترقی کا حصول پیشِ نظر تھا۔ جبکہ تحریک دیوبند کا مقصد دینی اقدار کا تحفظ، ہندوستان میں اسلامی تشخص کی بقاۂ اولین ہدف تھا۔ مادی مفاد سے یکسر بے نیاز ہو کر اسلامی علمی ورثہ کی حفاظت پر قوت صرف کی گئی مغربی نظام کی مخالفت اور ہر قسم کے تساہلانہ رویے سے بھی گریز کیا گیا تاکہ دین کی حقیقی شکل مسخ نہ ہو اور ان کٹھن حالات میں اسلامی ورثہ کی حفاظت کی اور اگلی نسل تک منتقل کرنے کی ذمہ داری بطریقِ احسن ادا فرمائی۔ ان دو تحریکوں کا اثر مسلم معاشرے پر نمایاں رہا اور اب تک ہے لیکن ان دو رُخوں پر سفر کرنے والوں کو ایک منزل کی تلاش تھی کہ وہ مسلمانوں کی فلاح اور بہتری کے خواہاں تھے۔ ایک نے سیاسی اور معاشی فلاح کو اولین ترجیح دی اور مغربی اندازِ فکر اس قدر متاثر ہوئے کہ اسلامی تشخص عیب لگنے لگا۔ خدا پرستی کی بجائے مادہ پرستی جڑ پکڑنے لگی۔

دوسری جانب تحریکِ دیوبند نے اسلامی تشخص کی بطریقِ احسن حفاظت کی اور اپنی اس کاوش میں کامیاب رہی۔ مگر مسلمانوں کے معاشی معاملات اور سیاسی صورتِ حال کو بہتر بنانے کے لئے کوئی خاطر خواہ انتظام نہ تھا۔ یہ تحریک مسلمانوں پر

مغربی تہذیب کی یلغار کو نہ روک سکی کیوں کہ تحریکِ دیوبند کی متوازی علی گڑھ تحریک اپنے مادی فوائد کی وجہ سے عوام میں قبولِ عام کا درجہ حاصل کرگئی۔تحریک علی گڑھ کے فوائد کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔لیکن اس حقیقت سے بھی فرار ممکن نہیں کہ اب ہم ایک بہترین و مکمل نظامِ تعلیم کی بجائے دینی اور عصری نظامِ تعلیم میں بٹے ہوئے ہیں۔دینی علم کے لیے مدارس اور عصری علوم کے لئے سکول۔حالانکہ شریعتِ مطہرہ کا تقاضہ اور اسلام کا مزاج یہ نہیں ہے۔ہم مغرب کی تقلید یا رد میں اساسی اور اصلی نظامِ تعلیم کی بنیادیں کھو چکے ہیں۔

اس ضمن میں ڈاکٹر ذوالکیف احمد تحریر کرتے ہیں کہ:۔

"تعلیمی کمی کو پورا کرنے کے لئے ندوہ تحریک چلی کہ اس نظامِ تعلیم سے مسلمانوں کی دونوں ضرورتوں دینی اور عصری مہارتوں کو بھی پورا کرنے کا اہتمام تھا۔اس کے علاوہ تحریک علی گڑھ ہی کی ایک اصلاحی شکل جامعہ ملیہ اسلامیہ کی شکل میں ظاہر ہوئی۔کیونکہ علی گڑھ سرکاری گرانٹ سے چلنے کی وجہ سے سرکاری اثرات اس پر غالب تھے اور امتِ مسلمہ کی امنگوں کو حاصل کرنے میں مکمل ناکام ہو چکا تھا۔علی گڑھ سے وابستہ افراد نے اس

کی اصلاح کے لئے تحریک چلائی جس کا

سہرہ محمد علی جوہر پر آتا ہے''۔۶

جو اپنے اہداف و مقاصد کے اعتبار سے عین اسلامی نظامِ تعلیم محسوس ہوتا تھا مگر حکومت کی سخت مخالفت کی وجہ سے اس کے اثرات نظامِ تعلیم پر نمایاں نہ ہو سکے۔ 1947ء میں قیامِ پاکستان کے موقع پر ہمیں جو نظامِ تعلیم ورثے میں ملا وہ اپنے رنگ وروپ کے اعتبار سے اسلام کے تعلیمی تصورات سے بالکل مختلف تھا۔

وہ نظامِ تعلیم اس کلیت و جامعیت سے خالی تھا جس میں دینی، سیاسی، معاشی، اخلاقی و روحانی ترقی کی ضمانت مل سکے۔ پاکستان میں موجود تعلیمی ادارے اسی کشمکش کا شکار ہیں۔

1۔ عصری علوم کے ادارے 2۔ دینی علوم کے ادارے

یہی کشمکش عصرِ حاضر کے کفر ''سیکولرازم'' کو پھیلنے کے لئے موزوں ہُوا کرتی ہے۔ عوام نظریاتی طور پر اس فکر کو قبول کر لے کہ دنیاوی معاملات کو حل کرنے کے لئے دینی رہنمائی کی ضرورت نہیں دین کا دائرہ الگ ہے اور دُنیا کا دائرہ الگ ہے۔ مذہب انسان کا انفرادی مسئلہ ہے اس کو دنیاوی معاملات یعنی سیاسی، معاشرتی و معاشیات اور دیگر معاملات مذہب سے راہنمائی لینا ضروری نہیں۔ یہی تو سیکولرازم ہے یہی تو مغربی فکر کا ہدف ہے۔

پاکستان میں مختلف نظام ہائے تعلیم:

پاکستان کا نظامِ تعلیم کئی متضاد رخوں میں بٹا ہُوا ہے۔ ہمارا نظامِ تعلیم سالہا

سال سے ایک ہی ڈگری پر چل رہا ہے اگر امتحانی نتائج کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ عام طور پر ثانوی سکول امتحانی نتائج میں 50 سے 60 فیصد کے درمیان میں ہی آتے ہیں کیونکہ موجودہ نصاب عملی زندگی سے مربوط نہیں ہے۔ یہاں تقریباً ہر نظام دوسرے نظام سے اہداف، نصاب کے اعتبار سے مختلف ہے۔ علی گڑھ کی تقلید میں بنائے گئے نظام کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔ وہ بھی طبقاتی تقسیم میں بٹا ہُوا ہے۔

مقتدر طبقہ　　　　　　　　متوسط طبقہ

عام نظام

ہر طبقہ کے اہداف اور نصاب میں دوسرے سے فرق ہے سرمائے کی قوت سے ایک طبقہ دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے تحریک علی گڑھ بھی ایک خاص طبقہ کی علمی تربیت و ذہن سازی کے لئے تشکیل دیا گیا تھا اپنی قدیم روایتی انداز کی طرح سب تک اس تحریک کی روشنی پہنچانا اس تحریک کے مقاصد میں ہی نہ تھا۔ دیکھئے ایس ایم شاہد کی کتاب پاکستان میں تعلیم: ''Educating the Elite'' تعلیم کے خواص:

> ''تعلیم کی اشاعت کے سلسلے
> میں سرسید خواص کی تعلیم کے قائل تھے جبکہ
> مسلمانوں نے جنوبی ایشیا میں اپنے دورِ
> اقتدار میں عام اور مفت تعلیم کی روایت
> قائم کی تھی'' ے

تقلیدِ مغرب کے لئے راہ ہموار کرنے کی کاوشوں کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ کالج میں پروفیسر اور پرنسپل یورپین ہو گئے تھے اسی طرح ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر بھی یورپین ہو گیا تھا کیونکہ ان تعلیمی اداروں کا مقصد صرف تعلیم دینا ہی نہ تھا بلکہ مغربی طرز زندگی کے قالب میں بھی ڈھالنا اہداف میں شامل تھا اس سلسلہ میں ایس، ایم، شاہد رقم طراز ہیں کہ:۔

''کالج پرنسپل، اور پروفیسر اور ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر لازماً یورپین ہوتے تھے تاکہ طلبہ تعلیم کے ساتھ ساتھ مغربی طور طریقے سیکھ بھی لیں''[۸]

پاکستان میں مختلف نظام ہائے تعلیم

سرکاری تعلیمی ادارے

1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریز پورے ہندوستان پر قابض ہو گئے تو انہوں نے بھی مسلمانوں کو کچلنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ اس ضمن میں انہوں نے فارسی کی سرکاری حیثیت ختم کی، عدالتوں میں قاضی کا عہدہ ختم کیا اور تعلیمی اوقاف اور جاگیروں کو ضبط کر لیا۔

اسی طرح تھوڑے ہی عرصے میں مسلمانوں کو معاشی اور معاشرتی طور پر مفلوج کر دیا گیا۔ اسی دور میں کئی درس گاہوں کا قیام عمل میں آیا۔ یہ الگ بات ہے کہ درس گاہ کا اپنا مزاج تھا اور اس کے مخصوص مقاصد تھے اور ان درس گاہوں میں قابلِ

ذکر دار العلوم دیو بند، ندوۃ العلمأ اور جامعہ اسلامیہ تھیں۔ اِن میں دار العلوم دیو بند کی تعلیمی خدمات برصغیر میں نہایت اہم اور نا قابلِ فراموش ہیں۔ قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ مولانا محمد قاسم، مولانا رشید احمد اور مولانا محمد یعقوب دہلی کالج میں مولانا مملوک علی کی کلاس میں ہم درس تھے۔ یہاں سے نکل کر اس جماعت علماء نے قوم کی تعلیمی اصلاح کا بیڑہ اُٹھایا۔ سرسید احمد خاں نے قوم کے لئے جدید تعلیم تجویز کی اور باقی بزرگوں نے قوم کی قدیم اور روایتی تعلیم کا احیاء کیا اور اسے زیادہ منظّم اور فعال بنایا آج بھی برصغیر میں اِن دونوں اقسام کی درس گاہیں قائم ہیں۔ ان کا اپنا اپنا رنگ اور مزاج ہے۔ ہر دو قسم کے مدارس سے فارغ التحصیل لوگوں کے کردار اور رویہ اور سوچ میں واضح فرق ہے۔ سرسید کے نظامِ تعلیم میں جدیدیت اور علومِ حاضر کا رنگ غالب ہے اور اس میں ہر قسم کے قدیم و جدید علم کی گنجائش اور وسعت ہے۔ دوسری قسم کے مدارس میں خالصتاً مذہب، السنہ، شریعت تقویٰ و پرہیز گاری اور بوریہ نشینی کا غلبہ ہے۔ ایس، ایم، شاہد مزید لکھتے ہیں کہ:

''مذہبی اور ہنگامی تعلیم کے احیاء کے لئے 1857ء کے ہنگامے کے بعد کوششیں تیز ہو گئیں۔ کئی مدرسے قائم ہوئے۔ وہ بزرگ جنہوں نے 30 مئی 1867ء میں دیو بند کے مقام پر دار العلوم کی بنیاد رکھی وہ سید عابد حسین، مولانا ذوالفقار علی اور مولانا فضل الرحمن تھے۔

مولانا محمد قاسم سرپرستِ اعلیٰ مقرر ہوئے
اور 24 مئی 1875ء کو علی گڑھ سکول کا
افتتاح ہُوا'' 9

سرسید احمد خان اور علی گڑھ:

سرسید احمد خان 1817ء میں نئی دہلی میں پیدا ہوئے انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے اور فارسی عربی اور مذہبی تعلیم اپنی دور کے جید علمأ سے حاصل کی۔ بقول مولانا حالی، سرسید شاہ عبدالعزیز شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید سے بہت متاثر تھے۔ سرسید نے انگریزی ملازمت اختیار کی مگر زندگی بھر حصولِ علم کی اشاعت اور تبلیغِ دین میں مصروف رہے۔ ملازمت کے دوران انہوں نے غازی پور اور مراد آباد میں جدید مدارس قائم کیے۔ غازی پور میں ایک سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی جس کا مقصد یہ تھا کہ مغربی علوم ترجمہ و تالیف کے ذریعہ ہندوستان میں رائج کیے جائیں۔ ابتدا میں سوسائٹی مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیے یکساں کام کرتی تھی مگر جب سرسید کو ہندوؤں کی مسلمان دشمنی اور مسلمانوں کی تاریخ اور تعلیم سے ان کے عناد کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنی تمام توجہ مسلمانوں پر مرکوز کردی۔ 10

سرسید احمد خان 1869ء میں لندن گئے وہاں انہوں نے انگریزی تعلیم رسم و رواج اور زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، انہوں نے محسوس کیا کہ تعلیم کے بغیر ترقی ناممکن ہے۔ اس لئے انہوں نے واپس آکر مسلمانوں کی زبوں حالی اور زوال کے اسباب کا گہرا تجزیہ کیا اور فیصلہ کرلیا کہ قوم سے جہالت، تعصب اور تنگ نظری اور

پست ہمتی کے دور کرنے کے لئے جدید تعلیمی منصوبہ بروئے کار لایا جائے گا جو بدلتے ہوئے حالات میں مسلمانوں کا ساتھ دے انہوں نے قیامِ انگلستان کے دوران کیمبرج آکسفورڈ کی درس گاہوں کا بطورِ خاص مشاہدہ کیا اور جدید تعلیم اور رجحانات کا بچشم خود ملاحظہ کیا۔ ١١

سرسید نے یورپ سے واپسی پر سب سے پہلے ایک جدید رسالے اجرا کیا جس کا نام تہذیب الاخلاق رکھا۔ اس میں مسلمانوں کے مذہبی، اقتصادی اور تعلیمی مسائل پر آزادی سے لکھنا شروع کیا۔ اس سے ایک طرف تو عام پڑھنے والوں کی تعداد بے شمار ہوگئی دوسری طرف ایک مخصوص طبقہ سرسید کی مخالفت پر اُتر آیا۔ سرسید احمد خان کی تمام تر مساعی کا اصل مغربی علوم میں ترقی تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے با اثر افراد کو جمع کر کے ایک کمیٹی تشکیل دِی جس کا نام، ''کمیٹی خواستگان ترقی تعلیم مسلمانان''، رکھا اس کمیٹی نے ایک انعامی مضمون کا اعلان کیا۔ جس میں مندرجہ ذیل مسائل کا حل تلاش کیا گیا تھا

''1۔ انگریزی تعلیم غیر مقبول کیوں ہے؟

2۔ والدین اپنے بچوں کو سرکاری مدرسوں اور کالجوں میں کیوں نہیں بھیجتے؟

3۔ علومِ قدیم سے اتنا لگاؤ کیوں ہے؟ '' ١٢

اس مقابلے میں 32 مضمون نگاروں نے حصہ لیا۔ مضامین کے عمیق مطالعہ کے بعد کمیٹی نے نتائج اخذ کیے کہ مغربی تعلیم سے گریز قابلِ افسوس اور نقصان دہ ہے۔ البتہ مروجہ علوم میں قابلِ اعتراض حصوں سے گریز درست ہے ان میں اصلاح کی

جاسکتی ہے اور طریقہ تعلیم میں بھی خاطر خواہ تبدیلی لا کر انہیں اپنایا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی ضروریات کیمطابق ایک داارلعلوم قائم کریں۔جس میں مغربی ومشرقی علوم کے ساتھ ساتھ مذہبی علوم کا بندوبست بھی ہو کمیٹی کے سامنے اب ایک واضح نصب العین تھا۔جس کے حصول کے لیے سرسید اوراس کے رفقا کمر بستہ ہوگئے۔اس مقصد کے حصول کے لیے ایک اور کمیٹی قائم کی گئی جس کا نام ''خزینہ البضاعۃ'' رکھا اس کا کام تعلیمی منصوبوں کے لیے سرمایہ اکٹھا کرنا تھا یہ دونوں کمیٹیاں براہِ راست سرسید کی نگرانی میں کام کرتی تھیں۔ ۱۳ے

علی گڑھ کے حالات:

مغربی طرز زندگی اختیار کرنے اور مغربی کلچر کے فروغ دیئے جانے کو امت نے من حیث الکل کبھی تسلیم نہیں کیا۔اسی وجہ سے علی گڑھ کی شخصیات علی گڑھ کے اس پہلو سے بڑے پریشان تھے علی گڑھ سے وابستہ افراد اپنی اس تکلیف کا اظہار مختلف انداز سے کرتے ہیں، پروفیسر خورشید احمد صاحب کی کتاب نظام تعلیم ،نظریہ روایت، مسائل میں ان کا احاطہ کیا گیا ہے بطور مثال کے چند اقتباسات ذکر کئے جاتے ہیں۔

''محمد علی جوہر کی علی گڑھ سے مایوسی ہی تھی ،جس نے انہیں ''جامعہ ملیہ'' قائم کرنے کی ترغیب دی اور جس کے پہلے وائس چانسلر وہ خود ہی تھے۔مسٹر محمد احمد سرسید صاحب کے بیٹے علی گڑھ کی تعلیم کے بعد لندن سے انگریز بیوی لائے اور گھر واپس آنے کی بجائے بنگلور میں جا کر مقیم ہوئے تو اس ذاتی تجربے کے بعد

انہیں اور بھی شدید بھی صدمہ ہوا اور انہوں نے نئی تعلیم کے تلخ
نتائج کو بچشم سر دیکھ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ علی گڑھ کے سربراہ ہونے
کے باوجود انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے کو ''ندوۃ العلوم'' بھیجا۔
نواب وقار الملک جو علی گڑھ کے معماروں میں ایک نمایاں مقام
رکھتے ہیں اس صورت حال سے اتنے بددل ہوئے کہ ۱۹۱۲ء
میں انہوں نے جامعہ کی جداگانہ اسکیم پیش کی اور ایک نئی حکمت
عملی کی ضرورت کا اظہار کیا۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی علی
گڑھ سے بے اطمینانی اور مایوسی ایک کھلی حقیقت ہے۔ ۱۸۸۳ء
میں ایک خط میں انہوں نے لکھا: معلوم ہوا کہ انگریزی خواں قوم
نہایت معمولی فرقہ ہے، مذہب کو جانے دو خیالات کی وسعت،
سچی آزادی، بلند ہمتی، ترقی کا جوش برائے نام نہیں، یہاں ان
چیزوں کا ذکر نہیں آتا، بس خالی کوٹ پتلونوں کی نمائش گاہ
ہے۔'' [۱۴]

تعلیم کے ساتھ ساتھ مغربیت کے رنگ میں رنگنا بھی اس ادارے میں ایک خصوصیت کے طور پر گردانا جاتا تھا۔ محض انگریزی پڑھ لینا اچھی طرح مہارت حاصل کر لینا ہی قابل تحسین امر نہ تھا بلکہ انگریزی ذہنیت کا مالک ہونا یہ بڑی خوبی تھی، درج ذیل اقتباس سے ظاہر ہے۔

''محمد علی جوہر جیسے علی گڑھ کے شیدائی کو خود ارباب علی گڑھ کے مدمقابل کھڑا ہونا پڑا ۔محمد علی جوہر ہی کی ایک اور مثال میں علی گڑھ کی سرکار پرستی کی ذہنیت بالکل بے نقاب

نظر آتی ہے۔ برطانیہ سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد محمد علی جوہر نے اپنے کو علی گڑھ میں تدریسی خدمات کے لیے پیش کیا۔ لیکن حکومت چونکہ محمد علی جوہر کو ناپسند کرتی تھی اس لیے انہیں تدریسی عملہ میں نہ لیا گیا۔ جس کا اعتراف خود محسن الملک نے ان الفاظ میں کیا کہ لیکن وہ ذہنیت جسے انگلش اسٹاف اس درس گاہ کی تعلیم و تربیت کا جوہر سمجھتا تھا، محمد علی جوہر میں موجود نہ تھی اس لیے مارلین صاحب کی سخت مخالفت سے درخواست مسترد ہوئی''۔ یہ ایک منفرد واقعہ نہیں، بلکہ اس دور کے علی گڑھ کے ذہن کا عکاس ہے کچھ خرابیاں تو علی گڑھ کے تعلیمی مزاج کی تھیں جبکہ کچھ اور کا اضافہ یورپین اسٹاف کی موجودگی نے کر دیا۔ سر سید مرحوم کا اصرار تھا کہ یورپین اسٹاف ضرور رکھا جائے''۔ ۱۵

سر سید کے تعلیمی نظریے:

سر سید احمد خان کے تعلیمی نظریات کا ایک مختصر سا درج ذیل خاکہ ان کے مقالات سے ماخوذ ہے۔ سر سید احمد کے خیال کے مطابق انسانوں اور دوسرے جانوروں میں فرق علم اور شعور کا ہے۔ انسان چیزوں کی اصلیت دریافت کرنے کے درپے رہتا ہے۔ انسان عقل کے بل بوتے پر تمام مشکلات پر فتح حاصل کرتا ہے۔ عقل علم کے حصول کا ایک آلہ ہے۔ سر سید تعلیم کے بارے میں کہتے ہیں: ''تعلیم سے ہماری مراد موافق ہونا اور عرف عام میں لکھنا پڑھنا سیکھنا ہے۔ ہر زمانہ میں لاکھوں کروڑوں آدمی مختلف لکھنا پڑھنا سیکھتے رہتے ہیں۔ ۱۶

عام مقصد جس کی طرف تعلیم پر توجہ ہوتی ہے خواہ تعلیم پانے والے خود اس پر متوجہ ہوں یا طفال کے مربیوں نے اطفال کی تعلیم پر توجہ کی ہو، وہ یہ ہے کہ ان کے

ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ ایک جاہل کندہ ناتراش سے پڑھا لکھا آدمی زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

خواص کی تعلیم:

باقی مسلم دنیا کی طرح جنوبی ایشاء میں تعلیم مفت دینے کی روایت قائم تھی مگر انگریز کا قائم کردہ نیا نظام تعلیم شروع سے ہی مہنگا تھا اور اس کو خواص کے لیے تشکیل دیا گیا تھا اس سلسلہ میں ایس، ایم، شاہد رقم طراز ہیں کہ:

> ''تعلیم کی اشاعت کے سلسلے
> میں سرسید خواص کی تعلیم کے قائل تھے
> جب کہ مسلمانوں نے جنوبی ایشیا میں اپنے
> دورِ اقتدار میں عام اور مفت تعلیم کی
> روایت قائم کی تھی'' [۱۷]

مشرقی علوم کے بارے میں سرسید کا نظریہ:

سرسید نے وقت اور زمانے کے تقاضے کے لحاظ سے ابتدائی تعلیم تو اپنی زبان میں مگر اعلیٰ تعلیم انگریزی میں حاصل کرنے پر زور دیا۔ سرسید نے فرمایا قومی ترقی اور حکومت دونوں مائی جائی بہنیں ہوتی ہیں لیکن جب کسی قوم کے پاس حکومت نہ رہے تو اس کی ترقی صرف ایک بات پر منحصر ہوتی ہے کہ وہ اپنی فتح مند قوم کی علوم و زبان حاصل کر کے اپنے فتح مندوں کے ساتھ ملکی حکومت میں حصہ لے۔ ایس، ایم، شاہد مزید اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

''سر سید نے مروجہ مشرقی علوم
اور ترجمہ شدہ کتب کی مخالفت کی اور کہا کہ
علومِ مشرقی کی ترقی اور چھوٹی موٹی ترجمہ
کی ہوئی کتابیں ہمیں کوئی نتیجہ نہیں دے
سکتیں۔ مشرقی زبانوں کو ترقی دینا اور علومِ
مشرقی کو پڑھانا ایسی تدبیریں کرنے کے
مترادف ہے جس سے ہم ترقی نہ کرسکیں۔
اس لئے وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ
مسلمان زیادہ سے زیادہ انگریزی زبان
پڑھیں اور جدید علوم تک رسائی صرف
انگریزی زبان سے ہی ممکن ہے'' ۱۸

سرسید کے نزدیک تعلیم و تربیت کو ہم معنی سمجھنا بڑی غلطی ہے بلکہ وہ جدا جدا چیزیں ہیں جو کچھ انسان میں ہے اسے باہر نکالنا انسان کو تعلیم دینا ہے اور شگفتہ و شاداب کرنا انسان کی تعلیم ہے اور اس کو کسی بات سے مخزن اور مجمع بنانا اس کی تربیت ہے۔ ایس، ایم، شاہد سرسید کے اس نظریے کو یوں بیان کرتے ہیں کہ:

''سر سید کے مطابق انسان کو
تعلیم دینا درحقیقت کسی چیز کا باہر سے اس
میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ اس کے دل کے
سوتوں کا کھولنا اور اندر کے سرجی چشمے کے

پانی کو باہر نکالنا۔ جو صرف اندرونی قویٰ کو
حرکت میں لانے اور شگفتہ و شاداب
کرنے سے نکلتا ہے اور انسان کو تربیت
دینا اور اس کے لیے سامان مہیا کرنا اور اس
سے کام لینا جیسے جہاز تیار ہونے کے بعد
اس پر بوجھ لادنا اور اس پر حوض بنانے کے
بعد اس میں پانی بھرنا۔ پس تربیت پانے
سے تعلیم کا بھی پانا ضروری نہیں ہے۔
تربیت جتنی چاہو کرو اور اس کے دِل کو
تربیت کرتے کرتے منہ تک بھر دو مگر اس
کے دِل میں سرسوتیں نہیں کھلتیں بلکہ بند ہو
جاتی ہیں اندرونی قویٰ کو حرکت دیئے بغیر
تربیت تو ہو جاتی ہے مگر تعلیم کبھی نہیں ہوتی
اس لیے ممکن ہے کہ ایک شخص کی تربیت تو
بہت اچھی ہو اور تعلیم اچھی نہ ہو''[19]

سرسید احمد خان بچوں کی تعلیم و تربیت کو اہم فریضہ قرار دیتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ کام لوگوں کو اجتماعی طور پر سرانجام دینا چاہیے۔ ان کے نزدیک جو لوگ قومی تربیت اور قومی ترقی کے خواہاں ہیں اُن کا سب سے بڑا کام یہ ہے۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے 1875ء کو علی گڑھ کی بنیاد رکھی گئی۔

تحریک علی گڑھ:

24 مئی 1875ء کو علی گڑھ سکول کا افتتاح سر ولیم میور نے کیا۔ کالج بنانے کے لیے نظام حیدر آباد نے نوے ہزار روپے فراہم کئے چھ ہزار روپے سالانہ دینے کا وعدہ کیا جو بعد میں سر الفرڈ لائل نے بڑھا کر بارہ ہزار کر دیئے۔ 8 جنوری 1877ء کو لارڈ لٹن نے علی گڑھ کالج کا افتتاح کیا۔ 1921ء میں یہ کالج یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گیا۔ قوم کے بہترین دماغوں اور قابل ترین فرزندوں۔ حالی محسن الملک، شبلی نذیر احمد، ذکا اللہ سب نے سرسید کی صدا پر لبیک کہا۔

چند سالوں میں علی گڑھ کا یہ تعلیمی ادارہ مسلمانوں کا عظیم تعلیمی وسیاسی مرکز بن گیا۔ جس نے قومی ترقی اور قومی اتحاد کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ سرکاری مدرسوں کے نصاب کے علاوہ دینیات کا اضافہ کیا گیا۔ فرائض دینی کا خیال رکھا گیا تاہم سرکاری ملازمتوں کو علی گڑھ کے ادارے کا مقصدِ اول بنانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اساتذہ وتلامذہ میں صحیح دین داری کا جذبہ اُبھر نہ سکا۔

ادبی نقطہ نظر سے علی گڑھ تحریک کے سارے پھل میٹھے تھے۔ جدید اُردو ادبیات کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔ سرسید احمد خان اوران کے رفقاً کار نے مسجع ومقفی اُردو نثر کا خاتمہ کیا اور نئے طرزِ تحریر کو رائج کیا۔ علی گڑھ فی الحقیقت ایک تعلیمی، ادبی اور کلچر تحریک تھی مذہبی تحریک نہ تھی۔ اس کا مقصد قوم کی دنیاوِی پستی کو دور کرنا تھا۔ مذہبی احیاء اس کا مطمع نظر نہ تھا۔ اعلیٰ تعلیم کی اشاعت اس کے سامنے تھی۔ سرسید نے حکومت اور مسلمانوں کے درمیان حائل شدہ خلیج کو پر کرنے کی کوشش کی۔ ایک محدود مقصد کے

حصول میں انہیں غیر معمولی کامیابی ہوئی۔کالج کے تقریباً فارغ التحصیل طلبا کو اعلیٰ ملازمتیں مل گئیں اور یہی طلباً قومی خدمت کے لیے ایک مرکز بن گئے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ:

مسلمانوں کی تعلیم کو ملی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ضروری امر تھا۔اس دور میں علی گڑھ کو مسلمانوں کے تعلیمی مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔اس ادارے کی تمام تر کوششیں ملی امنگوں کو مکمل طور پر حاصل کرنے میں ناکام ہو چکی تھیں۔سرکاری گرانٹ کی وجہ سے اس پر سرکاری اثرات غالب تھے اور یہاں کے تعلیم یافتہ لوگوں میں بھی سرکار نوازی کا انداز نمایاں تھا۔

> ''علی گڑھ سے وابستہ حساس افراد نے علی گڑھ کے انداز میں اصلاح کی مہم چلائی۔ان میں مولانا محمد علی جوہر نمایاں تھے۔اصلاح احوال کے لئے ان کی کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں تو انہوں نے علی گڑھ سے علیحدگی اختیار کر کے علی گڑھ کے متوازی ایک نیا ادارہ قائم کیا جس کا نام جامعہ ملیہ اسلامیہ رکھا گیا۔یہ مولانا جوہر کے عزم کا شاہکار ہے۔یہ جامعہ علی گڑھ کالج کی قریب ہی خیمے لگا کر

شروع کی گئی اس جامعہ کی بنیاد 29اکتوبر
1920ءکورکھی گئی۔1925ء میں اسے
دہلی منتقل کردیا گیا‘‘ ۲۰؎

مقاصد:

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام کے مندرجہ ذیل مقاصد تھے:

1 مسلمانوں کو جدید تعلیم اور مذہبی تعلیم سے آراستہ کرنا۔ مولانا محمد علی جوہر نے جامعہ کے تعارفی کتابچے میں لکھا کہ ہمارا مطمع نظر ہمیشہ یہ رہا ہے کہ ہم اپنی درس گاہوں میں ایسے نوجوان پیدا کریں۔ جو زمانہ کے معیار کے مطابق تعلیم وتربیت یافتہ شمار کئے جانے کے مستحق ہوں۔ نیز وہ صحیح معنوں میں مسلمان بھی ہوں۔ جن میں اسلام کی روح ہو اور جو اپنے مذہب سے مکمل طور پر بہرہ ور ہوں اور بطور مبلغین اسلام دوسروں کی امداد سے ہو کر خود اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکیں۔

2 جامعہ میں قرآن مجید سے پوری واقفیت کو جامعہ نے اپنی تعلیم کا سنگِ بنیاد قرار دیا۔

3 مسلمانوں کو سرکاری ملازمت سے بے نیاز کرنے اور محنت کی عظمت کو اجاگر کرنے کے لئے صنعت ودست کاری کی تعلیم کو لازمی کیا۔

4 دینی اور دنیوی علوم میں ہم آہنگی اور امتزاج پیدا کیا۔

خصوصیات (Salient Features):

جامعہ ملیہ اسلامیہ کی مندرجہ ذیل خصوصیات تعلیمی لحاظ سے بہت اہم ہیں۔

☆ جامعہ کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ نے اعلیٰ سرکاری مناصب حاصل کرنے کی بجائے جھونپڑوں میں تعلیم وتدریس اور تصنیف کا کام کر کے ایثار وقربانی کی عمدہ مثالیں پیش کیں۔ جامعہ کے طلبہ اور اساتذہ نے انتہائی سادہ زندگی اختیار کر کے اپنی غیرت اور آزادی کو برقرار رکھا۔

☆ جامعہ ملیہ نے حرفت کی تعلیم اور صنعتی ادارے کے انتظام کی بدولت طلبہ کو معاشی طور پر سرکاری ملازمت سے آزاد کرنے کی کوشش کی تا کہ طلبہ کو تعلیم کے بعد بے روزگاری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

☆ یہاں کے اساتذہ نے تحقیق وتصنیف کو عبادت سمجھ کر اپنایا۔ جامعہ کے ذیلی اداروں اُردو اکیڈمی اور دارالاشاعت نے متعدد علمی، ادبی اور سوانحی کتب شائع کیں۔

☆ نصاب میں جدید اور دینی علوم میں توازن کو مدِ نظر رکھا گیا دینیات اور عربی کی لازمی تدریس سے دینی علوم کا حصول آسان ہو گیا، قرآن وحدیث، فقہ، سیرت اور تاریخِ اسلام پر مشتمل علومِ اسلامی کی تعلیم درجۂ تحقیق تک دی جا تی تھی۔

☆ اُردو بطور ذریعہ تعلیم ایک انقلابی قدم تھا۔ اس سلسلے میں اگر چہ جامعہ عثمانیہ کو اولیت حاصل تھی لیکن جامعہ ملیہ نے سند کے حصول کے لئے مقامی زبان میں کتاب کی تصنیف کی مستقل شرط عائد کی جس سے اُردو میں درسی کتب کا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ نیز جامعہ میں ہندو اہلِ قلم نے سنسکرت کی کتابوں کے

تراجم کیے جن سے علمی فوائد حاصل ہوئے۔

اثرات : جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ہی اس خاطر رکھی گئی تھی کہ علی گڑھ سے وابستہ امنگیں پوری ہوتی دکھائی نہ دیتیں تھیں ایک طرح سے علی گڑھ کے حریف کے طور پر جامعہ ملیہ منظر عام پر آیا تھا۔ اس کو حکومت کی مخالفت کا بھی سامنا تھا اس سلسلہ میں غلام قادر ہراج لکھتے ہیں کہ:

''جامعہ ملیہ اسلامیہ کو حکومت کی سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا لہذا اس کے اثرات بہت زیادہ نمایاں نہ ہو سکے لہذا یہ اس جامعہ کا کارنامہ ہے کہ اس نے اُردو ذریعہ تعلیم کو اپنا کر اُردو کے فروغ کا راستہ ہموار کیا۔ اس طرح اُردو زبان میں تصنیف و تالیف کو بھی وسعت حاصل ہوئی جامعہ کے نصاب میں حرفتی تعلیم پر بھی توجہ دِی گئی۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ جامعہ کے تعلیم یافتہ افراد محنت کی عظمت کے تصور سے سر شار ہوتے تھے اور اس تصور نے انہیں سر کاری ملازمت سے بے نیاز کر دیا تھا'' [۲۱]

ملی تصورات کے مطابق جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم کی تدریس

کے لئے جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ایک کامیاب تجربہ تھا۔لیکن اساتذہ کے علم وفضل وایثار کے باوجود حکومت کے عدم تعاون اور وسائل کی قلت کی وجہ سے یہ تحریک وسیع اثرات کی حامل نہ ہوسکی۔وطنی قومیت کی حمایت اور دوقومی نظریے کی مخالفت کے سبب برصغیر کے مسلمانوں میں اسے قبول عام بھی حاصل نہ ہوسکا۔

دارالعلوم دیوبند:

مسلمانوں کا ایک طبقہ تھا جنہوں نے محسوس کیا کہ ہندوستان میں اسلام کا چمن اُجڑنے والا ہے اور ایسا نہ ہو کہ یہاں سپین کی تاریخ دہرائی جائے۔اس لیے چند نفوس قدسیہ نے محسوس کیا کہ علوم نبوت اور دینی سرمائے کو بچایا جائے۔انہوں نے سوچا کہ ہندوستان میں بقائے دین کی صورت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ دینی تعلیم کے ذریعے تعلیم وتربیت کے راستے سے مسلمانوں کی بقا کا سامان کیا جائے۔یہ ایک بہت بڑی تجویز تھی اور بہت عظیم کام تھا جس کے لیے چند درویش صفت انسانوں نے عزم وہمت کرکے درس گاہ کے قیام اور توسیع کا سہرا مولانا قاسم نانوتویؒ کے سر پر رکھا۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اس دارالعلوم کی بنیادوں کو وسیع کیا اور اس کو پورے برصغیر کے لیے مرکزِ تعلیم بنا دیا یہاں سے ہزاروں پیاسوں کی علمی تشنگی کو سیرابی ملی۔حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اس مدرسے کے بارے مکہ سے ایک خط کے ذریعے پیغام بھیجتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدرسہ قائم کیا یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہوکر گڑگڑاتی رہیں کہ اے اللہ ہندوستان میں بقائے اسلام اور تحفظِ علم کا کوئی ذریعہ پیدا کردیجئے۔یہ مدرسہ انہی سحر

گاہی دُعاؤں کا ثمرہ ہے۔

دارالعلوم دیو بند کے تعلیم یافتہ حضرات نے ہندوستان میں دینی تعلیم پھیلانے میں بہت حصہ لیا۔انہوں نے وہ کارنامے سرانجام دیئے جو رہتی دُنیا تک یاد رکھے جائیں گے حتی کہ پاکستان ایجوکیشن کانفرنس 1947ء میں اس بات کو تسلیم کیا گیا کہ:

''دارالعلوم دیو بند نہ صرف دینی تعلیم کی ایک مرکزی درس گاہ ہے بلکہ اسلامی تہذیب وثقافت اور دینی تربیت کا ایک بین الاقوامی مرکز بھی ہے۔اس کے فضلاء تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔اس کے علمی اور تہذیبی رشتے عالمی انداز سے شخصیتوں اور اداروں سے قائم ہیں۔اس کے اثرات شعوری اور غیر شعوری طور پر قلوب تک پہنچے ہوئے ہیں''۲۲

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیو بند کی تاسیس کرتے وقت اساسی اصولوں کی نشاندہی کی اِن مالی اور انتظامی امور کے علاوہ ایک سنہری علمی اصول یہ بیان کیا کہ تمام مشیران مدرسہ کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر مدرسہ کی خوبی واسلوبی یہ ہو کہ اپنی بات منوانے پر ضد کی جائے یہ بات مدرسہ کی بنیاد کو متزلزل کر دے گی۔ دِل سے مدرسہ کی بھلائی اور بہتری مقصود ہونی چاہیے۔اہلِ مشورہ کو چاہیے کسی بات کے

سننے میں متامل نہ ہوں بلکہ نیک نیتی سے سنیں اور اگر بات پوری طرح سمجھ میں آجائے تو بے شک مخالف ہی کیوں نہ ہو اس کی بات دل و جان سے قبول کرو ایک اور بات جو مدرسے کی بقا اور دوام کا باعث بنی وہ یہ کہ مدرسین مدرسہ مثل علمائے روزگار خود ایک دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں ۔

ندوۃ العلمائ لکھنؤ:

علی گڑھ کے مغربی تعلیم یافتہ طبقے اور دیو بند کے مشرقی علوم کے ورثا کے درمیان مفاہمت کی غرض سے ندوۃ العلماء کا ادارہ وجود میں آیا سرزمین لکھنو میں 1894ء (یا 1321ھ) میں سید محمد علی کانپوری (مونگیری) کے مبارک ہاتھ سے اس علمی، تعلیمی دینی اور تبلیغی مرکز کی بنیاد رکھی گئی، مولانا شبلی اور مولانا عبدالحق نے اس کے قواعد وضوابط مرتب کیئے ۔ادارے کے مندرجہ ذیل اہم مقاصد تھے۔

”(1) نصاب تعلیم کی اصلاح کرنا ۔ علوم دین کی ترقی تہذیب اخلاق اور شائستگی اطوار جیسی خوبیاں طلبا میں پیدا کرنا

(2) علماء کے باہمی نزاع کو رفع کرنا اور اختلافی مسائل کے ردو کد کا پورا انسداد کرنا۔

(3) ایک عظیم الشان دارالعلوم کا قیام عمل میں لانا جس میں علوم فنون کے

علاوہ ٹیکنیکل تعلیم کا اہتمام بھی کرنا۔

(4) محکمہ افتاء کا قیام عمل میں لانا''۲۳

ادارہ چندہ کامیابی حاصل نہ کرسکا بلکہ بہت جلد دیو بند اور علی گڑھ دونوں کا حریف ورقیب بن گیا، علمی تصنیف کے میدان میں ندوۃ العلماء ان دونوں اداروں سے بہت بڑھ گیا۔ لیکن علامہ شبلی جیسے جید عالم کی وفات پر اس کا علمی معیار روبہ تنزل ہوتا چلا گیا۔ تاہم یہ ماننا پڑے گا کہ فرنگی کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کو رفع کرنے کی دوسرے مدارسِ دینیہ کی نسبت ندویوں کے حصے میں زیادہ آئی اور مولانا عبدالباری کے بقول دارالمصنفین کا سارا کارنامہ ندوی برداری کے زورِ قلم کا مرہون منت ہے۔

چونکہ وطن عزیز کے زعماء اور قائدین اکثریت علی گڑھ کے تعلیمی نظام سے ہی پڑھے ہوئے تھے اور علی گڑھ کو ہی برصغیر میں حکومت برطانیہ کی سرپرستی حاصل تھی۔ جب ملک پاکستان آزاد ہوا تو اس جگہ پر بھی علی گڑھ کی طرز پر ہی تعلیم کا آغاز کیا گیا۔ سرکاری تعلیمی ادارے اسی قسم کی خوبیوں اور خامیوں کے حامل تھے جس کی تشریح و توضیح ڈاکٹر محمد اقبال اور اکبر آلہ آبادی اپنی شاعری میں اظہار کرتے ہیں حالانکہ ضرورت اس امر کی تھی کہ ہم انگریز کے تسلط سے آزاد ہو چکے ہیں تعلیمی نظام کا تناظر درست کیا جاتا لیکن ہنود نظامِ تعلیم ویسے ہی رہا اور غلامانہ ذہنیت کی پیداوار جاری رہی۔

تعلیم وفن کی کثرت کے باوجود بھی بے روزگاری کے مواقع زیادہ ہو رہے ہیں تعلیم سے فارغ ہر مرد نوکری کرنا چاہتا ہے سرکاری یا کسی ملٹی نیشنل کمپنی کی اور دوسرا الحاد کا وہ

دروازہ کھلا کہ اس مسلم معاشرے میں بہت سے ایسے عنوانات بھی موضوع بحث بننے لگے ہیں جو کہ آج سے پچاس سال تک پوری اسلامی تاریخ میں مسلم مسائل کی حیثیت رکھتے تھے۔علی گڑھ کی بنیاد تو مسلمانوں کی مادی وسیاسی استحکام کے لیے تھی کیا خبر تھی کہ اس مادی ترقی کے ضمن میں الحاد کی ہوا بھی چل پڑے گی۔

ہم تو چلے تھے کہ لائے گی فراعت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

سرکاری سرپرستی میں چلنے والے نظام میں' دوطرح کے ادارے مصروف ہیں

(1) سرکاری (2) پرائیویٹ

سرکاری:

سرکاری تعلیمی اداروں کی تعداد نجی اور پرائیویٹ اداروں سے زیادہ ہے اس نظام سے گذرنے والے طلباء بھی زیادہ ہیں دوسرے نجی اداروں سے۔

سرکاری نصاب دیگر دوسرے نجی اداروں سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔اور مسلم اقدار کی شکایت وریخت میں نجی اداروں کے برابر نہیں ہے۔آسان لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سرکاری تعلیمی ادارے عام عوام کے لیے ہیں اور خاص الیڈ کلاس جس سے گذرنے والے صاحب مقدر بنیں گے اس کی تعلیم میں سیکولر،لبرل ازم نظام کے قیام کی راہ زیادہ ہموار کی جاتی ہے۔چونکہ اسی نظامِ تعلیم کے ساتھ روزگار جڑا ہوا تھا اس لئے عوام میں بھی اسی تعلیم کا رجحان زیادہ دیکھا جاسکتا ہے۔بہت سے علوم جو عصری اداروں میں سرکاری ہوں یا غیر سرکاری میں تعلیم دیئے جاتے ہیں وہ خالصتاً

تجرباتی نوعیت کے ہیں۔لیکن ان میں بھی بہت سی چیزیں ایسی داخل کردی جاتی ہیں کہ وہ تجرباتی علم، یا خاص فن سیکھنے بھی جو آئے اس پر بھی مغربی افکار کی پرچھائیاں ڈالی جائیں۔ وہ خود لبرل نہ ہو تو کم از کم لبرل نظام کو دیکھ کر اس میں کوئی رکاوٹ نہ کھڑی کرے۔

پرائیویٹ:

سرکاری ادارے بے شمار فکری اثرات رکھنے کے باجود بھی اس سطح تک نہیں پہنچتے جس سطح تک دوسرے نجی ادارے ذہن سازی کررہے ہیں نجی تعلیمی ادارے بھی کئی طرح کے ہیں جو اپنا کردار ادا کررہے ہیں۔

(۱)انفرادی (2)این جی اوز کی ملکیت (3)ٹرسٹ کے تحت (4)فاوٴنڈیشن (5)دیگرادارے

نجی ادارے بھی اپنے اہداف ومقاصد کے اعتبار سے سرکاری اداروں سے مختلف نہیں ہیں لیکن ان اداروں کی اکثریت مغربی افکار کے پھیلانے اور نئی نسل کو مغربی رنگ میں رنگنے کے لیے نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ پاکستان میں رائج مختلف نظامہائے تعلیم بھی فکری طور پر عدم یکسانیت کو ترویج دیتے ہیں۔آئندہ آنے والے صفحات میں کچھ سروے پیش کیا جائے گا جس سے واضح ہوگا کہ ان مختلف اداروں سے پڑھے ہوئے طالب علم ذہناً ایک دوسرے سے کس قدر مختلف ہوتے ہیں اور ایسے ماحول میں وحدت ملت کا دعوٰی بے معنیٰ ہوکر رہ جاتا ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر محمود احمد غازی راقمطراز ہیں کہ:

”اے لیول ، اولیول کیمرج
اوکسفورڈ یہ سب ملک کو تعلیمی لحاظ سے تقسیم
کر رہے ہیں“ ۲۴

مذہبی و دینی تعلیمی ادارے:

برصغیر میں انگریز کے اقتدار کے بعد جب نئے تعلیمی نظام کو نافذ کیا گیا تو تمام وہ جاگیریں جو اوقاف کے نام پر مدارس کو دی گئیں تھیں ضبط کر لی گئیں اور معلمین کے وظائف مقرر تھے بند کر دیئے گئے۔ اور درس کی تعلیم حاصل کرنے والے کے لیے تمام قسم کے معاشی دروازے بند کر دیئے اور ملازمت کے لیے، انگریزی تعلیم ہی شرط قرار پائی۔ قاضی کی بجائے جج کی تقرری ہوتی اس کے لیے بھی انگریزی قانون پڑھا ہوا ہونا لازمی تھا تو ایسی صورت حال میں، جبکہ سیاسی اور عسکری میدان میں مسلمان شکست کھا چکے تھے کوئی طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت تھی جس سے مسلمانوں کی نظریاتی حفاظت ممکن ہو سکے اس تناظر میں دیوبند کی بنیاد رکھی گئی تھی اور اس کی بنیاد رکھنے والے حضرات درس نظامی کے فاضل تھے جس کی ابتداء عالمگیر اورنگ زیب کے زمانے میں ہوئی۔ اس کورس کی ابتداء مولانا نظام الدین سہالوی نے رکھی تھی۔ دیوبند میں بھی مذہبی اقدار کی حفاظت اور مغربی یلغار سے دفاع کے لیے مدرسے کی بنیاد رکھی گئی جو بعد میں ایک عظیم الشان درسگاہ بنی۔ پاکستان بننے کے بعد بھی حکومت کا طرز عمل مدارس کے ساتھ وہی تھا جو کہ گذشتہ حکومت میں تھا اس کی سند بھی بے وقعت تھی اور اس کا فارغ التحصیل بھی کسی معاشی سرگرمی میں حصہ لینے کا اہل تسلیم نہ کیا

جا تا تھا۔گو کہ مدارس کا نظام مکمل اسلامی تعلیمی نظام کی عکاسی تو نہیں کر سکتا کہ جس میں ایک طالب علم کو، مذہبی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی وسیاسی زندگی کے لیے تیار کیا جا تا ہو مگر جن حالات میں یہ قائم ہوئے اس حساب سے اسلامی اقدار و نظریات کی حفاظت کا جو کارنامہ مدارس نے ادا کیا ہے دنیا میں اتنی پر تاثیر دوسری کوئی تحریک نظر نہیں آتی۔ حکومت پاکستان کی دینی تعلیم سے لاپرواہی کا اگر موازنہ کیا جائے تو آج کسی مسجد میں شاید مؤذن نہ ملتا، یہ ان مدارس کا کارنامہ ہے کہ آج حفاظ کی تعداد رمضان المبارک میں بڑھ جاتی ہے اور مساجد کم ہوتی ہیں۔ جنرل ایوب خان نے مدارس کی سند کو ایم اے کے مساوی حیثیت دی۔ اسی کے ساتھ ساتھ عالمی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے جہاد کی تحریک کو ان درسگاہوں سے جوڑ دیا جس سے ان درسگاہوں کے لیے کئی قسم کے مسائل پیدا ہوئے۔معاشرے میں دین کا جو عنصر بھی نظر آتا ہے اس کی آبیاری مسجد و مدارس دینیہ سے ہی ہوتی ہے عصری تعلیم کے حامل افراد پر بھی اگر دین وشریعت کی کوئی جھلک نظر آتی ہے تو اس کا محرک وہ عصری نظامِ تعلیم نہیں ہے بلکہ وہ خارجی عناصر ہیں جن کی آبیاری مدارس سے ہو رہی ہے۔جس طرح ہر نظام میں خوبیوں کے ساتھ کچھ خامیاں بھی ہوتی ہیں اسی طرح مدارس کا نظام بھی کئی جگہ سے اصلاح کا محتاج ہے۔جس چیز کا مجموعی فائدہ زیادہ ہو اور نقصان کم ہو اس کی اصلاح کی فکر کی جاتی ہے مخالفت کرنا غیر دانش مندانہ رویہ ہے۔اس لئے حقائق کو جانے بغیر اس نظامِ تعلیم کی اصلاحی پہلوؤں پر توجہ دینی چاہیے نہ یہ کہ محض مخالفت کی جائے۔

پرائیویٹ تعلیمی ادارے

پرائیویٹ تعلیمی ادارے:

پرائیویٹ تعلیمی اداروں کا نصاب اور انتظام و انصرام سرکاری اداروں کے مقابلہ میں اقدار کے فروغ میں زیادہ اہم کردار ادا کر رہے ہیں 11/9 سے پہلے تک پاکستانی سرکاری تعلیمی اداروں کو پاکستان کی ترقی و خوشحالی کے لیے نمایاں حیثیت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔

11-9 کے بعد سرکاری کالجز، سیکولر، حتی کہ یونیورسٹی تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پرائیویٹ سیکٹر مضبوط ہو رہا ہے اور تعلیم فروغ علم کی بجائے تجارت کی شکل اختیار کر گئی۔

''پاکستان کا تعلیمی نظام عالمی اتحاد ودباؤ کا شکار ہے جس میں بنیادی عنصر قرضہ جات یا امداد ہے جو پاکستان تعلیم کے نام پر حاصل کرتا ہے۔اور اس کے علاوہ پاکستان کی سیاسی قیادت بھی اتحادی مما لک سے مفاہمت کے بغیر نہیں چل سکتی لہذا وہ عملی طور پر اسی نظام کو رائج کر رہے ہیں جو مالی ایجنڈے کا حصہ ہے۔نظریاتی ریاست میں نظریہ کی بقاء اور اتحاد وملت کے لیے یکساں نصاب تعلیم ناگزیر ہے لیکن 18 ترمیم کے بعد نصاب سازی کا حق مرکزی حکومت کی بجائے صوبائی حکومتوں کو دے دیا گیا اور اس کا اثر یہ ہے کہ پاکستان میں مختلف نصاب، علاقائی، صوبائی، بین الاقوامی ترجیحات کے مطابق ترتیب دیئے جا رہے ہیں۔

جس کی عملی شکل صوبہ پنجاب اور خیبر پختون خواہ کے نصاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جبکہ صوبہ سندھ بلوچستان، گلگت و بلتستان اور قبائلی علاقوں کا نظامِ تعلیم بھی انتشار ذہنی پیدا کر رہا ہے۔ دوسری طرف اتحادی ممالک پاکستان اپنے نظامِ تعلیم کو مستحکم کر چکے ہیں۔ امریکی انٹرنیشنل سکول سسٹم Aiss کا سکول سسٹم بھی پھیل چکا ہے علاوہ ازیں 0 لیول اور A لیول بھی عام ہو رہے ہیں پاکستان کے کئی نجی تعلیمی ادارے دوسرے ممالک مثلاً آسٹریلیا، کینیڈا، امریکہ، یورپ، کے ساتھ تعلیمی الحاق واشتراک کا کام کر رہے ہیں۔ ان اداروں کا نصاب وانتظام وانصرام مغربی کلچر پھیلانے میں مؤثر کردار ادا کر رہا ہے۔'' پاکستان کے سرکاری نظامِ تعلیم میں پرائمری جماعت تک مخلوط تعلیم ہے۔ اور مڈل و ہائی سکول میں مخلوط کرنے کے عزائم رکھتے ہیں۔ اور تعلیمی اداروں میں مخلوط ماحول بنانے کے لیے فی میل ٹیچرز کی تقرری میل اداروں میں اور میل ٹیچرز کی تقرری فی میل اداروں میں ہو رہی ہے۔ وہ اسکول جہاں Adexcle System کے تحت تعلیم دی جاتی ہے تیسری جماعت کے بچوں کو انگریزی ادب کی تعلیم دینے کے لیے ایک کتاب Nutty as Noodle stories کو نصاب میں شامل کیا گیا ہے یہ کتاب بھارت، ایشیا اور پوری دنیا میں پڑھائی جاتی ہے۔ Pie corbett کی کتاب کی پہلی کہانی کا عنوان ہے Daft Jack احمق، نادان، بدھو، جیک ایک غریب ماں کا بیٹا تھا۔ جو گھروں میں کام کر کے اپنی گزر اوقات کرتی مگر اس کا بیٹا روزانہ صبح کے وقت گھر کے دروازے پر بیٹھ جاتا، گھاس چباتا، سہ پہر کو وہ ندی پہ بیٹھ کر مچھلیوں سے دل بہلاتا اور رات کو تاریک آسمان پر چمکنے والے ستاروں کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہتا، یہی اس کی مصروفیت تھی۔ ایک دن اس کی ماں نے

اس سے کہا کہ یہ سستی، نکما پن ختم کرواور کام کے لیے نکلوتا کہ اپنی خوراک کا بندوبست کرسکو، اگرتم نے ایسا نہ کیا تو واپس اس گھر کا رخ نہ کرنا،۔۔۔۔۔

ان کہانیوں کا موازنہ اگر گلستان سعدی اور بوستانِ سعدی سے کیا جائے تو ہر پڑھنے والا زمین آسمان کا فرق پائے گا۔ وہ مختصر کہانیاں درسِ اخلاقیات، دلچسپ استعارات، ذہن کے دریچے کوکھولنے میں کس عروج پر ہیں۔ان کے سامنے اس طرح کی کہانیاں بے معنٰی نظر آتی ہیں۔ یہ ناخوب، خوب اس لئے ہے کہ ان کہانیوں میں بچہ لاشعوری طور پر مغربی رنگ ڈھنگ سیکھتا ہے۔اور گلستان سعدی اور بوستانِ سعدی جیسی عالی شان کتب سے گریز اس لیے کہ وہ مشرقی اقدار کو ترویج دینے میں معاون ہیں۔

تھا جو خوب بتدریج وہ ہی ناخوب ہوا
بدل جاتا ہے غلامی میں قوموں کا ضمیر

آزادی کو اصول بنا کر جو تعلیم وتربیت ہوگی اس کا یہی نتیجہ ہوگا۔اسلام تو سات سال تک بچے کو نماز کا حکم بھی نہیں دیتا۔ والدین کی آغوشِ محبت میں اسے پروان چڑھنے دیتا ہے۔ ماں کی گود کو ہی درس گاہ قرار دیتا ہے۔وہ ماں سے کیا سیکھے گا؟ محبت دیکھے گا محبت سیکھے گا محبت اور حسن سلوک کرے گا۔ ماں کے علاوہ اس طرح کی تعلیم نہ کوئی ادارہ دے سکتا ہے اور نہ بچہ سیکھ سکتا ہے۔

ہندوستان کے سابقہ نظام تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر خالد جامعی رقمطراز ہیں کہ:

''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم یہ تھا کہ ایک ہی مدرسے میں پڑھنے والے تین ہم سبق حضرت مجدد الف ثانیؒ، عالم اور

بزرگ بنے ۔محمد خان بادشاہ وقت کا وزیر اعظم بنا اور معمار احمد
خان تاج محل کا معمار بنا ۱۸۸۶ء میں انگریزوں نے رڑکی میں
پہلا انجینئرنگ کالج بنایا—— لیکن اس کالج کے بننے سے
پہلے تاج محل، بادشاہی مسجد، شالا مار باغ اور ہندوستان بھر میں
تعمیرات کے اعلیٰ ترین شاہکار تخلیق کرنے والے کسی انجینئرنگ
کالج سے فارغ التحصیل نہیں تھے‘‘ ۔۲۵

ان سوالات اور نکات پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم تعمیراتی دنیا کے شاہکار تخلیق کرنے والے اذہان کی تعمیر، تشکیل، تربیت، تدریس کے نظام سے واقفیت حاصل کر سکیں ہم ایک خاص تاریخ، زمان و مکان میں پیدا ہوئے ہیں جو کچھ حاضر ہے اسے گہری نظر سے جاننا اور جانچنا ہے اگر تنقیدی شعور بیدار رہے تو متبادل نظام کا خاکہ بھی تخلیق ہوسکتا ہے اور حاضر و موجود میں اصلاح، تصحیح و ترمیم کے امکانات بھی روشن ہوتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھا جائے حاضر و موجود کی بڑے پیمانے پر اصلاح اور متبادل کی جستجو اس کے لیے گفتگو، مباحثہ غور وفکر کا دروازہ کسی کی نیت و اخلاص پر شک و شبہ کیے بغیر ہمیشہ کھلا رکھا جائے۔

شعبہ تعلیم میں حکومت کی آئینی خلاف ورزیاں:

آئین پاکستان کی دفعہ 251،28،31،19 کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہوئے پنجاب کے تمام سرکاری سکولوں کو انگلش میڈیم بنا دیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ اردو نصاب پڑھانے پر پابندی عائد کر کے بظاہر مفت مگر مشکل، ناقابل فہم بنایا گیا

جو بچوں کی ذہنی سطح سے ماورا انگریزی میں نصابی کتب فراہم کرتے ہوئے معصوم طلبہ و طالبات کو نہ صرف ذہنی مریض بنا دیا ہے بلکہ ایک بڑی تعداد کو سکول چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔اب اس تباہی کے پیش نظر حکومت پنجاب تمام سرکاری سکولوں کو اردو میڈیم بنانے کا عندیہ دے رہی ہے۔مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس تمام تباہی کو دیکھتے ہوئے بھی خیبر پختونخواہ کی نئی حکومت اس بدنام زمانہ اور ناکام منصوبہ کو نافذ العمل بنانے کے لیے تمام سامراجی ایجنسیوں سے امداد لے کر بھرپور انداز میں کوشاں ہے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ شعبہ تعلیم میں حکومت کس طرح آئین پاکستان کی دھجیاں اڑا رہی ہے اور سامراجی مقاصد واہداف کے حصول کے لیے آنے والی نسلوں کو جاہل اور ان پڑھ بنانے کے منصوبہ پر عمل پیرا ہے۔اٹھارہویں ترمیم میں تعلیم کا نظام صوبوں کو سونپ دیا گیا ہے مگر کسی صوبہ کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ آئین پاکستان کے خلاف نصاب سازی کر سکے۔اس ضمن میں آئین پاکستان کی متعدد دفعات بہت واضح ہیں۔
سب سے پہلے آئین پاکستان کی مذکورہ دفعات ملاحظہ فرمائیں:

251. NATIONAL LANGUAGE . (1) The national language of pakistan is urdu , and arrangement shall be made for its being used for official and other purposes within fifteen years from the commencing day

(2) Subject to caluse (1) , the english language may be used for offical purposes untill arrangements are made for its replacement by urdu.

(3) Without prejudice to the status of National language , a provincial assembly may by law prescribe measures for teaching

, promotion and use of a provincial language in addition to the national language.

251 قومی زبان:(ا) پاکستان کی قومی زبان اردو ہے اور یوم آغاز سے پندرہ برس کے اندر اندر اس کو سرکاری اور دیگر اغراض کے لیے استعمال کرنے کے انتظامات کیے جائیں گے۔

(۲) شق (ا) کے تابع انگریزی زبان اس وقت تک سرکاری اغراض کے لیے استعمال کی جائے گی جب تک کہ اس کے اردو سے تبدیل کیے جانے سے انتظامات نہ ہو جائیں۔

قومی زبان کی حیثیت متاثر کیے بغیر، کوئی صوبائی اسمبلی قانون کے ذریعے قومی زبان کے علاوہ کسی صوبائی زبان کی تعلیم و ترقی اور اس کے استعمال کے لیے اقدامات تجویز کر سکے گی۔

اساتذہ کے تربیتی کورسز میں معلمین و معلمات کو خوب ہراساں کیا گیا۔ یہ کورسز غیر ملکی امداد سے کروائے گئے اور ان کا بڑا مقصد دماغی غسل (brain washing) بھی تھا جس میں انگلش میڈیم اور مخلوط تعلیم کے جبری نفاذ کی راہ ہموار کرنا مقصود تھا۔ اس مقصد کے لیے پنجاب کی پوری مشینری کو استعمال کیا گیا تا کہ قوم کا استاد اور بچے سامراجی زہر پینے پر آمادہ ہو جائیں۔

(3)

RIGHT TO EDUCATION ,... The state shall provide free and compulsory education to all

children of the age of five to sixteen years in such manner as may be determined by law

(الف) ریاست قانون کی منشا کے مطابق پانچ سے سولہ سال کے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم مہیا کرے گی۔ آئین کی دفعہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ریاست مملکت کے تمام بچوں کو مفت تعلیم دینے کی پابند ہے۔

اگر ریاست آئین کی اس دفعہ کی پابندی کرے تو اسے غریبوں اور امیروں کے تمام بچوں کو بلاتفریق تعلیم مفت دینا ہوگی مگر یہ بڑے بڑے سکول سسٹم جو ہزاروں روپے فیس لیتے ہیں ان کی اجرت کس قانون کے تحت ہوگی؟ جب تعلیم کی فراہمی کی مکمل ذمہ دار ریاست ہے تو پرائیویٹ مافیا، وزیروں، مشیروں اور سرمایہ داروں کے سکول سسٹم کو سرکاری چھتری کے نیچے کیوں پروان چڑھایا جا رہا ہے؟ یہ اے لیول اور او لیول مافیا کا وجود مفت تعلیم کے اس آئینی فلسفے سے متصادم ہے۔ اس دفعہ کے مطابق سرکاری سکولوں کی تعداد اتنی ہو جو ملک کے تمام بچوں کو بلاتفریق تعلیم دے سکے۔ پرائیویٹ اداروں کو صرف اس صورت میں اجازت ہو سکتی ہے کہ خدمت کے جذبے سے مفت تعلیم دیں۔

(4) غیر ملکی پیسے سے پنجاب میں مخلوط تعلیم کا مائیکل باربر اور ریمنڈ سے معاہدہ، پورے پنجاب کو انگلش میڈیم بنانا، نصاب تعلیم میں غیر ملکی امداد سے تبدیلی کرنا، ہائر سیکنڈری سکولوں میں آرٹس مضامین (جیسے اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کے لازمی مضامین کے علاوہ ازیں عربی، جغرافیہ، تاریخ اور سیاسیات وغیرہ) کے اساتذہ کی بھرتی پر پابندی لگانا تمام اس سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ (ملخص مضمون از اشتیاق احمد)

حوالہ جات

۱۔ ایس ایم شاہد، پاکستان میں تعلیم، مجید بک ڈپو اُردو بازار لاہور ص:70

۲۔ ایضاً،ص:78

۳۔ ایضاً،ص:79

۴۔ ایضاً،ص:83

۵۔ شیخ محمد اکرام، موج کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ لاہور،ص:88

۶۔ ذوالکیف احمد، ڈاکٹر، مسلم مفکرین، تناظرات تعلیم، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 2013،ص:84

۷۔ ایس ایم شاہد، پاکستان میں تعلیم، مجید بک ڈپو اُردو بازار لاہور ص:95

۸۔ ایضاً،ص:94

۹۔ ایضاً،ص:187

10 ذوالکیف احمد، ڈاکٹر، مسلم مفکرین، تناظرات تعلیم، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 2013،ص:188

۱۱۔ ایضاً،ص:188

۱۲۔ ایس ایم شاہد، پاکستان میں تعلیم،ص:90

۱۳۔ ذوالکیف احمد، ڈاکٹر، مسلم مفکرین، تناظرات تعلیم، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 2013،ص:188

۱۴۔ خورشید احمد، پروفیسر، نظام تعلیم، نظریہ روایت، مسائل:ص:74

۱۵۔ ایضاً،ص:80

۱۶۔ ایس ایم شاہد، پاکستان میں تعلیم ،ص:95

۱۷۔ ایضاً،ص:191

۱۸۔ ایضاً،ص:191

۱۹۔ ایضاً،ص:100

۲۰۔ ایضاً،ص:103

۲۱۔ ہراج، غلام قادر، اسلامی تعلیمات کے بنیادی مراکز،ص:434

۲۲۔ پروسیڈنگر، پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس،1947ء،ص:44

۲۳۔ ذوالکیف احمد، ڈاکٹر، مسلم مفکرین ،تناظرات تعلیم ، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 2013،ص:188

۲۴۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات تعلیم طبع دوم، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی 2014ص47۔

۲۵۔ جامعی، محمد خالد، ڈاکٹر، نسل نوع پر مغربی فکر کے اثرات، حکمت قرآن، مارچ,2015

فصل دوم

پاکستان کی تعلیمی پالیسی

راستہ منزل کی تعین کرتا ہے اہداف ومقاصد کے پیش نظر ہی تمام پالیسی تشکیل دی جاتی ہے۔

1947ء میں تعلیمی نظام کی بہتری کے لئے کانفرنس بلائی گئی اس وقت کے وزیرِ داخلہ واطلاعات ونشریات جناب فضل الرحمٰن کے زیرِ صدارت کانفرنس منعقد ہوئی۔اس کے بعد مختلف ادوار میں پالیسیاں تشکیل دی گئیں۔جو مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ تعلیمی کانفرنس 1947ء
2۔ قومی تعلیمی کمیشن 1959ء
3۔ تعلیمی پالیسی 1972-80ء
4۔ قومی تعلیمی پالیسی 1978ء
5۔ قومی تعلیمی پالیسی 1992ء
6۔ قومی تعلیمی پالیسی 1998-2010ء

قیامِ پاکستان کے بعد اس کو جدید فلاحی ریاست بنانے کے لئے ریاستی تعلیمی نظام میں انقلابی اقدامات درکار تھے جو لوگوں کی تعلیم وتربیت کرنا اور مادی وروحانی ضروریات کو پورا کرنا۔اس بارے میں تعلیمی پالیسی کیا رہی ہے ان کا احاطہ کرنا میرا موضوع نہیں البتہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ تاحال جملہ تعلیمی پالیسیوں میں اس ضمن میں دعوے تو بہت ہیں مگر علومِ اسلامی کے فروغ یا تعلیمی نظام کو اسلامی تناظر میں تشکیل دینے کے عملی اقدامات ناکافی ہیں۔حتیٰ کہ قومی تعلیمی پالیسی 1998 میں یہ بات تسلیم

کی گئی۔

''کہ نصف صدی سے ہم نظامِ تعلیم میں
مذہب کی عکاسی سے ناکام ہیں پالیسی
میں اعتراف کیا گیا ہے کہ نصف صدی
سے ہم نظامِ تعلیم میں مذہب کی مضبوط عکا
سی نہیں کر سکے لیکن اب یہ بات یقینی بنائی
جائے گی اس میں علمی تبدیلی سے معاشرتی
وسماجی زندگی کو بدلا جائے''[۲]

علومِ اسلامی کے حوالہ سے بنائی گئی پالیسیوں کا جائزہ:

اسلامی ریاست میں ہر فرد کے لئے علومِ اسلامیہ کا ماہر بننا لازمی نہیں لیکن ہر مسلمان پر ضروریاتِ دین کے بارے میں جاننا فرض ہے اور ریاست کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ایسا انصرام وانتظام کرے کہ عوام بنیادی عقائد، ضروری احکام ومسائل سے آگاہ رہیں تاکہ عوام کے رجحانات وخیالات عوام کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہونے کے بسبب احکامِ الٰہی کا نفاذ عملاً آسان ہو بحمد للہ تعلیمی پالیسی میں اس کی کئی کوششیں کی گئی ہیں۔

پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس 1947ء میں سکول تک
اسلامی تعلیم لازمی اور کالجوں میں دینی تعلیم کے واقع پر
اصرار کیا ہے''[۳]

قومی تعلیمی کمیشن نے 1959ء میں مڈل تک اسلامیات کو لازمی قرار دیا۔ میٹرک میں دینیات اختیاری مضمون اور اعلیٰ ثانوی درجہ میں اسلامیات اختیاری کا حصہ بنائے جانے کا ذکر ہے۔؎۴

1966ء میں کمیشن بسلسلہ مسائل و بہبودِ طلبہ
میں اخلاقی قدریں پروان چڑھانے کے لئے
اسلامیات کے علاوہ میٹرک تک کچھ دلچسپ اور مؤثر
اسلامی کتب پڑھانے کو کہا گیا۔؎۵

قومی تعلیمی پالیسی1972ء میں گریجویشن تک تمام تعلیمی اداروں میں اسلامیات کی لازمی تدریس کے لئے انتظامات کرنے اور مذہبی راہنما حضرات سے اسلامی تصورِ حیات پر لیکچر دلوانے کا ذکر کیا گیا ہے۔؎۶

1990ء کی پالیسی میں اسلامی قدروں کو ترویج دینے کا عزم کیا گیا ہے اور اسلامیات کے نصاب کو مقررات سے پاک کر کے طلبا کے شعور کے مطابق مرتب کرنے کا کہا گیا۔ اس کے علاوہ مسلم فلاسفر کا کام بات نامکمل ہے۔

قومی تعلیمی پالیسی1990ء میں اسلامیات کے نصاب کو مقررات سے پاک کرے طلبہ کے شعور کے

لحاظ سے مرتب کرنے اور اسلامی اقدار کے ترویج کا
عزم ظاہر کیا ہے۔ ۷

قومی تعلیمی پالیسی 1998ء میں اسلامیات کے
لئے سابقہ اقدامات کا ازسرِنو جائزہ لیتے ہوئے عملی نفاذ
میں سنجیدہ پیش رفت کی بات کی گئی ہے۔ ۸
قومی تعلیمی پالیسی 2009ء میں اعلیٰ ثانوی سطح
تک اسلامیات کی لازمی تعلیم اور پھر گریجوایشن تک
تمام اداروں میں پڑھائے جانے کی بات کی گئی۔
اسلامیات کی تعلیم کو میٹرک تا اعلیٰ ثانوی سطح بطور
اختیاری مضمون شامل کرنے اور تعلیمی مواد کے اسلامی
احکام سے متصادم نہ کرنے کا تذکرہ ہے۔ ۹

ان پالیسیوں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے۔ انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ علومِ اسلامیہ کی اہمیت کو تو ہر جگہ تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر اقدام تسلی بخش نہ تھے۔ مسلم ریاست میں ان علوم کا جو اقدامی درجہ ہونا چاہیے تھا۔ عملاً ایسا نہ ہوتا تھا "تعلیمی پالیسیوں میں علومِ اسلامیہ کی تدریسی اہمیت کو جس قدر تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن اقدامات لیتے وقت اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس 1947ء سے تعلیم کو پالیسی 1970ء تک مذکورہ اقدامات گواہ ہیں کہ اسلامیات کی تعلیم وہ حیثیت نہیں دی گئی جس کا تقاضہ معاشرہ کرتا ہے۔

البتہ تعلیمی پالیسی 1972ء سے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ جب میٹرک تک اسلامیات لازمی قرار دیتے ہوئے آئینی طور پر اس کا فروغ ریاستی ذمہ داری قرار دیا گیا۔ اس کے بعد تعلیمی پالیسی 1979ء میں اس تدریس کا اعلان گریجوایشن تک بڑھا دیا گیا''۱۰ا

ان سارے اقدامات کے باوجود نجی علومِ اسلامی کی یہ حالت ہے کہ گریجوایشن کرنے والا طالب علم دین کی بنیادی تعلیمات سے ناآشنا ہوتا ہے فرض عین علم تک سے ناواقف ہے۔ نصابی کتب کو زیرِ بحث لاتے وقت واضح کیا جائے گا کہ کس طرح کی چال بازیوں سے طالب علم کو اسلامی اقدار سے دور کیا جاتا ہے۔

تدبیر، منصوبہ بندی، فہم وبصیرت اور کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نظر نہیں آئے گی مشرقی قوم کو مغربیت کے رنگ لگنے کے ہدف میں تدبیر بھی ہے، منصوبہ بندی بھی اور ماحول کی فراہمی بھی۔

علومِ اسلامیہ کے نصاب کی تشکیل سازی میں بھی اس امر کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ اسلام کی ایسی شکل پیش کی جائے جو سیکولر نظریات کی شکست وریخت کا سبب بنتی ہو۔ اسلامی تعلیمات بھی اسی دائرہ سے باہر نہیں دِی جاتی اور اسلام کو بطور ایک اخلاقی نظام کے پیش کیا جاتا ہے اور مذہب کی ایک ایسی شکل (لبرل وسیکولر) عصرِ حاضر کے کفر کو تسلیم ہے بلکہ اس کی تحسین کرتے ہیں کہ مذہب اخلاقی بلندی صفاتِ حمیدہ پیدا کرتا ہے۔

اسلام ایک دستورِ حیات ہے جس میں انفرادی اعمال، عقائد، عبادات،

رسومات (غمی وخوشی پر اظہار کا طریقہ) تک ہی محیط نہیں ہے بلکہ اجتماعی زندگی کا نظامِ معاشرت، نظامِ معیشت اور نظامِ سیاست میں بھی خاص تعلیمات رکھتا ہے۔ ان دونوں طرح کے احکام اجتماعی وانفرادی میں متبع سنت ہونا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ عصرِ حاضر میں کفر کا ٹکراؤ اسلام کے اجتماعی نظام سے ہے۔ انفرادی احکام و مسائل میں مذہب پر عمل کرنا اسے تسلیم ہے۔ اسلامیات کا نصاب تشکیل دیتے وقت اس امر کا اہتمام نظر آتا ہے کہ طالب علم انفرادی زندگی، عقائد، عبادت، شادی/ نکاح، مرگ، جنازہ وغیرہ کو دین خیال کریں اور اس بات سے غافل ہوں کہ مالی معاملات کمانا اور خرچنا بھی دین ہے، دکان پر جانا کاروبار کرنا بھی دین ہے، والدین، بیوی، گھر والوں، محلے والوں کے ساتھ تعلق رکھنا بھی میرے دین کا حصہ ہے، باہمی تنازعات میں فیصلہ بھی قرآن وسنت سے لینا، اللہ اور رسول کو ہی حکم (قاضی) بنانا، اپنے مسائل، جھگڑے، عدالتی فیصلے، کروانا بھی میرے دین کا حصہ ہے۔

سولہ سال کی تعلیم کے بعد بھی طالب علم کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں ہوتی۔ اس کے سامنے دین کی مکمل تصویر نہیں رکھی جاتی۔ جب طالب علم بہت ساری چیزوں کو دین کا حصہ ہی خیال نہیں کرتا تو اس کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے رہنمائی لینے کے لئے کیوں کر تیار ہوگا۔ طالب علم کے نزدیک صرف نماز پڑھنا ذکر کرنا ہے۔ معاشرتی معاملات کا بھی دین سے تعلق ہے۔ اس سے وہ ناواقف ہے۔ طالب علم بدلے ہوئے معاشرتی تناظر میں جب دین کے احکام اس کی تعلیمات پڑھتا بھی ہے تو اس کو تصورات خیال کرتا ہے۔

2009ء کی قومی پالیسی کے پیرانمبر 82 تا 83 میں گزشتہ بات کی تصدیق

نظر آئے گی۔

ا''سلامیات کا نصاب القرآن الحکیم ،

ایمانیات ، عبادات ، سیرتِ طیبہ، اخلافیات ، حقوق العباد اور

اسلام کی پُرشکوہ اہم شخصیات پر مشتمل ہو''اا

قرآن مجید مکمل نصاب شامل نہیں ہے بلکہ اس کا منتخب حصہ شاملِ نصاب ہے اور انتخاب میں خاص پالیسی شاملِ حال نظر آتی ہے۔ آٹھویں جماعت کے طالب علم کے نصاب میں سورۂ یوسف داخل کی گئی ہے۔ باشعور انسان سمجھ سکتا ہے کہ حضرت یوسف اور زلیخا کا واقعہ اور طالب علم کی عمر اور مخلوط ماحول بچے کی کیا ذہن سازی کرتا ہے۔ وہ لاشعور میں وہی گمان کرے گا ۔ جو تمام چینلز پر، تمام ٹی وی پروگرامز میں دیکھتا ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ اس بچے کو ایمانیات اور ابتدائی دین سکھلایا جاچکا ہو۔لہٰذا اس سورۃ کی تدریس سے کوئی فرق نہ پڑے گا۔

سیرتِ طیبہ سے مراد بھی صرف یہی چار چیزیں ہیں جو تیسری جماعت سے لے کر چودھویں جماعت تک چلتی ہیں صلح حدیبیہ بات نامکمل

معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ سیرت بتانا تو مقصود ہی نہیں ہے بلکہ کفار اور غیر مسلم کے بارے میں جو ایمانی ہمت وغیرت کی وجہ سے ایک دوری ہوتی ہے اس دوری کو مٹانا مقصود ہے۔ اس ایمانی ہمت کو کم کرنے کے لئے سیرت صرف خاص واقعات تک محیط ہے اور کلمہ پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والوں کو اس طرح انسانیت کا دائرہ کھینچتے ہوئے قریب کرنا کہ عصرِ حاضر کی انسانی اقدار سے زیادہ محترم خیال کرنے لگے۔

انگریزوں کے تسلط سے قبل برصغیر میں مسلمانوں نے جو نظام تعلیم رائج کیا تھا، اس میں علم وفن کی ترقی سے بڑھ کر تعمیر کردار اور تزکیہ نفس کو اہمیت حاصل تھی۔ اس نظام تعلیم میں استاد کو مرکزی مقام حاصل تھا۔ وہ علم و کردار کا اعلیٰ نمونہ طلبہ کے سامنے پیش کرتا تھا اور ان کی علمی نشو ونما کے ساتھ ساتھ ان کے کردار بھی تربیت کرتا تھا۔ مگر انگریز کے تسلط کے بعد تظام تعلیم کے تناظر کو ہی تبدیل کر دیا گیا اور ہر علم خواہ وہ معاشی، سیاسی ،سماجی و معاشرتی حتیٰ کہ مذہبی علوم کو بھی اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی۔

تاریخ:

اہل ہند کو سیاسی غلامی پر مطمئن کرنے کے لیے تاریخ کا مضمون شامل نصاب کیا گیا ہے۔ تاریخ نویسی کو محض واقعات کے بیان تک محدود رکھا گیا بلکہ اس کی تشریح انگریزوں کے نقطہ نظر سے کی گئی۔ یورپ اور انگلستان کی تاریخ طلبہ کو اس طرح پڑھائی جاتی تھی کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو کر انگریزوں ہی کو حکومت کا مستحق سمجھنے لگیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے دور حکومت کی تاریخ بھی انگریزوں کے نقطہ نظر سے مرتب کر کے پڑھائی جاتی تھی۔ مسلمان باشاہوں کی خامیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس طرح پیش کی گئیں کہ پڑھنے والے کو ان سے نفرت ہونے لگے۔ خاص طور سے ہندوؤں کو مسلمان حکمرانوں سے متنفر کرنے کے لیے واقعات کو توڑ مروڑ پیش کیا گیا۔'' [۱۲]

''معاشیات:

معاشیات ایک با مقصد علم ہے لیکن اس کے نصاب کو اس طرح مرتب کیا گیا کہ انسان معاشی حیوان سے زیادہ کچھ نظر نہیں آتا۔ مغربی معاشی تصورات کے مطابق انسان انتہائی خود غرض ہے اور ہر وقت مادی فائدے کے درپے ہے۔ اس میں حلال وحرام کی تمیز کا کوئی سوال نہیں۔ سود، ذخیرہ اندوزی سب منافع بخش مال ہیں۔ ان کی اخلاقی قباحت یا شرعی حرمت کا کوئی تصور مطالعے میں نہیں آتا اور دوسروں کے لیے ایثار یا صدقہ و خیرات کی تو سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ ظاہر ہے کہ معاشیات کا یہ نصاب اسلامی حیات سے براہ راست متصادم تھا۔''[۱۴۳]

پولیٹکل سائنس:

پولیٹکل سائنس کا لوازمہ بھی اسلام کے تصورات سے متصادم تھا۔ جمہوریت کے مغربی تصور میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کے نظرے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ یہ واضح رہے کہ عوام کی حاکمیت کا تصور سراسر الحادی ہے۔ یوں نصاب کا یہ حصہ بھی مغربی الحاد کو فروغ دینے کا باعث بن رہا ہے۔

سائنس:

سائنس کا نصاب بھی الحاد پسندانہ تھا۔ اس سے طلبہ میں ایجاد و اختراع کی کوئی صلاحیت تو پیدا نہ ہوتی تھی الٹا وہ کائنات کی تخلیق و انتظام کے متعلق اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ عربی، فارسی اور مذہب کو نصاب سے بالکل خارج کر دیا گیا اور یوں اہل ہند کو بالعموم اور ہندی مسلمانوں کو بالخصوص ان کے کلچر سے کاٹ دیا گیا اردو کو بھی صرف پرائمری کے نصاب تک محدود کر دیا گیا۔[14]

آج بھی یہ علوم اس تناظر سے مختلف نہیں ہیں کسی کسی جگہ اسلوب کا فرق ضرور ہے

علومِ عصریہ کی اسلامائزیشن:

ہر علم معرفت الٰہی کا سبب بن جاتا ہے جبکہ وہ صحیح تناظر میں پڑھا جائے علم مادی اشیاء کا ہو یا الہامات کا۔ جس طرح علوح وحی رب واحد کی خبر دیتے ہیں اسی طرح نظام کائنات اور اسکا وجود، الغرض مادہ اور اس کی مختلف شکلیں بھی ان کو بنانے والے کی اطلاع فراہم کرتی ہیں لہذا علم کا صحیح تناظر میں پڑھانا نہایت ضروری ہے، اس امر کی تکمیل کے لیے پاکستان میں کی گئی کاوشوں پر تبصرا کرتے ہوئے نور احمد رقمطراز ہیں کہ:

> ’’1992 کی پالیسی میں پہلی مرتبہ اس طرف توجہ دی گئی کہ علومِ عصریہ کی اسلامائزیشن کی جائے۔ ان علوم کو اسلامی تناظر میں پڑھا جائے تاکہ ہر تحقیق و انکشاف سے اسلامی تناظر کا محکم و مسلم ہونا طالب علم کے ذہن میں نقش ہو 1992ء کی پالیسی میں باضابطہ کمیشن برائے اسلامائزیشن آف

ایجوکیشن کے قیام اور سفارشات پارلیمنٹ سے منظوری کے بعد
اس کو نافذ کرنے کی بات کی گئی ہے"۔ ۱۵

اس کے باوجود آج بھی پاکستان میں گیارہویں بارہویں کی کیمسٹری کی کتاب 27 ابواب پر مشتمل ہے کسی ایک جگہ پر بھی اللہ کا نام نہیں ہے۔ اسی طرح انجینئر ی ہے، کامرس ہے، زراعت ہے، اور دوسرے فن ہیں۔ بیالوجی کی گیارہویں اور بارہویں کی کتابوں میں ابواب کے شروع میں آیات لکھی گئی ہیں مگر اس کی حیثیت صرف بسم اللہ جیسی ہے اس باب کی تشریح اور اسکے تناظر اور نظریات میں قرآن کی مداخلت برداشت نہیں کی جاتی۔

حوالہ جات

۱۔ ایس ایم شاہدہ، پاکستان میں تعلیم،، مجید بک ڈپو، فیصل آباد ،ص:25

۲۔ پالیسی1998ءباب تیسرا

۳۔ پروسیڈنگر، پاکستان ایجوکیشن کانفرنس ۱۹۴۷،ص:۴۴،قرارداد نمبر ۸

۴۔ قومی تعلیمی ماموریہ:1959،ص:209

۵۔ قومی تعلیمی پالیسی:2009

۶۔ قومی تعلیمی پالیسی:1972

۷۔ قومی تعلیمی پالیسی:1990، پیرانمبر2،3،

۸۔ قومی تعلیمی پالیسی:1998، پیرانمبر3,4،

۹۔ قومی تعلیمی پالیسی:2009

۱۰۔ قومی تعلیمی پالیسی:۲:۱۹۷۲۔بحوالہ نوراحمد۔ص:156

۱۱۔ قومی پالیسی:2009،پیرانمبر82تا83

۱۲۔ ایس ایم شاہدہ، پاکستان میں تعلیم،ص:80

۱۳۔ ایضاً،ص:81

۱۴۔ ایضاً،ص:81

۱۵۔ قومی تعلیمی پالیسی 1992،بحوالہ نور احمد علوم اسلامی کا فروغ اور تعلیمی پالیسی۔ص:122

فصل سوم :

پاکستان کے نظامِ تعلیم پر اثر انداز ہونے والے عوامل

پاکستان کے نظامِ تعلیم میں مغربیت کا رنگ بھرنے میں کئی طرح کے عوامل شامل ہیں جن میں سے چند سرِ فہرست ہیں:

(1) خارجی دباؤ

(2) بیرونی امداد و قرضہ جات

(3) سیکولر ذہنیت کا حامل صاحبِ اقتدار طبقہ

(4) ملک کو کمزور کرنے والے دشمن عناصر

(5) نصاب کی درستگی سیکولرازم کے لیے عظیم خطرہ

(6) نصاب سازی کرنے والے عملہ کی دینی ناپختگی

خارجی دباؤ:

اقوامِ متحدہ کے عالمی منشور کے تحت طے کیا گیا ہے۔ تمام اقوامِ عالم کو اسی ایجنڈے پر جمع کیا جائے کہ آزادی انسان کا حق ہے اور دیگر عقائد جو مغربی تناظر میں پھیلائے جا رہے ہیں اُن کو تقویت دی جائے۔ تمام ممالک کا انتظام و انصرام مغربی اقتدار کو فروغ دینے والا ہونا چاہیے کسی بھی ایسے قانون یا طریقہ کار کو تسلیم نہ کیا جائے گا اور نہ برداشت کیا جائے گا۔ وہ انسانی اصول جو مغرب نے طے کئے ہیں اُن کے خلاف ہو۔

انتظامی معاملات یعنی معاشی، سیاسی اور سماجی تعلقات کیسے ہوں۔اس کے لئے اہلِ مغرب نے جو معاشی، سیاسی یا سماجی طریقہ کار وضع کئے ہیں اس کے مطابق ملک چلایا جائے۔لہٰذا سرمایہ دارانہ نظام، جمہوریت اور سول سوسائٹی کو فروغ دیا جائے۔جب کہ اسلام سرمایہ دارانہ نظام کے علاوہ اپنا نظامِ معیشت رکھتا ہے۔سماجی تعلقات پر خاص احکام موجود ہیں کہ ان کا ہدف اور اہلِ مغرب کا ہدف یکساں ہوجائے۔اس مقصد کے لئے خارجی دباؤ بھی ڈالا جاتا ہے کہ نصاب میں فلاں فلاں تبدیلی کرلی جائے۔جیسے کہ روزنامہ دن اور روزنامہ نوائے وقت کی اس خبر سے واضح ہوتا ہے کہ:

> ''امریکہ نے ریاض، مکہ اور جدہ میں سعودی یونیورسٹیوں کو بھی ایک خطرہ قرار دیتے ہوئے ان پر بنیاد پرستی پھیلانے کا الزام عائد کیا اور ان یونیورسٹیوں کے تعلیمی نصاب کو تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا ہے''[1]

بالکل اسی طرح پاکستان میں سیکولر اقدار کے فروغ میں رکاوٹ مدارسِ دینیہ ہیں اور مدارس دینیہ انگریز استعمار کے لئے ہمیشہ پریشانی کا باعث بنے ہیں دین سے وابستگی باقی رکھنے والی یہ واحد اکائی ہے جس سے عوام کے دِل محمد عربی کی غلامی کو بخوشی قبول کرتے ہیں بلکہ فخر کرتے ہیں لہٰذا ان مدارس میں مذہبی وثوق کو کم کرنے کے لئے گزشتہ دو عشروں میں کئی طرح کے حربے اختیار کئے گئے ان میں سے ایک حربہ قرض دے کر نصاب تعلیم میں تبدیلی کروانا بھی تھا۔

بیرونی قرضوں کی حقیقت:

پاکستان کے تعلیمی انحطاط کی ایک بڑی وجہ بیرونی مداخلت ہے پاکستان میں ایسی قانون سازی پر مجبور کیا جاتا ہے جس سے طالب علم اسلامی تشخص سے دور ہو جائے، خاص طور پر قرضہ جات دیتے وقت مختلف شرائط عائد کی جاتی ہیں جیسا کہ محمود غازی رقمطراز ہیں کہ:

> ''تعلیم میں بیرونی معاونت کے بہانے عمل دخل تعلیم کے نام پر استعماریت اور طبقانیت کے تحفظ کی ایک موثر کوشش ہے آج تعلیم کے نام پر جو مدد باہر سے آرہی ہے اس میں مادی معاون کا حصہ برائے نام اور فکری تغلغل اصل چیز ہے''[۲]

گورنمنٹ کالج برائے خواتین، نوشہرہ ورکاں کی پرنسپل نگہت منصور لکھتی ہیں:

> ''غیر ملکی ڈونر ایجنسیاں پاکستان میں اعلیٰ اور فنی تعلیم کے لئے امداد دینے کے بجائے تعلیم کے زبردستی قرضے اس غرض سے دے رہی ہیں کہ خواتین کی سیکولر تعلیم کو منظّم کیا جائے اور رسمی تعلیم کے لئے جو خاکہ وہ تجویز کریں اسی کے مطابق نصاب بنایا جائے''[۳]

بیرونی امداد و قرضہ جات:

چند حوالہ جات پیش کئے جا رہے ہیں جس سے واضح ہو گا کہ پاکستان کا

نظامِ تعلیم آزادانہ منصوبہ بندی سے نہیں چلتا بلکہ یہاں پر رائج تعلیم بھی بین الاقوامی تعلیمی نظریات کے ہم آہنگ بنانے کے لئے غیر ملکی ایجنسیاں مدد کے عنوان سے فنڈز دیتی ہیں جو کسی فنی تعلیم کے لئے خرچ نہیں کئے جا سکتے بلکہ ان کا مقصد خاص طور پر عورتوں اور بچوں میں سیکولر، لبرل طرز پر ذہن سازی کرنا مقصد ہوتا ہے۔

مشرف دور میں 18 ترمیم جس سے نصاب سازی کا اختیار مرکز کی بجائے صوبے کو دیا گیا اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

> ''۱۲۔۱۴ فروری ۲۰۰۲ء کو صدر پرویز مشرف کے دورہ امریکہ کے دوران باہمی تعاون کے جو معاہدات ہوئے ان میں سے ایک معاہدہ تعلیمی فروغ کے لئے امداد سے منسوب ہے۔ جس کے تحت امریکہ پاکستان کو تین کروڑ چالیس لاکھ ڈالر دے گا۔ یو ایس ایڈ بھی اس امداد میں حصہ دے گی۔ کہا جا رہا ہے کہ دو کروڑ اسی لاکھ ڈالر دینی مدارس کے نصاب کی تیاری اساتذہ کی تربیت اور اطلاعاتی ٹیکنالوجی کے لیے دیے جائیں گے''۔[۴]

سیکولر تعلیم ہی وہ آلہ ہے جس کے نتیجہ میں مسلم تشخص کو ختم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس کا عملی پہلو یہ ہے کہ گزشتہ ڈیڑھ عشرے سے مغربی اقتصادی اداروں اور حکومتوں نے پاکستان میں عورتوں اور بچوں کی تعلیم کے لئے تو سودی قرضے دینے میں نہ صرف دلچسپی لی ہے۔ بلکہ بعض منصوبے تو زبردستی حکومتِ پاکستان کے سر تھوپ دیے ہیں کیونکہ وہ اس طرح نظریاتی طور پر اپنے اثرات کو گہرا کرنے میں اہم رول ادا

کر سکتے ہیں۔لیکن دوسری جانب پاکستان کے اسی سیکولر تعلیمی نظام کے اعلیٰ سائنسی، فنی اور تحقیقی اداروں (مثلاً عصری تعلیم کی عام اور انجینئرنگ یونیورسٹیوں کے ساتھ Pcsir جیسی تجربہ گاہوں وغیرہ) کی مالی امداد اور فنی معاونت کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے تاکہ ان اداروں کے افراد تحقیق و ترقی کے لئے خود کفالت کی منزل تک نہ پہنچ سکیں۔ گویا کہ سیکولر نظام تعلیم کو مضبوط بنانے کے لئے قرضوں کی مدد کا مرکز تعلیم و تحقیق میں بہتری لانا نہیں بلکہ نظریاتی سطح پر توڑ پھوڑ ہے۔ یہ چیز جہاں اعلیٰ تعلیمی اداروں کے لئے معاونت کی عدم موجودگی کا پتہ دیتی ہے۔ وہاں ابتدائی عمومی اور سیکولر تعلیم کے لئے سہ گانہ حکمت عملی کے ساتھ نمودار ہوتی ہے۔اوّلاً اس مدد کا ایک حصہ اعلیٰ انگلش میڈیم نجی تعلیمی اداروں کی مدد پر صرف کرنا ثانیاً ٹیکسٹ بک بورڈ پر ریاستی کنٹرول کی گرفت توڑنا اور نصابیات میں من مانی تبدیلی کے ذریعے فکری اثر ونفوذ کی راہ ہموار کرنا ثالثاً عام ابتدائی سکولوں اور عورتوں کی اعلیٰ ثانوی درجے تک تعلیم کے متعین اہداف میں دلچسپی ان اہداف کے لئے مغرب کی ہمدردی کو جانچنا کوئی دشوار نہیں ہے۔ جیسا کہ نگہت منصور کے تبصرہ سے ظاہر ہے۔

> گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، نوشہرہ ورکاں کی پرنسپل نگہت منصور نے خواتین میں دینی تعلیم کے مسئلے کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ غیر ملکی ڈونر ایجنسیاں پاکستان میں اعلیٰ اور فنی تعلیم کے لئے اور امداد دینے کی بجائے تعلیم کے زبردستی قرضے اس غرض سے دے رہے ہیں کہ خواتین میں سیکولر تعلیم کو منظّم کیا جائے اور رسمی تعلیم کے لیے جو خاکہ وہ تجویز کریں اس

کے مطابق نصاب بنایا جائے'' ۵؎

بطور تصدیق یکم مارچ 2015ء ایکسپریس نیوز، لاہور کی خبر درج کی جاتی ہے۔جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تعلیم کے نام پر امریکی حکومت سے 45 ملین کی خطیر رقم وصول کی گئی اور اس بات کا عہد کیا گیا کہ امریکہ پاکستان کے ساتھ مل کر اساتذہ کی تربیت کو معیاری بنانے کے لئے پروگرام پر کام کرے گا۔امریکی حکومت کے مختلف منصوبوں سے اب تک 14 ہزار اساتذہ نے تربیت لی ہے۔دیگر امریکی سفیر رچرڈ اولسن نے کہا ہے کہ: امریکہ پاکستانی تعلیمی اداروں کے لئے 45 ملین ڈالر دیگا،اولسن

''امریکی سفیر رچرڈ اولسن نے کہا کہ تعلیمی اداروں کی بحالی کے لئے امریکی حکومت 45 ملین ڈالر فراہم کرے گی، رچرڈ اولسن نے جامع کراچی میں ٹیچر ایجوکیشن بلڈنگ کے افتتاح کے بعد خطاب میں کہا کہ یہ عمارت بہترین تعلیمی ادارے تشکیل دینے کے سلسلے میں دونوں ممالک کے مشترکہ عزم کی روشن مثال ثابت ہوگی۔امریکہ پاکستان کے ساتھ مل کر ملک میں اساتذہ کی تربیت کا معیار بہتر بنائے گا۔ان کا کہنا تھا کہ امریکی حکومت مستقبل کے اساتذہ کو بہترین سہولیات فراہم کرنے کے لئے مصروفِ عمل ہے جب کہ یو ایس ایڈ پروگرام کے تحت پروگرام میں پاکستان بھر میں جدید سہولیات سے آراستہ ڈیپارٹمنٹ آف ایجوکیشن کی سترہ نئی عمارتیں تعمیر کی جائیں گی۔ ان کا کہنا تھا کہ امریکی حکومت کے مختلف تعلیمی منصبوں سے اب

تک 14 ہزار سے زائد پاکستانی اساتذہ فائدہ اُٹھا چکے ہیں‘‘ ۶؎

عورتوں کی ذہن سازی کے لئے خصوصی کاوش:

کفر یہ سمجھتا ہے کہ پاکستان کو سیکولر یا لبرل اقدار پر لانے کے لئے ضروری ہے کہ عورتوں کی تربیت سیکولر اور لبرل بنیادوں پر ہو تو آئندہ نسل مکمل طور پر اسی رنگ میں رنگی جائے گی۔ اہلِ مغرب کی عورتوں اور بچوں کے لئے ایسی خصوصی کاوشیں ہوتی رہتی ہیں۔ گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، نوشہرہ ورکاں کی پرنسپل نگہت منصور نے خواتین میں دینی تعلیم کے مسئلے کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

’’باوجود اس کے کہ خواتین میں عمومی طور پر مغربی تہذیب کے مظاہر سے متاثر ہونے کا رجحان مردوں کی نسبت زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اس سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے دیہاتی ہی نہیں بلکہ خواتین کے جز وقتی مدارس میں نوجوان لڑکیوں کا قرآنی فہم حاصل کرنے کا ذوق اور فقہ سے متعلق بنیادی امور جاننے کا شوق خوش گوار حد تک قابلِ ذکر ہے۔ اگر خواتین کی دینی تعلیم کے پروگرام کو رضا کارانہ طور پر منظّم طریقے سے پھیلایا جائے تو پاکستانی خواتین میں فہم دین کی بہار آسکتی ہے عورتوں میں حد سے بڑھی ہوئی ضعیف الاعتقادی توہم پرستی اور نوٹوں اور ٹوٹکوں جیسی مریضانہ سوچ پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اس تعلیمی عمل سے خود خواتین ان حقوق و فرائض سے بھی آشنا ہوسکتی ہیں۔ جو اسلام نے ان کے لئے متعین فرمائے ہیں۔ ان میں یہ شعور پیدا ہوسکتا

ہے کہ اسلام کا منشا کیا ہے اور یہاں کے ظالمانہ رسم و رواج نے کن کن چیزوں کے ذریعے بے جا طور پر ہماری سماجی و عائلی زندگی کو جہنم زار بنا دیا ہے۔ ویسے بھی غیر ملکی ایجنسیز پاکستان میں اعلیٰ اور فنی تعلیم کے ہے اور امداد دینے کی بجائے تعلیم کے زبردستی قرضے اس غرض سے دے رہے ہیں کہ خواتین میں سیکولر تعلیم کو منظّم کیا جائے اور رسمی تعلیم کے لیے جو خاکہ وہ تجویز کریں اس کے مطابق نصاب بنایا جائے''۔

گورنمنٹ کالج برائے خواتین سمن آباد، لاہور کے صدر شعبہ اسلامیات پروفیسر ثریا بتول علوی نے صورت حال کا جو تجزیہ کیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

''مغربی تہذیب اور اس کے قائلین پر یہ حقیقت واضح ہے کہ مسلمان مردوں کو ہی اگر سیکولرازم کے ذریعے اسلام کی راہ روک دیا جائے مگر جب تک مسلم عورت دینِ اسلام سے وابستہ ہے مسلمانوں کی اگلی نسل دین دار ہوگی مسلم خواتین کے ہاتھوں تربیت پارہی ہے اور اگر حرم کی زندگی بیرونی اثرات سے محفوظ ہے۔ تب تک مسلمانوں کو دین سے بے راہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے پوری قوت کے ساتھ مسلم خواتین کا ہدف بنا کر خاندان کا مضبوط ادارہ توڑنے میں مشغول ہیں آج ہماری خواتین کے تعلیمی اداروں کو باقائدہ منصوبہ بندی کے ساتھ مغربی رنگ میں رنگنے کے لئے فیشن شوز، ناچ گانوں، مینا بازاروں، لڈی ڈانس وغیرہ اس طرح رچا بسا جا رہا ہے جیسے ان چیزوں کا فہم و تجربہ حاصل کئے بغیر عورت کے متعلق جاہل اور گنوار ہے۔

اہلِ مغرب کی دیگر اقوام پر تعلیمی امور میں مداخلت

ایک طالب علم اپنے آقاوں کی برتری، اُن کے طور طریقوں، اُن کے علم، اُن کے طرزِ حکمرانی، اُن کی تہذیب اور اُن کی تاریخ کی فضیلت کے نہ صرف قائل ہوں، بلکہ اپنی تاریخ اور تہذیب سے نفرت کریں اور اپنے مذہب کی حقانیت پر سوالات بھی اٹھائیں۔ سامراج نے لیبیا کی درسی کتب میں دعاوں کے جو الفاظ شامل کیے، ان میں یہ الفاظ بھی تھے :اے خدا، مجھے اچھا اطالوی شہری بننے میں مدد فرما۔ اے خدا، مجھے اٹلی سے محبت کرنے میں مدد دے جو میرا مادرِ وطن ثانی ہے۔ دوسری نو آبادیوں میں اٹلی کی جگہ برطانیہ یا فرانس کے الفاظ شامل کیے جاسکتے ہیں۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ان سامراجی طاقتوں نے مذہبی غیر جانب داری کے نام پر اسکولوں سے مذہبی تعلیم کا خاتمہ کر دیا، اور اس کی جگہ سیکولرازم یعنی انسان پرستی (Humanism) کو شامل کیا۔ اس کے ساتھ ہی نظامِ تربیت کو بھی ختم کر دیا گیا۔ سائنس کی تعلیم اِس لیے رائج کی گئی کہ طلبہ ایٹم سے لے کر کہکشاؤں تک کے مادّی زندگی کو چلانے والے قوانین کی دریافت کرنے والوں کے سحر میں گرفتار رہیں، اور کبھی اس کا خیال بھی دل میں نہ لائیں کہ اس کائنات کا اور اس کے قوانین کا کوئی خالق بھی ہے اور اُس کے بنائے ہوئے طبعی قوانین سے ماسوا کچھ اُس کی سنتِ جاریہ بھی ہے اس نظامِ تعلیم کے ذریعے طلبہ کو بتایا گیا کہ سچائی یا حقیقت کا فیصلہ کرنے کا اختیار صرف سائنس کے پاس ہے۔ طلبہ کو اپنے قدیم کلچر اور رسم و رواج سے الگ کرنے، ان کی تعلیم میں والدین کی شرکت اور والدین کی سرپرستی کو کم کرنے،

اوران میں مستقل طور پر احساسِ کم تری پیدا کرنے کے لیے تعلیم کی زبان کو تبدیل کر دیا گیا۔

اس نئے نظام کے تحت مفت عالم گیر تعلیم ختم ہوگئی۔ سرکاری امداد سے چلنے والے اسکولوں کے لیے لازمی قرار دیا گیا کہ وہ طلبہ سے فیس وصول کریں۔ تعلیم دینا اب ایک مقصد حیات نہیں بلکہ تجارت بن گیا۔ اس کا مقصد ایک اچھا با اخلاق انسان پیدا کرنا نہیں بلکہ اچھی کمائی کرنے والا فرد تیار کرنا رہ گیا۔

اور اللہ نے تمام انبیاءؑ کو ان علاقے وقوم کی زبان میں ہی راہنمائی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے یہ تعلیم کا صحیح طریقہ ہے اور تمام ماہرین تعلیم کی بھی یہ رائے ہے کہ تعلیم کا عمل اپنی زبان میں ہی مستحسن ہے اور مختلف قوموں کا مشاہدہ اور تجربہ بھی اس بات کے لیے دلیل بین ہے کہ تعلیم اسی قوم کی زبان میں ہو اگر ملک مسقط میں ساری تعلیمات عربی زبان میں دی جاسکتی ہیں۔ چندی گڑھ میں ایم بی بی ایس پنجابی میں ہو سکتا ہے اور جلال آباد میں فارسی زبان میں تعلیم دی جاسکتی ہے تو پاکستان میں بھی قومی زبان اردو میں نوجوان نسل کو تعلیم سے روشناس کروایا جاسکتا ہے۔

نااہل قیادت:

پاکستان کے نصاب تعلیم کا اسلامی تناظر سے محروم ہونے کی ایک بڑی وجہ نااہل قیادت بھی ہے روز اول سے پاکستان کی قلیدی عہدوں پر ان لوگوں کا قبضہ رہا ہے جن کا مذہب اسلام سے کوئی واسطہ نہ تھا یا وہ لوگ تھے جو مردم شماری میں تو مسلمانوں میں شریک تھے لیکن مذہبی لگاؤ سے بے خالی تھے، پاکستان کے پہلے

کمانڈران چیف General sir frank Messervy اور General sir Douglas Gracey دونوں عیسائی تھے اسی طرح پاکستان فضائیہ کے چار کمانڈر چاروں انگریز تھے عیسائی تھے پاکستان کا پہلا وزیر قانون Jegndre Nath Mandal ناتھ منڈل صاحب ایک ہندو تھے یہ پاکستان کے پہلے وزیر قانون ہونے کے ساتھ ساتھ بر کورٹ کے صدر بھی تھے۔اور پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان قادیانی تھے اس کے علاوہ پاکستان کے چاروں صوبوں کے تین گورنر انگریز تھے۔ Sir Frderick Bournc گورنر مشرقی بنگال Sir Francis Mudie گورنر مغربی پنجاب

Sir George Ccunningham گورنر صوبہ سرحد۔

دو قومی نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آنے والا یہ ملک جس کی بنیاد ہی اسلام کے نام پر رکھی گئی ،اسلامی اقدار کی اسلامی نظم کے فروغ اسلامی نظریہ معیشت اور اسلامی تناظر تعلیم سے محروم رہا کیونکہ اس کے نظم و نسق کی باگ دوڑ جن لوگوں کے ہاتھ میں تھی ان کے بارے میں قائد نے اپنے بستر مرگ میں یہ کہا تھا‘‘

’’میری جیت کے سارے سکے

کھوٹے تھے‘‘۔ ۹

سیکولر تنظیمیں (قومی کمیشن برائے امن وانصاف):

پاکستان میں کچھ تنظیمیں اس امر کے لیے کارفرما ہیں کہ پاکستان میں اسلامی و مذہبی حمیت کو ختم کر کے رواداری اور محبت و مصالحت کے نام پر سیکولر اور لبرل ذہنیت

کا بیج بویا جائے پاکستان کے نصاب میں کچھ چیزیں نامناسب ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی چیزیں بھی شامل ہیں جس میں اسلامی تشخص کا بہرحال کسی نہ کسی درجہ باقی ہے۔

اس بیان کی جانے والی رپورٹ میں جائزہ لیا جائے کہ مذہبی حمیت اور اسلامی غیرت ختم کرنے کے لیے کس طرح کے ہتکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں قومی کمیشن برائے امن و انصاف نے 4 دسمبر 2012 کو نصاب تعلیم میں نفرت آمیز مواد میں اضافہ کے نام سے ایک رپورٹ شائع کی جس میں اس بات پر اصرار تھا کہ 13 اور 2012 میں چھپنے والا نصاب نفرت آمیز مواد پر مبنی ہے۔

اس رپورٹ میں اس بات پر اصرار کیا گیا کہ دینی مضامین کو صرف دینیات کے مضمون میں ہی پڑھایا جائے اردو میں اسلام کی باتوں کو شامل نہ کیا جائے۔ اور تاریخ کو بھی توازن سے پیش کیا جائے اور جس کتاب میں کسی جگہ پر مسلمانوں کو ہندوؤں پر اور عیسائیوں پر فوقیت دی گئی ہے یا کافروں کو مسلمانوں کا دشمن کہا گیا ہے یا ہندو اور مسلمانوں کو دو الگ قوم قرار دیا گیا ہے۔ (الغرض) ایسی تمام عبارات جس میں اسلامی تشخص اور حمیت کو ظاہر کیا گیا ہے کو اس رپورٹ میں ایسی تمام عبارات نفرت کی آبیاری یا نفرت انگیز مواد قرار دیا گیا ہے۔ خاص طور پر مطالعہ پاکستان، اسلامیات، اردو، معاشرتی علوم کی کتابوں کو نفرت آمیز مواد سے بھرپور ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔ درج ذیل عبارات کو نامناسب اور نفرت انگیز مواد قرار دیا گیا۔

"پنجاب اور سندھ کی نصابی کتابوں میں (جماعت ششم کی معاشرتی علوم کی کتاب درج ہے)۔ لیکن حسب عادت ہندوؤں

نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کیا، صوبہ سندھ کی ٹکسٹ بک بورڈ
کی جماعت دوئم، کتاب اردو صفحہ 15 میں درج ہے۔'' عام طور
پر دوسری قومیں اپنے تہواروں میں فضول باتوں میں مصروف رہتے
ہیں ان کے ہاں اللہ سے تعلق اور بندگی کا کوئی اظہار نہیں ہوتا''۔ ١٠

ان عبارات میں غیر سرکاری تنظیم قومی کیمشن برائے امن وانصاف مندرجہ بالا عبارات اوران جیسی اور دیگر عبارات پر برہم ہیں کہ ایسی عبارات کونصابی کتب سے خارج کیا جائے ان جیسی عبارتوں سے مسلمانوں ہندوؤں اور عیسائیوں کے درمیان باہمی نفرت کی آبیاری ہوتی ہے۔حالانکہ یہ بات کسی سے بھی اوجھل نہیں کہ مسلمان اوردیگر اقوام الگ اکائیوں پر قائم ہیں نبی ﷺ نے فرمایا۔''الکفر ملة واحدة'' کہ کفر سارا کا سارا ایک ہی قوم ہے(ملت ہے)اورقرآن مجید میں ارشاد ہے'' ان الدین عند الله الاسلام '' بے شک اللہ کے نزدیک مقبول راستہ صرف اسلام ہے۔ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منه:(ترجمہ)جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور طریقہ زندگی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہ فرمائیں گے۔قرآن وسنت کے علاوہ انسانی عقل بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مسلمانوں کے رب کے دشمن مسلمان کے دوست کیسے ہوسکتے ہیں۔اور نظامِ تعلیم میں باہمی آہنگی اور کافروں سے یارانہ قائم کرنے کو رواداری اور اخلاقیات قرار دینا شریعت اسلامی کے بھی خلاف ہے۔اقبال شریعت کے تناظر میں اس کی تشریح کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں۔

ہو حلقہ یاراں تو بر ریشم کی طرح نرم

رزم حق و باطل فولاد ہے مومن

یہ تشریح ہے اس آیت کی ''اشدّآء علی الکفّار رحماء بینھم' 'مومن کی شان بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کافروں پر بڑے سخت ہیں اور باہمی محبت کرنے والے ہیں۔ اسلامی نصاب میں دینی حمیت اور غیرت کو باقی رکھنے کا انتظام بھی کرنا مسلم حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے لیکن عصر حاضر کے سیکولر اور لبرل نظریات کے مطابق مذہبی بنیاد پر کسی قسم کی تفریق مخاصمت روا نہیں ایسی مذہبی حمیت کو شدت پسندی اور انتہا پسندی کا نام دیا جاتا ہے۔ ہر اہل مذہب کا اپنے مذہب سے وابستگی ایک اہم بات اور قابل دید بات ہوا کرتی تھی۔ لیکن سیکولر اور لبرل معاشرے میں مذہب سے وابستگی اور ہم آہنگی عیب ہے جس کو درج ذیل الفاظ سے پکارا جاتا ہے، شدت پسندی، انتہا پسندی، بنیاد برست فنڈامنٹل، فکری جمود، توہم پرستی،

نامناسب پالیسیاں:

جمعہ کی بجائے اتوار کو چھٹی۔ انسان کے سیکھنے کا عمل دو طرح سے

ہے۔ فارمل/ ان فارمل

عام طور پر جس کو سیکھا جاتا ہے اس لیے کتب کا انتخاب کیا جاتا ہے درسگاہ میں ایک فرد جاتا ہے۔ ان فارمل طرح سے بھی انسان کچھ نہ کچھ سیکھتا رہتا ہے۔ مثلا معاشرے سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ اپنے گھر کے ماحول سے دوستوں کی مجلس سے سیکھتا ہے۔ مسلمانوں کی فارمل تعلیم کا مرکز مساجد تھیں جب ایک طالب علم مسجد سے علم لے کر جاتا تو غیر شعوری طور پر اسلام کی روح میں وہ علم لپٹا ہوا ہوتا تھا۔ اس لیے کوئی سا بھی علم ہو

علم کی کوئی سی بھی شاخ ہواس میں اسلام کی جھلک نظر آتی تھی یہ اس وجہ سے تھا کہ علم حاصل کرنے کا تناظر درست تھا اور تناظر کی درستگی میں مساجد کا ماحول کافی حد تک معاون تھا۔ ہر علم کی انتہاء اللہ کے وجود اور اس کے کمال ذات کے ادراک پر ختم ہوتی پروفیسر خورشید احمد کی کتاب کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا۔ کہ مسلمانوں کی علم طب پر لکھی ہوئی کتابیں کیسی تھیں انہوں نے اس میں اسلام کی روح کیسے داخل کی تھی۔ میڈیسن کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے کہ اس کا عقیدہ سے کیا تعلق لیکن کیا یہی واقعہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے فن طب کو اس طرح مرتب کیا کہ طبی کتابوں کو آپ پڑھتے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ ایک عقیدہ رکھنے والی کسی قوم کی کتابیں ہیں۔

''ان کتب کا آغاز خدا کی حمد سے کریں گے۔

دوائیں اس طرح منتخب کریں گے کہ اس کے اندر حرام اجزاء نہ ہوں۔ حلال چیزوں سے نسخے مرتب کریں گے جگہ جگہ بیچ میں بیان اس طرح سے کریں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ ان دواؤں کے اصل خواص ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطاء کردہ ہیں۔ بیماریوں کی شفاء اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ اور ان دواؤں کا کارگر ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی بدولت ہے نبض پر ہاتھ رکھیں گے تو بسم اللہ کہہ کر رکھیں گے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں گے کہ رہنمائی فرمائیے۔ یہ ساری چیزیں کیا ہیں، فی الحقیقت فن تھا اور وہی معلومات تھیں۔ جو دنیا کا کوئی طبیب

فراہم کرے گا لیکن ان سب کو اپنی ذہنیت کے مطابق، اپنے
عقیدہ اور طرز فکر کے مطابق انہوں نے ڈھالا۔''[11]

مگر آج پاکستان میں گیارہویں بارہویں کی فزکس 27 ابواب پر مشتمل ہے کسی ایک جگہ پر بھی اللہ کا نام نہیں ہے۔ اسی طرح انجینئرنگ ی ہے، کامرس ہے، زراعت ہے، اور دوسرے فن ہیں۔

اسکی بڑی وجہ دین سے اور مساجد سے وابستگی ہے عصری تعلیمی اداروں کا مساجد سے الگ ہونا ہی بہت سے شر و رو فتن کا سبب ہے قیام پاکستان کے بعد بھی تعلیمی اداروں کو مسجد سے الگ رکھنے کی اہمیت جو انگریز نے ڈالی تھی اس کو بدستور باقی رکھا گیا اور اپنے سابقہ علمی ماحول کی طرف اہل عقیدہ نے توجہ نہیں کی اور عجب ستم یہ کہ مسلمانوں کا ایک اجتماع جمعہ اور جمعہ کے خطبہ کی شکل میں تھا اس رشتہ کو بھی کمزور سے کمزور تر کرنے کی کوشش پیہم کی جاتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ روزنامہ، دن، لاہور، 13 فروری 2002ء، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، 14 فروری 2002ء

۲۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات تعلیم، زوار اکیڈمی، طبع دوم، 2014ء، ص:205

۳۔ سلیم منصور خالد، دینی مدارس میں تعلیم، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، طبع سوم، 2005ء، ص:221

۴۔ فرائی ڈے اسپیشل، 22 فروری 2002ء، ص:14

۵۔ سلیم منصور خالد، دینی مدارس میں تعلیم، ص:221

۶۔ یکم مارچ 2015ء ایکسپریس نیوز، لاہور۔

۷۔ سلیم منصور خالد، دینی مدارس میں تعلیم، طبع سوم، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، شرکت پرنٹنگ پریس، نسبت روڈ لاہور، 2005ء ص:221

۸۔ ایضاً، ص:221

۹۔ ٹائم میگزین شمارہ نمبر 22 دسمبر 1998ء۔

۱۰۔ رپوٹ، قومی کمیشن برائے امن وانصاف نے 4 دسمبر 2012

۱۱۔ رشید احمد، پروفیسر، تعلیم اور فکرِ اسلامی، مجید بک ڈپو لاہور، ص 138

باب سوم

نظامِ تعلیم پر مغربی فکر کے اثرات

پاکستان میں رائج تعلیمی نظام کے نصاب کا تنقیدی جائزہ

طالب علم کی عمر، درجہ اور مدت جماعتوں کے بارے میں معلومات کے لئے ابتدائی خاکہ درج کیا جاتا ہے۔

درجہ	مدت	عمر	جماعت
پرائمری	5سال	5___10سال	پہلی سے پانچویں
مڈل	3سال	10___13سال	چھٹی سے آٹھویں
ثانوی/ہائی	2سال	13___15سال	نویں، دسویں
انٹرمیڈیٹ/اعلیٰ ثانوی	2سال	17____15سال	گیارہویں، بارہویں

۱؎

ان بارہ سالہ ابتدائی تعلیمی حصہ کا بچے کی شخصیت پر اثرات زیادہ ہوتے ہیں انگریزی اقتدار کے عہد میں برصغیر کے مسلمانوں پر جو نظامِ تعلیم مسلط کیا گیا تھا اس میں دوسری خرابیوں کے علاوہ ایک بنیادی خرابی یہ تھی کہ اس میں اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں سے کاٹ کر عبادتوں اور نجی زندگی کے چند معاملات تک محدود کر دیا گیا تھا۔ یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ اسلام زندگی کا ایک مکمل نظام ہے اور حکومت و سیاست سے لے کر تجارت و معیشت تک زندگی کے ہر شعبے کے لئے اپنی مخصوص

تعلیمات اور ہدایات رکھتا ہے۔ لہٰذا جس وقت یہ دین دُنیا میں عملاً نافذ تھا اس وقت نظامِ تعلیم کا حال بھی یہ تھا کہ اسلام کی تعلیم صرف اسلامیات کے مضمون کی حد تک محدود نہ تھی بلکہ ہر علم وفن کی تعلیم میں اسلام رچا بسا نظر آتا تھا۔ طالب علم فلسفہ پڑھ رہا ہو یا منطق، سائنس کی تعلیم حاصل کر رہا ہو یا حساب اور ریاضی کی، طب کی تعلیم میں مشغول ہو یا صنعت وحرفت کی تعلیم میں غرض ہر علم وفن کے رگ وریشہ میں اسے اسلامی نظریات اور مفکرین اسلام کے افکار یا کم از کم اسلامی طرزِ فکر سمایا ہُوا ملتا تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ وہ علم وفن کے خواہ کسی گوشے کو زندگی کا محور بنالے وہ ذہنی اور عملی طور پر سچا اور پکا مسلمان ہوتا تھا۔ اس کے دِل ودماغ میں اسلام کے مقابلے میں دوسرے افکار سے مرعوبیت پیدا ہو ہی نہیں سکتی تھی یہ نظامِ تعلیم اس میں اتنی صلاحیت پیدا کر دیتا تھا کہ وہ ہر نئی تحقیق نئے فلسفے سے اس کے صالح اجزا کو اپنا لے اور غیر صالح کو چھوڑ دے۔

لیکن موجودہ نظامِ تعلیم میں اسلام کی اس ہمہ گیر حیثیت کو سرے سے ختم کر دیا گیا ہے۔ اسلام کو صرف اسلامیات کے ایک گھنٹے تک محدود کر دیا گیا ہے اور اس ایک گھنٹے میں بھی نصاب اور طرزِ تعلیم کو اس قدر پست کر دیا گیا ہے کہ اس سے اسلام کی صحیح تعلیم کا ہزارواں حصہ بھی طالب علم کے سامنے نہیں آسکتا۔ مغربی فکر کے اثرات کا بالتفصیل جائزہ لیتے ہوئے سب سے پہلے نصاب کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

نصاب کا معنی ومفہوم:

نصاب کے لغوی معنی راستے کے ہیں۔ نصاب یعنی کریکولم کا لفظ لاطینی

زبان کے لفظ کوریئر (Corier) سے بنا ہے جس کے معنی ایسا ہموار راستہ ہے جس پر کوئی فرد دوڑ کر اپنی منزلِ مقصود پر پہنچتا ہے باالفاظِ دیگر نصاب کے ذریعے سے اپنا مقصد حاصل کرتا ہے۔ معنی کے لحاظ سے اس لفظ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ نصاب ہی ایک ایسا تعلیمی راستہ ہموار کرتا ہے جس کے ذریعے سے طلبا اپنے مقصد یا منزل تک پہنچتے ہیں مثلاً اگر کسی طالب علم کو ڈاکٹر یا انجینئر بننا ہے تو وہ اس مقصد کے لیے ایسے نصاب کو منتخب کرے گا یا ایسے نصابی راستے پر چلے گا جو اس کو اس منزل یا مقصد تک لے جائے اس حوالے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نصاب کسی مقصد کے حصول کا وسیلہ ہے اور یہ حقیقت تسلیم کر لی گئی ہے کہ نصاب تعلیم کے لئے مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہے اور اسی کے ذریعے سے تعلیم کے مقاصد پورے ہوتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی میں دوسرا پہلو یہ نکلتا ہے کہ نصاب کسی نہ کسی مقصد کے تحت تدوین پاتا ہے اور یہ بھی حقیقت تسلیم کر لی گئی ہے کہ نصاب کی تدوین یا تنظیم کسی نہ کسی مقصدِ تعلیم کے تحت ہوتی ہے۔

اس لفظ کا تیسرا پہلو یہ نکلتا ہے کہ نصاب ایک ہموار راستہ ہے جس پر فرد دوڑ کر اپنی منزل حاصل کرتا ہے۔ چلنے اور دوڑنے میں فرق ہے چلنے میں فرد سبک رفتاری اور چستی یعنی جوش وخروش میں کمی پائی جاتی ہے۔ عدم دلچسپی اور امنگ کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ دوڑنے میں فرد کی دلچسپی اور ارادہ پایا جاتا ہے فرد متحرک نظر آتا ہے اور یہ فرد کی حرکت ارادے اور شوق کے بغیر ممکن نہیں ان تمام باتوں سے یہ واضح کرنا مقصد ہے کہ نصاب ایک ایسا ذریعہ یا راستہ ہے جس پر فرد اپنے ارادے سے نصاب کو نہیں اپناتا یا نصابی تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اس وقت تک وہ اپنی منزل یا مقصد حاصل

نہیں کرسکتا اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بغیر محنت اور ارادے کے نہ کوئی چیز سیکھی جاتی ہے اور نہ ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ نصاب کو اسی وقت کامیاب سمجھا جائے گا جب وہ فرد کو اس کے مقصد سے ہمکنار کرے۔

پرائمری تعلیم پر اثرات

پرائمری حصہ کی تصاویر کا جائزہ

کتابوں میں تصاویر کے ذریعے پیغام پہنچانا ایک جانا پہنچانا اور مانا ہوا طریقہ ہے۔ ریسرچ سے یہ بات ثابت ہے کہ تصاویر کی کتابوں میں موجودگی اس مضمون کو یاد رکھنے کی صلاحیت نہ صرف بہت اضافہ کر دیتی ہے بلکہ تصویر کے ذریعے سیکھے گئے مواد کا پیغام طالب علم اپنی زندگی میں نسبتاً جلدی اپناتا ہے اور لاشعوری طور پر وہ پیغام اس کے ذہن میں دیرپا اثرات رکھتا ہے۔ تصویر کی مدد سے نہ صرف نفس مضمون گہرائی سے ذہن نشین ہوتا ہے بلکہ تصاویر طلباء کو مضمون کی طرف متوجہ کروانے مضمون کو دلچسپ بنانے اور سیکھنے کے عمل کو تفریحی عمل بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مزید ریسرچ سے یہ انکشاف ہوا ہے۔ کہ تصویر سے نہ صرف مواد کی بہتر طور پر بازیافت ہوتی ہے بلکہ اس سے طلبا کسی بھی کلچر کو بہت جلدی سیکھتے اور اپنا لیتے ہیں اکثر اوقات ایک تصویر ہزار الفاظ کے برابر پیغام لیے ہوتی ہے۔ مزید تصاویر طالب علم کے لیے پیغام یا مواد کو سمجھنا بہت آسان کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے جو اقدار کئی الفاظ میں سمجھائی جاتی ہیں وہ ایک تصویر کے ذریعے ان اقدار کو سیکھ لیتے ہیں چونکہ تصویر روزانہ کے

ماحول کے مشاہدے کے برابر کردار اداء کرنے میں بھی پیش پیش ہے اس طرح انسان با آسانی دوسروں کا رہن سہن سیکھ لیتا ہے۔شعوری یا لاشعوری طور پر اپنا بھی لیتا ہے کیونکہ مشاہدہ کلچر سیکھنے اور اپنانے کا اہم ذریعہ ہے۔

Rake کی 1999 میں کی گئی ریسرچ نے یہ انکشاف کیا ہے کہ ہمارا دماغ الفاظ کی نسبت تصویر کی شناخت بہت تیزی سے کرتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دماغ کا وہ حصہ جو تصویر کی شناخت کرتا ہے یہ حصہ حجم میں دماغ کے اس حصہ سے کئی گنا بڑا ہے جو الفاظ کی شناخت کا کام سرانجام دیتا ہے۔الفاظ کی شناخت کرنے والا دماغ کا حصہ، سائز میں بہت چھوٹا ہے۔بلاشبہ تصاویر کسی طرح بھی طالب علم پر غیر موثر نہیں ہوتیں وہ کسی نا کسی کلچر کی عکاسی ضرور کرتیں ہیں۔

ابتدائی بارہ سال کی تعلیم کے متعلق یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ ابتدائی تعلیم کسی بھی اخلاقی ، مذہبی ، معاشرتی وسماجی اقدار سے آزاد ہونا چاہیے بلکہ بعض حلقوں میں اس نظریہ کو خوب سراہا جاتا ہے۔پاکستان میں اس فکر کے نمائندہ افراد میں جاوید احمد غامدی صاحب ہیں۔

نعرہ تو لگایا جاتا ہے کہ ہر طرح کے خارجی رنگ سے آزاد ہو کر تعلیم کا عمل کیا جائے ۔اس دعوے کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے افراد مختلف ، مذہبی ،معاشرتی وسماجی اقدار کے حامل ہیں جو مغربی فکر کے پروان چڑھنے اور مستحکم ہونے میں رکاوٹ ہے۔آزادانہ اقدار کا دعویٰ کر کے تمام ، مذہبی ، معاشرتی وسماجی اقدار سے بغاوت کے بعد پوری دنیا میں ایک ہی معاشرت ، ایک ہی کلچر جو مغربی فکر وفلسفہ اور مغربی نظریہ حیات سے ماخوذ ہے نافذ کرنے کی یا کم ازکم اس کیلئے راہ ہموار

کرنے کی جستجو ہورہی ہے۔

دعویٰ تو ہوتا ہے کہ تعلیم ہر طرح کے خارجی اثر سے آزاد ہونی چاہیے۔کیا مغربی طرز زندگی کی تعلیم ایک مستقل خارجی اثر نہیں پاکستان جو کہ ایک نظریاتی ریاست ہے اس میں اسلامی معاشرتی اقدار کے علاوہ کسی اور طرح کی طرز زندگی کی تعلیم دینے کا کیا جواز ہے۔ابتدائی جماعت سے ہی تصاویر کے ذریعے جو زندگی کا نقشہ معصوم ذہن کے سامنے رکھا جاتا ہے۔اس کے مقاصد زندگی ہی مغرب کے آئینہ میں ڈھل جاتے ہیں

نمونہ کے طور پر چند تصاویر پیش کی جاتی ہیں۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو محمد ﷺ کی زندگی کی تعلیم دے رہے ہیں یا مغربی طرز حیات ان کی گھٹی میں بٹھایا جارہا ہے۔پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ جماعت اول تا پنجم تک کی تصاویر کا جائزہ ان کی اہمیت کے پیش نظر لیا گیا ہے۔یہ بات واضح رہے کہ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کی کتابیں آکسفورڈ، کیمرج اور دیگر پرائیویٹ سکولوں میں پڑھائی جانے والی کتب کے مقابلے میں بہت حد تک معتدل ہیں۔

اس کے باوجود لباس،انداز زندگی،حلیہ سے لیکر طرز تعمیر تک ایک خاص معاشرت کی لاشعوری طور پر تعلیم دی جاتی ہے۔

۲۔

۳۔

۴۔

۵۔

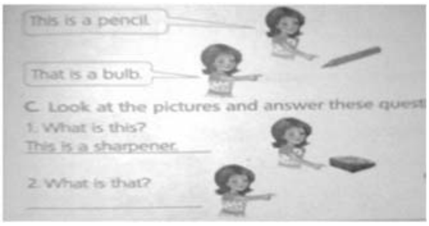

۶۔

۷۔

۸۔

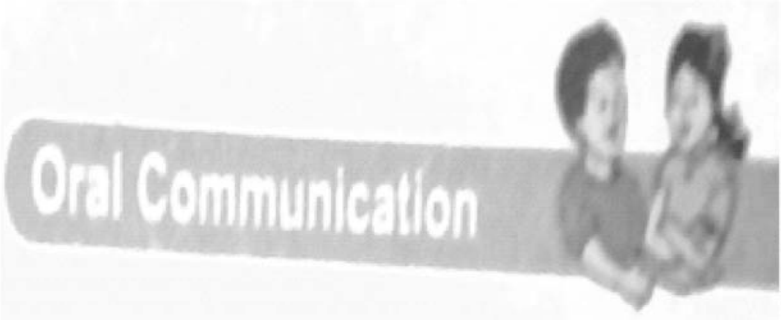

کو۔ایجوکیشن اور مخلوط ماحول کے لئے ابتدائی کلاسوں سے ذہن سازی کی جاتی ہے۔

مکمل نصاب میں جب بھی فیملی کی تصویر دیکھائی گئی ہے ٹیلی وژن ضرور دیکھایا گیا ہے۔گویا کہ اس کے بغیر فیملی نامکمل ہے۔

۹

۱۰

۱۱

پرائمری حصہ میں جس کسی جگہ بھی فیملی کی تصویر دی گئی ہے اس میں ٹیلی وژن ضرور دکھایا گیا ہے گویا اس کے بغیر گھر مکمل نہیں ہوتا۔اگر گھر میں کسی کو نماز پڑھتے دیکھا جاتا تو بچے کے ذہن میں کوئی اور نقشہ ہوتا۔وہ گھر آ کر والدیں سے یہ سوال کرتا کہ امی آپ نماز کب پڑھتی ہو مگر ان تصاویر کا لاشعوری اثر یہ ہوتا ہے کہ بچہ ٹیلی وژن کا سوال کرتا ہے ان دی گئی تصاویر کے اسباق میں ٹیلی وژن کا ذکر تک نہیں ہے جس

سے یہ کہا جائے کہ یہ دکھانا ضروری تھا۔

۱۲

اسلامی معاشرے کی عکاسی نہیں

حواجات علی ھذا الترتیب درج ذیل ہیں

۲۔ (پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، کلاس اول، جنرل نالج، ۲۰۱۵/۲۰۱۴،ص:۱۵

۳۔ پنجاب ٹیکسٹ، بک بورڈ، کلاس دوم: انگلش، ۲۰۱۵/۲۰۱۴،ص:۲

۴۔ پنجاب ٹیکسٹ ، بک بورڈ، کلاس دوم: انگلش، ۲۰۱۵/۲۰۱۴،ص:۶۸

۵۔ پنجاب ٹیکسٹ، بک بورڈ، کلاس : سوم، انگلش، ، ۲۰۱۵/۲۰۱۴،ص:۱۵

۶۔ پنجاب ٹیکسٹ، بک بورڈ، کلاس دوم: انگلش، ۲۰۱۵/۲۰۱۴،ص:۹۴

۷۔ پنجاب ٹیکسٹ، بک بورڈ، کلاس دوم: انگلش، ۲۰۱۵/۲۰۱۴،ص:۶۹

۸۔ پنجاب ٹیکسٹ، بک بورڈ، کلاس دوم: انگلش، ۲۰۱۵/۲۰۱۴،ص:۸۵

۹۔ پنجاب ٹیکسٹ، بک بورڈ، کلاس : سوم، انگلش، ۲۰۱۵/۲۰۱۴،ص:۴۷

۱۰۔ پنجاب ٹیکسٹ، بک بورڈ، کلاس: چہارم، انگلش، ۲۰۱۵/۲۰۱۴،ص:۱۲۰

۱۱۔ پنجاب ٹیکسٹ، بک بورڈ، کلاس: چہارم، انگلش، ۲۰۱۵/۲۰۱۴،ص:۸۲

۱۲۔ پنجاب ٹیکسٹ، بک بورڈ، کلاس: چہارم، سائنس، ۲۰۱۵/۲۰۱۴،ص:۲۵

فصل دوم:

مڈل حصہ کے نصاب کا تنقیدی جائزہ

تنقیدی جائزہ برائے جماعت ششم، ہفتم، ہشتم، طالب علم کی عمر دس سال سے تیرہ سال مضمون عربی۔

عربی زبان وادب کے بارے میں یہ بچے کے لئے ابتدائی کتاب ہے۔ لیکن اس کتاب کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ کتاب کسی ابتدائی طالب علم کے لئے نہیں بلکہ عربی سے اچھی واقفیت رکھنے والے شخص کے لیے لکھی گئی ہےاور عربی زبان و ادب سکھلانے کے لئے ان مہارتوں، اصولی ضوابط، قواعد کا خیال نہیں رکھا گیا جو عام طور پر دیگر غیر مادر زبان مثلاً انگلش وغیرہ کے سکھانے میں خیال رکھا جاتا ہے۔ جس بچے کی بنیاد عربی زبان نہیں ہے وہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد سوائے عربی زبان سے متنفر ہونے کے اس کو کچھ اور حاصل نہ ہوگا۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا عربی کو سیکھنا اور سمجھنا ایک مسلمان کے لئے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ ہمارا سارا مذہبی لٹریچر عربی زبان میں ہے طالب علم کی عربی زبان سے دوری اور اس کے جی چرانے والا رجحان اس کو مذہب سے دور کرنے کا باعث بنتا ہے۔ طالب علم مضمون کے انتخاب میں اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہیں کہ کِس مضمون سے اچھے نمبر حاصل کئے جا سکتے ہیں گو کہ مستقبل میں اس مضمون سے استفادہ حاصل کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ مثلاً فارسی زبان

پاکستان کی نہ قومی زبان ہے نہ دفتری اور نہ ہی مادری لیکن طالب علم B.A کی کلاس میں اختیاری، انتخابی مضامین میں سے فارسی کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ اس مضمون میں نصاب سہل ہوتا ہے اور یونیورسٹیاں نمبر اچھے دے دیتی ہیں۔اس پالیسی کے تحت یہ زبان فارسی کسی نہ کسی شکل میں زندہ ہے حالانکہ اس زبان کی عملی زندگی کی افادیت نہ ہونے کے برابر ہے۔لیکن ایسا کوئی بھی وطیرہ عربی زبان وادب کو پڑھانے کے لئے استعمال ہی نہیں کیا جاتا اور عربی زبان کی جو تعلیم دی جاتی ہے۔اس میں بھی قرآن و سنت کی مہارت کو اجاگر کرنا پیشِ نظر نہیں ہوتا حالانکہ ایک مسلمان کے لئے عربی زبان صرف اس لیے اہم ہے کہ قرآن وحدیث کی زبان عربی ہے۔عربی زبان وادب کو سیکھنے کے دیگر مقاصد وہ بھی ہیں مگر وہ ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔مڈل حصے کی (چھٹی، ساتویں، آٹھویں) جماعت کی عربی کتب اور بچے کی عمر کا موازنہ اس تناظر میں کیا جائے کہ یہ کتب بچے کی ابتدائی عربی کو سکھلانے کے لئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عربی کے قریب کرنے یا سمجھانے کے لئے نہیں بلکہ عربی سے متنفر کرنے کے لئے ہے اس کا عملی مظاہرہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ نویں جماعت کے طالب علم کو جب عربی اور کمپیوٹر کے مضامین میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہوتا ہے۔تو اکثریت کا رجحان کمپیوٹر کی طرف ہوتا ہے۔بہر حال ان کتب کو سمجھنے کے لئے کوئی معمولی صلاحیت پیدا بھی ہو جائے تو قرآنی عربی اور احادیث کے تراجم کرنے کے لئے کوئی خاص ممدومعاون ثابت نہیں ہوتی۔

مڈل حصہ کی عربی:

آٹھویں جماعت کی عربی دو حصوں پر مشتمل ہے حصہ اوّل میں کہانیاں اور نظمیں ہیں دوسرے حصہ میں قرآن مجید کا حصہ داخلِ نصاب ہے۔ جن میں مختلف سورتوں کا ترجمہ شاملِ نصاب ہے۔ ان میں سے سورۂ یوسف کا ترجمہ بھی شاملِ نصاب ہے۔[1] اس وقت کے بچے کی عمر عموماً 13 سال ہوتی ہے اور یہ عمر مراہق کی عمر شمار ہوتی ہے قریب البلوغ۔

ایک باشعور انسان سمجھ سکتا ہے کہ میرا ماحول بچے کی طبعی عمر اور میڈیا میں جس طرح کا ماحول اس کو دکھایا جاتا ہے کہ ہر ایک پروگرام میں عشق و محبت کی داستانیں ہیں۔ ہر فلم و ڈرامے کا بنیادی کردار انہیں حرکتوں پر مبنی ہے۔ اس وقت عموماً عمر 13 سال ہے اور وہ دین کے بنیادی احکام و مسائل سے بھی ناواقف و جاہل ہے۔ ان سب چیزوں کو بالائے طاق رکھ کر سورۂ یوسف کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بلاشبہ قرآن ہدایت و راہنمائی ہے، مگر ایک 13 سالہ بچہ جس پر عصرِ حاضر کے میڈیا کا بھی خاصا اثر ہے۔ اس کے لئے اس سورۃ کی تعلیم مناسب نہیں۔ درسی کتب میں قرآنی تعلیمات کے اعتبار سے یہ سب سے پہلی کتاب ہے جس میں قرآن مجید کا یہ حصہ ترجمہ کے ساتھ نصاب میں شامل ہے اس کی بجائے بچے کو ایمانیات سکھلانے اور قدرتِ الٰہی پر یقین بڑھانے کی آیات اس کی عمر کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہے۔

(پنجاب ٹکسٹ بک بورڈ، کلاس: ہفتم، ہوم اکنامکس، ص: ۷۸)

کمپیوٹر:

بلاشبہ کمپیوٹر کے بارے میں جانکاری آج کی اہم ضرورت ہے اور ترقی کی اس دوڑ میں اپنا لوہا منوانے کے لئے کمپیوٹر بہترین ممدوح و معاون ہے۔ جس کی تدریس میں بھی بلاشبہ کوئی مضائقہ نہیں بلکہ کئی اعتبار سے اس کے بارے میں پڑھنا پڑھانا مستحسن ہے بظاہر تو کمپیوٹر کی تعلیم ایک الیکٹریکل مشین کو چلانا اور سمجھانا ہے۔ اس پر مغربی اثرات کا ہونا یا مشرقی اثرات کا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا لیکن معاشرے کو مغربی افکار کے سانچے میں ڈھالنے کا ادنیٰ سا موقعہ بھی فراموش نہیں کیا جاتا۔ کمپیوٹر کی کتاب میں مقصود تو یہ تھا کہ اس مشین کو چلانے کا علم دیا جائے۔ لیکن بطور مثال اور عملی مشق کہ ایسی چیزیں شامل کی جاتی ہیں کہ جو مسلم روایات کو فروغ دینے کی بجائے مغربی اقدار، ذہنیت اور معاشرے کو فروغ دیتی ہیں۔ آٹھویں جماعت کی کمپیوٹر کی کتاب جب کہ اس وقت بچے کی عموماً عمر 13 سال ہوتی ہے E-mail Attachment کا طریقہ بتاتے ہوئے بطور مثال Love letter کو بھیجنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ دیکھئے آٹھویں جماعت کی کمپیوٹر کی کتاب صفحہ نمبر 28۔

(پنجاب ٹکسٹ بک بورڈ، آٹھویں جماعت، کمپیوٹر، ص:۲۸)

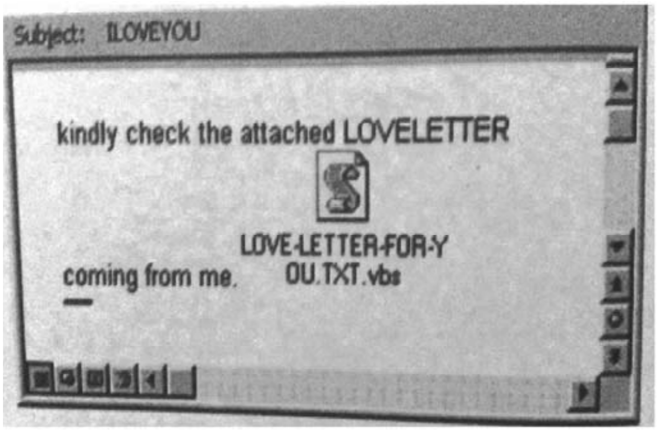

جب جنسِ مخالف کو یہ بات پڑھائی جاتی ہے تو اُستانیاں لڑکوں کو پڑھاتے وقت یا اُستاد لڑکیوں کو پڑھاتے وقت کافی دقت کا سامنا کرتا ہے۔اس مثال کے علاوہ اور لاکھوں مثالیں دی جاسکتی تھیں۔مگر وہ مثالیں نہیں دی گئیں کیونکہ اس سے مغربی افکار و روایات کی عکاسی نہ ہو پاتی۔کمپیوٹر کی کتاب خالص ایک فنی کتاب ہے۔اس میں بھی شکر کوٹ کر زہر دینے سے گریز نہیں کیا جاتا۔

اہل مشرق کو مغرب کے رنگ میں رنگنے کے لیے کسی بھی ممکنہ تدبیر سے ناواقفیت آپ محسوس نہ کریں گے نصاب اور تعلیمی نظام کو دیگر معاملات میں ترقی دینے کی نہ کوئی پلاننگ نظر آئے گی، نہ تدبیر، نہ حکمت، اگر یہ چیزیں کہیں ہیں بھی تو مغربیت کا رنگ دینے کے لئے۔

جغرافیہ:

مڈل حصے میں بچوں کو جغرافیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔جو کہ ایک باشعور دانا اور اپنے زمینی حقائق، زمینی خدوخال سے آگاہی کے لئے ضروری ہے۔قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ

الْمُکَذِّبِیْنَ ☆۱۳

ترجمہ: ’’پس تم چلو پھرزمین میں سو دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا‘‘

آیت کے ترجمہ سے ظاہر ہے کہ وہ زمین کے بارے میں مطالعہ کیوں کرے گا، قوموں کی تباہی کی داستانوں سے کیا سبق حاصل کرے گا۔ جغرافیہ کا پڑھنا پڑھانا ایک مستحسن عمل ہے مگر اس کو اسلامی تناظر میں پڑھنا چاہیے تاکہ زمین اور اس کی حالتوں کو پڑھتے وقت زمین بنانے والے کی رِفعت شان کا بھی اندازہ ہو۔ زمین و آسمان کے بارے میں قرآن بھی کئی طرح کے انکشافات کرتا ہے۔ جب ان حقائق کے بارے میں پڑھایا جائے تو قرآنی انکشافات بھی بتلائے جائیں تاکہ بچے کا ذہن قرآن وسنت کی تعلیم پر پختہ ہو جائے۔ مثلاً ستاروں اور نظامِ شمسی کا تعارف کرواتے وقت کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ☆ کہ ہر ایک اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔ بڑے بڑے عظیم الجسہ ستاروں کے بارے میں بتلاتے وقت ان پر جس کا حکم چلتا ہے جو اِن کو متحرک رکھتا ہے اس کا بھی وجود سمجھ میں آنا چاہیے۔

یہی بات خوب سمجھ لینی چاہیے کہ علم ایک روشنی ہے جو کسی نہ کسی زاویہ پر سفر کرتی ہے۔ جس کے تناظر میں علم بھی سفر کرے گا۔ اس سفر کے نتیجے میں جو بھی انکشافات ہوں گے۔ بہرصورت اس کے صحیح اور مسلم ہونے کا یقین پختہ ہوتا چلا جاتا ہے اس لئے تمام علوم عقلیہ بھی اسلامی تناظر سے پڑھنا ہوں گے۔ کسی علم کو جب کسی خاص تناظر میں نہ پڑھا جائے تو وہ عقلِ انسانی کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔ عقل حقیقت کے بارے میں ادراک قائم کرتی ہے وہ اس رائے سے زیادہ عالم نہیں ہو سکتی جو وحی سے حاصل ہو گو کہ اِن مضامین کا تعلق خالصتاً عقل اور مشاہدے پر ہے۔ ان

علوم کے شروع میں چند لائنوں میں تمہید باندھ لی جائے تاکہ بچہ پڑھے تو زمین کے خدوخال ہواؤں اور پہاڑوں کے حالات کہ اس کے ذہن میں قدرت اور غلبہ الٰہی کی تصویر خود بخود نقش ہو جائے۔ جب قرآن میں اللہ اپنی ذات سمجھانے کے لئے ان حقائق الارض کو بیان کرتے ہیں تو ہم جغرافیہ پڑھتے وقت اسلامی تناظر کے علاوہ کسی دوسرے تناظر میں ہرگز نہ پڑھائیں۔

عصرِ حاضر میں اس بات کی نفی کی جاتی ہے کہ اسلامی تناظر یا کسی دوسرے مذہبی تناظر میں چیزوں کو نہ دیکھا جائے بلکہ آزاد خیالی کے ساتھ ان تناظر سے باہر نکل کر چیزوں کا مطالعہ کیا جائے۔ لبرل اور سیکولر طبقہ اسی بات پر یقین رکھتا ہے۔ حالانکہ کوئی بھی علم بغیر تناظر کے نہیں ہوگا۔ اس کو مذہب کا رنگ نہ آنے دے گا تو اس پر لا مذہبیت کا رنگ چڑھے گا۔ دنیا میں آیا ہُوا انسان کوئی نہ کوئی عقیدہ ضرور رکھتا ہے چاہے وہ ملحد یا دھریہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس اصول کو ایک مثال سے ہم سمجھتے ہیں۔ کمرے میں موجود شخص تمام اشیا کو برابر کی حیثیت نہیں دیتا۔ اس کی نظر میں کچھ چیزیں اہم کچھ بہت اہم اور کچھ چیزیں غیر اہم ہوتی ہیں اور کچھ کے بارے میں تو یہ شخص بالکل غیر ضروری ہونے کا خیال رکھتا ہے۔ بالکل اسی طرح کائنات میں آیا ہُوا ہر شخص اس کائنا ت کی ایک ترتیب ذہن میں رکھے ہوئے ہے۔ کچھ چیزوں کو اہم کچھ کو بہت ہی زیادہ اہم اور کچھ کو غیر ضروری خیال کرتا ہے۔ اسی ترتیب ذہنی کو عقیدہ کہا جاتا ہے کہ کائنات کی اہم ترین ہستی کیا ہے؟ کوئی اس کو اللہ کہتا ہے تو کسی کے نزدیک وہ ہستی بھگوان ہے اور کوئی اپنے اپنے دیوتاؤں کو اس کائنات کی اہم ترین حقیقت کے طور پر تسلیم کرتا ہے ۔عصرِ حاضر میں سیکولر اور لبرل ذہنیت کے حامل افراد کے نزدیک اس کائنات کی اہم

ترین ہستی خود انسان ہے۔ لہٰذا علم ایسی چیز کو تسلیم کیا جائے جو انسانی ذہن کی کاوشوں کے نتیجے میں حاصل ہو یا جس پر انسان کا تجربہ ہو سکتا ہو۔

یعنی سائنٹیفک میتھڈ کے ذریعہ حاصل شدہ معلومات تو اصل علم ہے۔ اس کے علاوہ حاصل شدہ معلومات علم کہلانے کے قابل نہیں ہے۔ کائنات کی اہم ترین حقیقت کیا ہے، اللہ، بھگوان، دیوتا یا خود انسان۔ جن گروہوں کے نزدیک اہم ترین حقیقت انسان کے علاوہ کوئی اور ہے تو وہ اس بات پر مصر ہیں کہ انسان کو اسی اعلیٰ حقیقت کے اثبات کے تناظر کو سامنے رکھ کر تعلیم کا مرحلہ تشکیل دیا جائے گا اور جو گروہ انسان سے ماورا کسی اور ہستی کو تسلیم نہیں کرتے وہ اس بات پر مصر ہیں کہ علم کی تحصیل کسی قسم کے خارجی تناظر میں نہ کی جائے گی بلکہ انسان اور تمام تناظرات سے آزاد ہو کر محض عقل وشعور کی بنیاد پر علم حاصل کرے۔ انسان جب ان تمام تناظرات سے آزاد ہوتا ہے تو لامحالہ اس زاویہ تناظر سے علم حاصل کرے گا وہ خود انسان ہی ہوگا جو عقل و تجربہ سے چیزوں کے ادراک پر یقین رکھے گا۔ اس لئے یہ دعویٰ کرنا کہ کسی بھی تناظر کے بغیر غیر جانب دارانہ ہو کر تحقیق کرے ایک محال چیز کا دعویٰ ہے۔ تحقیق میں ایمانیات وعقائد کا دخل ضرور ہوتا ہے۔ عصرِ حاضر میں مغربی فکر جن ایمانیات کی قائل ہے وہ یہی ہے کہ کسی چیز پر ایمان نہ ہو علم، انسان عقل وحواس کے ذریعہ حاصل شدہ معلومات کو علم تسلیم کیا کرے اور یہ خود ایک مستقل تناظر ہے۔

لہٰذا جب کسی مضمون کو اسلامی تناظر کے بغیر تعلیم دیا جائے گا تو وہ کسی بھی خاص تناظر میں نہ ہونے کی وجہ سے مغربی تناظر میں پڑھایا جائے گا کیونکہ مغربی فکر کا نعرہ بھی یہ ہے کہ کسی بھی خاص ایمانیات کے تناظر میں تعلیم نہ دی جائے خاص

ایمانیات کا قائل نہ ہونا ایک مستقل تناظر و عقیدہ ہے

تاریخ:

بلا شبہ انسان گزشتہ افراد کے حالات کا اندازہ تاریخ سے لگاتا ہے تا کہ وہ غلطیاں نہ دہرائے جس کی وجہ سے پہلے لوگوں کو ہزیمت اُٹھانا پڑی۔ اس لئے تاریخ کا پڑھنا ایک مستحسن لیکن گزشتہ افراد کے اور تہذیبوں کا مطالعہ برائے مطالعہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ فلاں نے کیا کیا۔ فلاں تہذیب پر کیا حال گزرا۔ فلاں تہذیب کے بھی کھنڈرات ملتے ہیں۔

قرآن مجید میں گزشتہ قوموں کا ذکر موجود ہے۔ ان کا ذکر کرنے سے ابنِ آدم کو آج صرف قصے سنانا یا دِل بہلانا مقصود نہ تھا۔ بلکہ ان لوگوں کی قوت اور ان کی عالی شان طرزِ زندگی جو کھنڈرات میں بدلی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ زوال کو بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ایک لمحہ بھی انسان نے محض قصہ آرائیوں میں نہیں چھوڑا۔ بلکہ گزشتہ افراد اور تہذیبوں سے عبرت حاصل کرنے پر زور دیا جاتا ہے تا کہ دوبارہ سے انسان وہ غلطیاں نہ دوہرائے۔ اگر تاریخ کو اِس زاویے سے نہ پڑھا جائے تو تاریخ پڑھنے کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ پاکستان کے مڈل حصے کے نصاب میں کتبِ تاریخ شامل ہیں مگر قرآنی درس سے خالی ہیں۔ دس سے تیرہ سال کی عمر میں بچہ پختہ ذہن کا مالک نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے کسی تہذیب کے بیان کرنے سے پہلے ابتدائی چند سطور میں دنیا کی بے ثباتی اور فنا ہونے کا یقین بخوبی ذہن نشین کیا جاسکتا ہے۔

جماعت ششم کے پہلے دو ابواب میں گزشتہ تہذیبوں کا ذکر ہے لیکن یہ تاریخ

برائے تاریخ کے طور پر بیان کی گئی ہے اور یہ ابواب اس بات سے بالکل خالی ہیں کہ بچے کی ذہن سازی کی جائے اس وقت کی عالی شان تہذیب اگر کھنڈرات میں تبدیل ہوسکتی ہے تو نافرمانی کے باعث ہم پر بھی کوئی ایسی آفت آسکتی ہے۔

تاریخ برائے جماعت ششم:

پہلا باب برطانوی حکومت کے استحکام کا قائم کیا گیا ہے۔ جس میں برطانوی حکومت کی مکمل تصویر کشی کی بجائے صرف اُن کے فلاحی اور رفاہی کاموں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اُن کی تعلیمی پالیسیوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔ حالانکہ اگر مکمل حقیقت واضح کی جائے تو معلوم ہوگا انگریزوں کی برصغیر میں لوٹ مار کہیں زیادہ ہے۔ ان کے رفاہی اور فلاحی کاموں سے اور تعلیمی حوالے سے برطانیہ نے جو ظلم برصغیر پر کیا اس کی نظیر ملنا مشکل ہے کہ مسلمانوں کے اقتدار میں مسلمانوں کا لٹریسی ریٹ 96% سے بھی زیادہ تھا لیکن پاکستان کی آزادی کے وقت مسلمانوں کا لٹریسی ریٹ 4% تھا۔ پہلے باب میں نامکمل تصویر کشی سے قذاق امین ومحافظ نظر آرہے ہیں۔

باب نمبر دوم میں سرسید احمد خان اور تحریک علی گڑھ پر قائم کیا گیا ہے۔ جس میں سرسید احمد خان کی خدمات، اُن کا سیاسی نظریہ اور تعلیمی حوالے سے کارنامے بتائے گئے ہیں۔ بلاشبہ تحریک علی گڑھ کے تعلیم پر نمایاں اثرات ہیں۔ لیکن انصاف کی بات یہ ہوتی کہ جس طرح اس تحریک کے کچھ فوائد تھے اس طرح کئی نقصانات بھی ہیں۔ ان دونوں کو سامنے رکھا جائے تو کسی صحیح نظام کی طرف پیش قدمی ممکن ہے۔ لیکن نصابی کتب میں صرف تصویر کا ایک رُخ ہی دکھایا جاتا ہے۔ جیسا کہ جماعت ششم کی کتاب سے ظاہر ہے۔

مطالعہ پاکستان:

اس ملکِ عزیز کے نقشے کی لکیریں اُمتِ مسلمہ کے خون سے کھینچی گئیں۔ پاکستان کی تعمیر میں اسلامی جذبہ کس حد تک کارفرما تھا اور اس ملکِ عزیز کے وجود کا نمایاں ہدف کیا تھا اور اس میں اسلامی نظامِ حیات کے احیائ میں کیا کیا رکاوٹیں حائل تھیں اس کے بغیر اس مضمون کی تدریس کے مقاصد پورے نہیں ہو سکتے۔

مطالعہ پاکستان کے مضمون میں صرف وزرائے اعظم کے حالات و ملکی پالیسی اور خارجی تعلقات یا معاشی معاملات پر بات کر لینا اس مضمون کی تدریس کے اہداف تک رسائی نہیں کر سکتا۔ جب تک ہم اس مضمون کے ذریعے اس ملک کا سبب وجود بالکل واضح طور پر بچوں کے ذہن میں نقش نہیں کر دیتے کہ یہ اسلام کے قلعے کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا اور اس کے حصول میں کیا کیا تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور ہم ابھی تک اسلام کے عملاً نافذ کرنے میں ناکام کیوں ہیں، مجبوریاں کیا درپیش ہیں۔ ان سب چیزوں کا ادراک اور اپنے بڑوں کی قربانیوں پر نظر ایک جستجو اور فکر کو جنم دیتی ہے جو فکر اور جستجو ملک کو فلاحی ریاست بنانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ لیکن نصاب میں شامل مطالعہ پاکستان ان حقائق کو بیان کرنے کی بجائے محض چودہ نکات سے آگے نہ بڑھ سکا۔

صوبہ سندھ کا نصاب:

پنجاب اور خیبر پختون خواہ کی حکومت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صوبہ

سندھ کی حکومت نے بھی نصاب تعلیم میں کچھ ایسی تبدیلیاں کیں ہیں جو سیکولر ذہنیت کو فروغ دے رہی ہیں۔ اس نصاب کی تیاری کے لیے پاکستان کے ماہرین تعلیم کا انتخاب نہیں کیا گیا بلکہ یو۔ایس۔ایڈ کی طرف سے متعین کردہ آسٹریلوی نژاد خاتون ٹیچر ٹریز سے اول ہشتم تک کا نصاب تیار کروایا اور پروفیسر برٹاڈیٹ لوئیس ڈین جو (Bernadetted Louise) دی۔ ایم انسٹیٹیوٹ فار ایجوکیشن کے ڈائریکٹر ہیں۔ وہ پاکستان میں تبدیلی نصاب کی انچارج ہیں نصاب تعلیم کے بارے میں ان کی رائے بالکل واضح ہے وہ کہتی ہیں کہ پاکستان کا نصاب تعلیم خاص طور پر، اسلامیات، مطالعہ پاکستان اور اردو کو معاشرتی علوم میں ردوبدل کرنے سے ہی تشدد کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے ایمانی حمیت کے خاتمہ کے لیے تشدد پسندی کا لفظ استعمال کیا جا رہا ہے۔ چہارم کی جماعت سے نبی مہربان اور خلفائے راشدین کے ابواب کا خاتمہ اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ کلاس دوم کی اردو کی کتاب ''صفحہ نمبر 164'' پر دین موسوی کی دس تعلیمات کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ خاوند اور بیوی کا کیا تعلق ہے اور بیوی کے علاوہ کسی اور سے جنسی تعلق استوار نہ کیے جائیں۔ کلاس دوم کی کتاب میں مرد کو اپنی بیٹی سے گلے ملتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

کلاس سوم میں بچیوں کو یہ بتلایا گیا ہے کہ انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں (انسان ایک معاشرتی حیوان ہے) حالانکہ اسلام انسان کی حیثیت کو عبد خدا کا مقرب ترین مخلوق کے طور پر واضح کرتا ہے۔ کلاس چہارم کے بچوں کو بتلایا جا رہا ہے کہ آبادی میں اضافہ کی وجہ کم عمری میں شادی اور زیادہ بچوں کی خواہش ہے۔ یہ تعلیم اسلام کی صریح تعلیمات کے متصادم ہیں اور اسلامی کلچر کی بجائے مغربی اقدار کو ذہن نشین

کروایا جا رہا ہے ۔ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کا مطالعہ کرنا لازمی ہے ۔ نبی مہربان اور خلفائے راشدین کی جگہ ملالہ اور قابل مسیح ہے متنازع افراد کی شخصیت کو شامل نصاب کیا۔ اسلامی شخصیات میں سے بھی نصاب تعلیم میں ان افراد کو بطور نمونہ اور آئیڈیل پیش کیا جاتا ہے جو مغرب زدہ ذہنیت کے حامل ہیں اس طرح کی صورتحال تقریباً تمام صوبوں میں ہے ۔ بارھویں کلاس کی انگلش کی کتاب میں آخری پانچ سبق، ہیروز کے ہیں ۔کمال اتاترک کو مسلمانوں کے ہیرو کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جبکہ اس نے امت کی جڑئیں کاٹیں ۔ جسے اقبال بھی مردناداں سے خطاب کرتا ہے جس نے مسلمانوں کی اجتماعیت، خلافت کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیا۔ اس کو بطور محسن اور ہیرو کے پیش کیا جاتا رہا ہے ۔صوبہ سندھ میں ہی کلاس چہارم کی کتاب ''ذرائع ابلاغ'' پر پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کی بجائے سوشل نیٹ ورکنگ کے بارے میں کھل کر بتلایا جاتا ہے ۔ یہ نصاب ترجیحی بنیادوں پر تیار کیا گیا ہے اور اندرون سندھ دیہاتی علاقوں کے تعلیمی اداروں میں پڑھایا جارہا ہے اور شہری علاقوں کے بھی مخصوص تعلیمی اداروں میں بھی اس نصاب کی ہی تعلیم دی جارہی ہے ۔

آزمائشی نصاب کے نام پر پاکستان کے قومی وملی تشخص کو بری طرح مجروح کیا جارہا ہے سندھ حکومت بھی دوسرے صوبوں کی طرح غیر ملکی طاقتوں کے اثرات سے نصاب تعلیم کو محفوظ رکھنے میں ناکام ہورہی ہے غیر ملکی افراد کو دیکھ کر نظریاتی ریاست کے لیے تشکیل وتبدیل نصاب کی سپردگی نسل نوع کے ساتھ ظلم ہے ۔

حوالہ جات

۱۔ ایس ایم شاہدہ، ایجوکیشن ان پاکستان، مجید بک ڈپو، فیصل آباد ،ص:82

۲۔ پنجاب ٹکسٹ ، بک بورڈ، کلاس اول: جرنل نالج ،ص:15

۳۔ پنجاب ٹکسٹ ، بک بورڈ، کلاس دوم: انگلش، ص:2

۴۔ پنجاب ٹکسٹ ، بک بورڈ، کلاس دوم: انگلش، ص:68

۵۔ پنجاب ٹکسٹ ، بک بورڈ، کلاس : سوم، انگلش، ص:15

۶۔ پنجاب ٹکسٹ ، بک بورڈ، کلاس دوم: انگلش، ص:94

۷۔ پنجاب ٹکسٹ ، بک بورڈ، کلاس دوم: انگلش، ص:69

۸۔ پنجاب ٹکسٹ ، بک بورڈ، کلاس دوم: انگلش، ص:85

۹۔ پنجاب ٹکسٹ ، بک بورڈ، کلاس : سوم، انگلش، ص:47

۱۰۔ پنجاب ٹکسٹ ، بک بورڈ، کلاس: چہارم، انگلش، ص:120

۱۱۔ پنجاب ٹکسٹ ، بک بورڈ، کلاس: چہارم، انگلش، ص:82

۱۲۔ پنجاب ٹکسٹ ، بک بورڈ، کلاس: چہارم، سائنس، ص:25

۱۳۔ سورۃ الانعام (٦) آیت نمبر ١١)

باب چہارم

نصابی مضامین پر مغربی فکر کے اثرات

فصل اوّل:

نصابی مضامین پر مغربی فکر کے اثرات

سوشل سائنسز (Social sciences)

معلّم تو درحقیقت نصاب کا ترجمان ہوتا ہے۔ اس لئے کسی بھی طرح نصاب کو اور اس میں منتخب کیئے گئے مضامین کو غیر اہم اور طالب علم کی عملی زندگی میں غیر مؤثر خیال نہیں کیا جاسکتا اور اس شبہ کا ازالہ ہونا ضروری ہے کہ اسلام صرف قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کرنے کی طرف دعوت دیتا ہے۔ دیگر علومِ عقلیہ سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک مکمل نظامِ حیات ہے اس میں ہر فن کی حیثیت کی وضاحت اور اور صحیح سمت کا تعین کیا گیا ہے:

ارشاد باری تعالیٰ:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ☆

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ☆

ترجمہ: ''پڑھ اپنے رب کے نام
سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا
انسان کو جمی ہوئی مٹی سے''[1]

سوال یہ ہے کہ ان آیاتِ مبارکہ میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگرچہ اس امر کی وضاحت نہیں ہے کہ کیا پڑھا جائے مفعول محذوف ہے اور قرآن مجید کا انداز یہ ہے کہ جب اشیأ متعددہ کے بارے میں حکم ہو اس کی تفصیل کثیر ہو تو اس کو محذوف کر دیا جاتا ہے تو معلوم ہُوا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ☆ پڑھ رب کے نام کے ساتھ۔ کیا پڑھ؟ سب کچھ پڑھ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کے بارے میں پڑھ مگر یہ علوم باسم رب کے ساتھ ہوں کہ ان کو صحیح تناظر میں پڑھ۔ ہر تحقیق کے انکشاف کے وقت اعتماد واعتقاد، توحید ورسالت پر مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جائے گا۔ کیونکہ علم وہ روشنی ہے جو کسی نہ کسی زاویے میں سفر کرتی ہے۔ وہ زاویہ، تناظر اسلامی ہونا چاہیے۔ تب ہر علم ایک اعلیٰ حقیقت یعنی حقیقۃ والحقائق ذاتِ باری تعالیٰ کے وجود تک پہنچائے گی اور یہی بات علم کا مقصد ہے۔

لہٰذا کوئی فن یا علم ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اسلام تو ہمارے لیے کسوٹی ہے جس سے ہر چیز کو ناپا جائے گا۔ اس کی حیثیت کیا ہے وہ علمِ عالی ہے، ادنیٰ ہے، جائز ہے یا اس کا حصول ناجائز وحرام ہے، اس کا تعین اسلام کرے گا۔

نصاب کے لغوی معنی

''نصاب کے لغوی معنی راستے کے ہیں۔ کریکولم یعنی
نصاب کا لفظ لاطینی زبان کے لفظ کوریئر (Courier) سے بنا ہے۔
جس کے معنی ایسا ہموار راستہ جس پر کوئی فرد دوڑ کر اپنی منزلِ مقصود پر

پہنچتا ہے۔ باالفاظِ دیگر نصاب کے ذریعے سے اپنا مقصد حاصل کرنا ہے‘‘ ۲؎

بقول کنن گھم:

" It is a runway' a courre to which one runs to reach a goal"

۳؎

نصاب کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاحی معنی ومفہوم کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ نصاب کیا ہے عملِ تدریس میں نصاب کی یہ اصطلاح اس مقررہ تدریسی مواد کیلئے ہے مستعمل ہے جس میں مختلف مضامین اور دیگر سرگرمیاں شامل ہوتی ہیں۔ جن کی تکمیل ایک مقررہ وقت پر ہوتی ہے متعدد ماہرین نصاب کو کورسز کا مقررہ پروگرام بھی کہتے ہیں یعنی:

"Curriculum is fixed programme of course"

نصاب کو مقاصدِ تعلیم کے حصول کا تفصیلی پروگرام بھی کہتے ہیں جس میں وہ جملہ سرگرمیاں جو تعلیمی ادارے کی منصوبہ بندی اور نگرانی میں انجام پاتی ہیں اور اسی پروگرام کے عمل کے دوران حاصل کردہ سابقہ تجربات کی روشنی میں مقاصدِ تعلیم کو باآسانی حاصل کرسکتے ہیں۔

نصاب کے لغوی مفہوم اور اصطلاحی معنی ومطلب کی روشنی میں نصاب کی

تعریف یوں بیان کر سکتے ہیں کہ:

''ایسے تجربات جو تعلیمی ادارہ مقصد کے حصول کے لئے بروئے کار لاتا ہے نصاب کہلاتا ہے''

پاکستان کے نظامِ تعلیم اور اس کے نصابی کتب میں اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ ان کو پڑھ کر طالب علم میں بحیثیت مجموعی ایک مسلمان ذہنیت اور اسلامی طرزِ زندگی پر عمل پیرا ہونے والی معتدل شخصیت پیدا ہو۔ مثال کے ساتھ ہم یوں سمجھ سکتے ہیں کہ کائنات کے تمام چھوٹے بڑے حقائق خواہ وہ اپنی ذات میں کتنے ہی غیر مختلف فہم کیوں نہ ہوں اپنے ادراک کرنے والے ذہن کے اعتبار سے مختلف نتائج و ثمرات پیدا کرتے ہیں ایک ذہن کا آدمی کسی حقیقت کا ادراک کر کے ایک نتیجے پر پہنچتا ہے اور دوسرے ذہن کا انسان اسی حقیقت کو سمجھ کر کوئی دوسرا نتیجہ نکال لیتا ہے مثلاً سورج کا وجود اور انسانیت کے لئے اس کا نفع بخش ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن ایک ستارہ پرست شخص نے اس حقیقت سے یہ نتیجہ نکالا کہ اتنی فائدہ مند چیز کہ جس پر زندگی کا دارومدار ہے یقیناً عبادت کے لائق ہے لہٰذا اس کی پرستش شروع کر دی۔ دوسرا شخص جو مادہ پرست تھا اسی حقیقت سے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ درحقیقت یہ ارتقائے کائنات کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جو خود بخود وجود میں آ گئی ہے۔ تیسرے شخص نے جو توحید کا قائل تھا یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ اتنا عظیم الشان جسم جو پوری دنیا کو اپنی روشنی اور حرارت سے ایک لگے بندھے نظام کے ساتھ فائدہ پہنچاتا ہے یقیناً خود بخود وجود میں نہیں آ گیا بلکہ کسی نے اس کو پیدا کیا ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔

مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کی کتاب کا اقتباس پیشِ نظر ہے جس سے پاکستان میں نظامِ تعلیم کے اسلامی نظریات یا معتبر اسلامی نظریات پر استوار ہونا واضح ہوگا۔

''ان علوم کو پڑھنے والوں کا ذہن لازماً تدوین کرنے والوں کی ذہنیت اور طرزِ فکر کو بحیثیت مجموعی اخذ کرتا ہے۔ مغرب کے مادہ پرست نظامِ فکر نے انہیں خالص مادی فکر کے ساتھ مرتب کیا ہے جو ان علوم میں سرایت کئے ہوئے ہیں اور شعوری یا غیر شعوری طور پر ان سے مادہ پرستانہ نتائج ہی نکال کر سامنے لاتی ہے۔ ہماری زبردست غلطی یہ رہی ہے کہ ہم نے ان علوم کے صرف متن کو نہیں اپنایا بلکہ ان حواشی اور تشریحات کو بھی جوں کا توں اپنے نظامِ تعلیم میں رکھ لیا جو جو مادہ پرست ذہنیت نے اِن علوم میں گھلا ملا دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان طالب علم درسگاہ میں پہنچ کر جس فکر سے آشنا ہوتا ہے اور اپنے گرد وپیش کی دنیا میں جس کا چلن دیکھتا ہے وہ اُس کے عقائد کے نظام سے بالکل متضاد ہوتی ہے اور اس کے علم و عقیدے کے درمیان ایک کشمکش برپا کر دیتی ہے۔ علم اور عقیدے کی اس کشمکش کا نتیجہ یا تو یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے سنجیدہ مسائل پر سوچنا ہی چھوڑ دیتا ہے اور ساری توجہات کا مرکز روٹی اور پیٹ کو بنا کر علم اور عقیدہ دونوں سے عملاً کنارہ کش ہو جاتا ہے (اور موجودہ دور میں اکثریت ایسے ہی طلبا کی ہے یا پھر وہ اپنے علم کو عقیدے پر

فوقیت دے کر عقائد کو محض ایک ڈھکوسلا سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور دین و مذہب کے بارے میں تشکیک کا شکار ہو جاتا ہے یا وہ یہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ دین کے عقائد و احکام خواہ کتنے ہی برحق ہوں مگر موجودہ دور میں قابلِ عمل نہیں۔ ''۵

درحقیقت علم کا اصل وظیفہ مقاصدِ حیات کی توضیح ہے اور لوازمِ حیات (مادہ اور اس کی مختلف حالتوں کا مطالعہ تاکہ زندگی آسائش و سہولت کے ساتھ بسر ہو) کی تحقیق اس کی ثانوی حیثیت ہے۔ اس وظیفہ کی تکمیل اور حصول تب ہی ممکن ہے جب علم دین کے تابع ہو۔ اگر علم دین کے راہنما اصولوں کی روشنی میں نہ ہو بلکہ آزاد ہو تو بقول علامہ اقبال کے وہ علم نہیں محض شیطانیت ہے

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ
اولاد بھی املاک بھی جاگیر بھی فتنہ
ناحق اُٹھے تو شمشیر بھی فتنہ
شمشیر کیا نعرۂ تکبیر بھی فتنہ ۶

آج کل دُنیا میں جو غالب نظامِ تعلیم چل رہا ہے جو چند تبدیلیوں کے ساتھ تقریباً اکثر دُنیا میں احداف و مقاصد کے اعتبار سے ایک ہی نظامِ تعلیم دُنیا میں رائج ہے۔ جس میں آزاد خیالی پر زور دیا جاتا ہے اور کسی بھی مذہبی تناظر میں نہ ہونے کو فخر کی چیز سمجھا جاتا ہے۔ اس صورتِ حال پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد عازی لکھتے ہیں:

''جو تعلیم تہذیبی اقدار اور معیاراتِ خیر اور
شر کے باب میں غیر جانب دار ہو، وہ دراصل غیر جانب دار نہیں
بد تہذیبی اور شر کے حق میں جانب دار ہے''۔

لہٰذا تعلیم کا اسلامی تناظر میں ہونا انتہائی ضروری ہے کسی بھی تناظر کے نہ ہونے کا دعویٰ ایک مستقل تناظر ہے۔ موجودہ نظامِ تعلیم کے تشکیل کے مقاصد ہی اسلامی نظامِ تعلیم سے یکسر مختلف ہیں جب مقاصد میں اختلاف ہو تو اس کے ظاہری خدوخال بھی مختلف ہوں گے اور نتائج بھی برابر نہیں نکل سکتے۔

موجودہ نظامِ تعلیم کا بانی لارڈ میکالے تھا۔ اس نے اپنی تاریخی یادداشت 1853ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل کو پیش کی اس میں اس نظام کے مقاصد مکمل صفائی کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا مشن یہ تھا کہ ہندوستانی باشندوں کو بالخصوص مسلمانوں کو اپنی تہذیب واقدار سے دور کر کے تقلیدِ مغرب قبول کرنے کے لئے ذہناً تیار کیا جائے۔ مفتی تقی عثمانی مزید لکھتے ہیں کہ:

''اس نظامِ تعلیم کا سب سے بڑا مشن یہ تھا
کہ ہندوستان کے باشندوں کو بالخصوص مسلمانوں کو اپنے
سارے تہذیبی ورثے کے بارے میں شدید احساسِ کمتری کا شکا
ر بنا کر ان کے دلوں میں مغرب کی ہمہ گیر بالادستی کا سکہ بٹھا دیا جا
ئے اور نئی نسل کو ہر ممکن طریقے سے یہ یقین کر لینے پر مجبور کر دیا
جائے کہ اگر دُنیا میں ترقی یا سربلندی (چاہیے) ہو تو اپنی فکر اپنے
فلسفے اپنی تہذیب اپنی معاشرت اور اپنے سارے ماضی پر ایک

حقارت بھری نظر ڈال کر مغرب کے پیچھے پیچھے چلے آؤ اور اپنی
زندگی کا ہر راستہ اس کے نقشِ قدم میں تلاش کرو'' ۸؎

نصابی مضامین میں ایک درجہ بندی اور اہمیت کے لحاظ سے اسلام کا مقام محتاجِ بیاں نہیں گو کہ اسلامیات کو ہر درجہ میں لازم کرنے کی کوشش نے اس کی اہمیت کسی درجہ باقی رکھی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظامِ تعلیم میں ہر علم خواہ عقلی ہو یا نقلی وہ توحید و رسالت اور آخرت کے یقین کو محکم بناتا ہے۔ ایک فرد کو اسلامی تشخص میں ڈھال کر ذہنی نشو و نما کرتا ہے مگر موجودہ نظام کو رائج کرنے والے کے مقاصد مسلمانوں کے مقاصدِ تعلیم سے مختلف تھے اور جس قسم کی نسل وہ تیار کرنا چاہتے تھے اس کے لئے ایک مکمل تعلیمی نظام بنایا گیا تا کہ ذہن کو اس سانچے میں ڈھالا جائے۔

پاکستان کے قیام کے بعد اس طرزِ عمل کا کیا جواز ہے کہ سارا تعلیمی نظام از اوّل تا آخر انہی نظریات و افکار کیساتھ نافذ کر دیا جائے جو میکالے نے سرکاری ملازمتوں کے حصول یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ ذہنی غلام پیدا کرنے کے لئے بنایا تھا۔

اس میں ایک مذہبی تعلیم کا چھوٹا سا پرزہ فٹ کر کے یہ خواہش کرتے ہیں کہ پورے نظام زندگی میں اسلام کا رنگ بھر دے۔ ایک آزاد نسل پیدا ہو جو نوکری کی بجائے دُنیا کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے۔ جب یہ خاص شکل وصورت کا حامل چھوٹا سا پرزہ اس بڑے سسٹم میں مکمل فٹ نہیں آتا تو اس کو تراش خراش کر ایسا بنانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ سسٹم چلنے میں رکاوٹ پیدا نہ کرے۔ مفتی تقی عثمانی مساواتی بورڈ اور ایجوکیشن کمیشن پر تبصرا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''سارے کمیشنز اور سارے مشاوراتی بورڈ

اس سوچ میں توانائی صرف کررہے ہیں کہ کس طرح تراشا جائے کہ یہ پرزہ نظام میں ٹھیک جڑ جائے۔ حالانکہ جس مقصد کے لیے یہ موجودہ نظامِ تعلیم بنایا گیا تھا اگر آپ نسل کو اس رُخ پر نہیں لانا چاہتے تو اس کے لئے چند اجزا کو شامل کرنے کی بجائے مکمل نظام کو از سرِ نو تشکیل دینا ہوگا جو ہمیں مطلوبہ مقاصد اسلامی نظریہ حیات تک پہنچائے جس کے لئے پاکستان کا قیام ہُوا تھا۔"9

اس تراش خراش کا عملی مظاہرہ اسلامیات کے نصاب میں دیکھا جاسکتا ہے کہ مذہب کی حیثیت صرف ایک اخلاقی نظام کے یا پھر مذہبی رسومات کے سوا کچھ نہیں، اجتماعی نظام، معاشرت، تصورِ معشیت یا تصورِ سیاست میں مذہب کو راہنما کے طور پر پیش نہیں کیا جاتا

سوشل سائنسز Social Science:

سوشل سائنسز سے مراد وہ مضامین ہیں جس میں سماجی، معاشرتی، نفسیاتی جغرافیائی، تاریخی یا سیاسی پہلوؤں پر مطالعہ سے متعلق تعلیمی مواد فراہم کیا جائے۔ انسان کے باہمی روابط و عادات سے بحث کرنا سوشل سائنسز کہلاتا ہے۔اس لحاظ سے مندرجہ ذیل مضامین سوشل سائنسز میں شامل ہیں:

☆ معاشیات

☆ سیاسیات

☆ قانون

☆ زبانِ ادب

☆ تاریخ

ان مضامین کی تدریس میں اس بات کا خاص اہتمام نظر آتا ہے کہ ان مضامین کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ تو انسانوں کے مل جل کر زندگی گزارنے کے اصول وضوابط پر مرتب ایک فن ہے۔ موجودہ نظامِ تعلیم میں انسانوں کا اجتماعی نظامِ زندگی کیسا ہو؟ کیا ہو؟ یہ بات تو انسان طے کریں گے۔ مذہب کی حیثیت ایک (پرائیویٹ میٹر) انفرادی مسئلہ ہے۔ اجتماعیت میں اس کی دخل اندازی بھی ہے۔ اس کو ذکر نہیں کیا جاتا اور طالب علم کے یہ بات ذہن نشین ہوتی چلی جاتی ہے کہ اس قسم کے مضامین میں تو مذہب کی رہنمائی نہیں ہوتی۔ ایسے معاملات تو خود ہی طے کرنے ہوتے ہیں و غیر ذالک۔

اس صورتِ حال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اہلِ مغرب میں مروجہ نظریات نے جب جڑ پکڑی تو اس وقت عیسائیت کی یہ حالت تھی کہ وہ سیاسی اور سماجی طور پر رہنمائی کے قابل نہ تھا۔ پوپ کی بے جا مداخلت اور خرافات میں ملوث ہونے سے مذہبی لگاؤ کم سے کمتر ہوتا گیا اور مذہب کی حیثیت صرف ایک اخلاقی نظام کے طور پر اور عبادات کے مجموعے کے طور پر تسلیم کی گئی۔ مذہب کی حیثیت مکمل نظامِ حیات کے طور پر قبول نہیں کی گئی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اِن مضامین کا مذہب سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں ان مضامین کو بغیر اسلامی تناظر کے پڑھائے جانے کی وجہ یہ نہیں کہ سیکولر طبقہ پیدا کرنا ہمارے اہداف میں ہے بلکہ صرف تقلیدِ مغرب میں ویسا ہی

کرنا شروع کر دیا ہے۔آج سے 65سال قبل چلنے کیلئے جو راستہ منتخب کیا تھا اسی کی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

معاشیات:

اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ معاشرتی علوم ان افکار و نظریات سے وجود میں آتے ہیں جو کسی انسانی معاشرت سے متعلق قائم کئے جاتے ہیں مثلاً معاشیات کی ابتدا اُن نظریات سے ہوئی جو یورپ میں آزاد تجارت سود اور حکومت کے محاصل سے پیش کیے جاتے رہے یہی افکار و نظریات آگے چل کر علم معاشیات کی شکل میں مرتب کر لئے گئے ۔ اس علم میں موجودہ شکل (Structure) ایسے اصولوں پر مبنی ہے کہ موجودہ ہیئت میں یہ افکار و نظریات الگ سے بیان نہیں کئے جاتے۔

پاکستان کی درس گاہوں میں معاشیات کا نصاب کِن موضوعات پر مشتمل ہے۔ہمارے پیشِ نظر ثانوی جماعتوں (Secondary School) سے لے کر جامعات ایم اے تک کے نصاب ہیں۔ان میں مرکزی اہمیت نظریاتی معاشیات Economic Theory کو دِی گئی ہے۔جس کے موضوعات کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔پہلے حصے میں اِس مسئلے پر بحث کی جاتی ہے کہ قیمتوں کا تعین کِس طرح ہوتا ہے دوسرے حصے میں اس مسئلے کا تجزیہ کیا جاتا ہے کہ روزگار (Emplayment) کا تعین کِس طرح ہوتا ہے۔نصاب کے دوسرے موضوعات انہی بڑے اجزا یعنی معاشیات اور کلی معاشیات کے ذیل میں آتے ہیں

موجودہ معاشی نظام کی تدریس کے طریقہ کار میں کئی طرح کی قباحتیں ہیں جو ایک طالب علم کو مغربی اقدار کے سانچے میں ڈھال دیتی ہیں۔

سودی معاملات کی ذہن سازی:

سود مفرد اور سود مرکب کے سوالات حل کرنے کے قاعدے پڑھائے جاتے ہیں۔ جب کہ سود کے بارے میں قرآن مجید کی بالکل واضح آیت ہے۔

"یا ایہاالذین امنو لا تا کلوالرباء "[۱۰]

حقیقت یہ ہے کہ سود مفرد سود مرکب کے عنوان سے ریاضی کی جو تعلیم دی جاتی ہے وہ دوسرے کسی عنوان سے بھی پڑھائی جاسکتی ہے ریاضی تو ایک ذریعہ ہی ہے ۔جس کو اچھے اور برے دونوں معاملات میں پیش آنے والی صورتِ حال کو حل کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ناپختہ ذہن کا طالب علم جب سود کے بارے میں سوالات کرتا ہے تو دراصل وہ ذہنی طور پر سودی نظام کو قبول کرنے کے لئے لاشعوری طور پر تیار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ محض ریاضی کی تعلیم کے لئے ایسا رستہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے جو شریعتِ اسلامی کے عین مطابق ہوتا کہ طالب علم معاشیات کی تعلیم کے ساتھ شعائرِ اسلام سے بھی واقف ہو اور ذہناً اسلامی معیشت کو قبول کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہو۔

فکری تضاد:

موجودہ نصاب میں زکوٰۃ اور وراثت کے اسباق کے ساتھ سود کے متعلق حصے کو برقرار رکھنا ایک کھلا فکری تضاد ہے۔

اسلامی تصورمعاشیات سے خالی:

موجودہ معاشی تصورات اس انداز سے پڑھائے جاتے ہیں کہ اسلام کا تو معیشت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

''رائج الوقت معاشی تصورات کی بنیادایڈم سمتھ (1723-1790) کے اصولوں پر ہے۔اس نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ''دولت اقوام'' (Wealth of nations) 1776ء میں لکھی جو کہ علم معاشیات کی بنیادی کتاب سمجھی جاتی ہے۔اس کتاب کی اشاعت کے بعد معاشیات نے ایک علیحدہ آزادانہ مضمون کا رتبہ حاصل کیا۔ پرانے وقتوں کے ماہرین معاشیات کو بھی دولت کا علم قرار دیتے تھے''[1]

موجودہ معاشیات اِسی کے بیاں کردہ تصورات کے مطابق پڑھائے جاتے ہیں اورایک طالب علم فراغت کے بعداس بات پر اعتقاد رکھتا ہے کہ معاشیات کے معاملے میں اسلام تو خاموش ہے حالانکہ فقہ اسلامی کا ایک تہائی حصہ معاشی معاملات پر مبنی ہے۔معیشت کے طالب علم کی یہ ذہنیت اسلامی تصورِ معیشت کی تدریس کے نہ ہونے سے پیدا ہوئی۔

کمرشل لائزیشن:

موجودہ معیشت کی تدریس کا ایک اثر طالب علم پر یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز کو کمرشل سمجھتا ہے۔اپنی ذہنی استطاعت،فکری بلندی،جسمانی صلاحیت کو ایک بکاؤ مال

تصور کرتا ہے۔اس کے ذہن میں یہ تصور مدھم سے مدھم ہوتا چلا جا تا ہے کہ اس کی حیثیت اس کائنات میں ایک عبد (خدا کا بندہ) کی سی ہے جو اس کی فرمانبرداری اور اطاعت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔اس کی صلاحیتیں خدا کے بتائے ہوئے قوانین سے باہر نہیں جانی چاہئیں۔لیکن موجودہ معاشی تصورات پڑھ کر اس کے ذہن میں انسان کی جو حیثیت ہوتی ہے۔وہ ہے معاشی حیوان، وہ ہر چیز کو ایک بکاؤ مال ہونے کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔

معاشی تعقل کا فروغ:

ہر معاشرے میں چیزوں کی حیثیت کو متعین کرنے کا ایک پیمانہ ہوتا ہے مثلاً ایک مسلمان کسی چیز کے صحیح اور غلط ہونے کے بارے میں (قرآن وحدیث سے) جانتا ہے۔اسی طرح ایک ہندو معاشرہ کسی چیز کے صحیح اور غلط ہونے کے بارے میں رہنمائی لیتا ہے اپنی مذہبی کتاب (وید) سے اس طرح عیسائی معاشرہ صحیح اور غلط کے بارے میں جاننے کے لئے کسوٹی اور پیمانہ بائبل کو سمجھتا ہے۔

موجودہ معاشی تصورات ان میں سے کسی چیز کو کسوٹی اور پیمانہ جاننے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ معاشی تعقل سے ہی چیزوں کی حیثیت متعین کیجاتی ہے اور ہر پیمانہ عین مغربی تصورِ حیات کے حق میں ہے اس پیمانے کو قدر بنانے سے جو معاشرت وجود میں آتی ہے وہ ہے مغربی معاشرت ،سول کلچر،سیکولرازم اسلام معیشت کے بارے میں اصول بتا تا ہے معیشت میں استحکام کا درس دیتا ہے۔

المومن القوی خیر من المومن الضعیف

مگر دولت کو کسوٹی اور پیمانہ بنانے کی شدید مخالفت کرتا ہے۔ مسلم معاشرت میں پیمانہ اور کسوٹی کتاب وسنت کے علاوہ کسی اور چیز کو برداشت نہیں کیا جاتا۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۰ ۱۲۰

بے شک اللہ کے ہاں معتبر دین سرف اسلام ہے

لہٰذا کوئی بھی تعقل جو قرآن وسنت کے علاوہ ہو خواہ وہ بائبل ہو گرنتھ ہو یا وید یا وہ سرمایہ دارانہ تعقل ہو اس کی اسلام اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی معاشرت میں درجہ بندی کے لئے کسی غیر کو تسلیم کرتا ہے ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ ''الا لا فضل لعربی علی اعجمی ولا لعجمی علی عربی ولا احمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا بالتقوی '' ترجمہ: کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی وجہ سے۔

موجودہ معاشی نظام کی غیر حکیمانہ تدریس معاشی تعقل کی ذہنیت پیدا کرتی ہے جس کی عملی تصویر اس امر میں دیکھی جا سکتی ہے کسی بھی شخص کا وزٹنگ کارڈ دیکھا جائے تو اس کارڈ پر جو جزو مشترک ہوگا وہ ہے اس کی سرمایہ درانہ قوت کا اظہار۔ سرمائے کی وجہ سے معاشرتی تقسیم کاری کا فروغ معاشرتی تعقل کا لازمی نتیجہ ہے۔

گزشتہ رویوں کی تردید:

موجودہ نصاب معاشیات کے موضوعات اور ان سے وابستہ تصورات کا ایک اثر منطقی طور پر فرد کے اپنی ذات سے متعلق رویے پر پڑتا ہے کہ فرد اپنے پچھلے رویے کو سراسر غلط مان کر اپنے معاملات معاشی عقلیت کی بنیاد پر استوار کرنے کی

تدبیریں کرنے لگتا ہے۔اس کے نزدیک کوئی چیز اخلاقی اعتبار سے درست یا غلط ہو معاشرتی اعتبار سے عادلا یا ظالمانہ ہو مذہبی لحاظ سے حلال یا حرام ہو یہ تمام اعتبارات سراسر غلط قرار پاتے ہیں صحیح اور درست تو صرف وہ ٹھہرتا ہے جو معاشی عقلیت کے اعتبار سے درست ہو۔صحیح صرف وہ چیز قرار پائے گی جو مادی نفع بخشے۔محمد آصف قریشی اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں کہ:

''معاشی عقلیت جو نصاب معاشیات سے پیدا ہوتی ہے وہ لادینی سیکولر رویہ کہلاتی ہے۔جدید معاشیات کی بنیادیں اخلاقی قدروں سے آزاد ہیں'' [۱۳]

''معاشی عقلیت وہ قدر ہے جو جدد معاشیات میں مرکزی اہمیت رکھتی ہے'' [۱۴]

موجودہ نصاب معاشیات اور مغربی اقدار:

تصور معیشت ہو یا معاشرتی تنظیم یا پھر سیاسی نظم یہ سب کے سب اسی طرز پر تعمیر ہونے چاہئیں کہ خواہشات کی تسکین کا سامان فراہم ہو۔چونکہ مغربی معاشروں کے سوا اور کوئی معاشرہ اس کی ضمانت نہیں دیتا۔لہٰذا مغربی تصور معیشت کے علاوہ کسی اور معاشی نقشے کو نہ تو درست تسلیم کیا جاتا ہے نہ قابلِ عمل بننے دیا جاتا ہے اور جو معاشی نقشہ اس وقت دُنیا میں رائج ہے جس کی تعلیم دِی جاتی ہے اس سے مغربی تصورِ زندگی فروغ پائے گا اور مغربی اقدار ہی مستحکم ہوں گی۔

نصاب معیشت کا نظریاتی پہلو:

موجودہ معاشی نظام کی بنیاد ایڈم صحت کے اصولوں پر قائم ہے لا محالہ طور پر ان کا نظریاتی رشتہ لا دینیت سے ملا ہوا ہے اس ضمن میں محمد آصف قریشی رقمطراز ہیں کہ:

''جو نصاب ہماری درس گاہوں میں پڑھایا جاتا ہے۔اس کا نظریاتی رشتہ لا دینیت سے ملتا ہے اور اس کا ایک لازمی امر یہ ہے کہ ایک عام ذہن افادیت اور معاشی عقلیت کے سوا کسی بھی اخلاقی قدر کو نا درست، غیر ضروری اور غیر متعلق سمجھنے لگتا ہے''۔[۱۵]

نظریاتی فرق پر مبنی تصورِ معیشت کی تعلیم:

سیکولر معاشی نظام میں مذہب کی مداخلت برداشت نہیں کی جاتی بلکہ معاشی تصورات کو مذہبی تصورات سے الگ رکھ کر عقل محض سے فیصلہ لینے کی طرف راغب کیا جاتا ہے حالانکہ شریعت میں معاشی احکام کی تعداد اسلامی فقہ میں ہوگی۔محمد آصف قریشی لکھتے ہیں کہ:

''نظریاتی اعتبار سے معاشیات کی تعلیم و تدریس کا رخ ایک لادینی ذہنیت کی ترویج کی طرف ہے جو فکر معاشیات کے مروجہ نصاب پر مبنی ہوگی اس کا مذہب، اخلاق و شریعت سے کوئی رشتہ نہ ہوگا۔اس کی رو سے تو معاشیات کا راستہ اور ہے اور مذہب کا راستہ اور اس خیال کے تحت کم از کم موجودہ علم معاشیات میں مذہب کا جوڑ لگانا ممکن نہیں ہے جو ذہن

معاشیات کی تعلیم سے روشناس ہوگا اس کے لیے دین و مذہب
محض ایک روایت سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھیں گے۔[۱۶]

تاریخ:

علمِ تاریخ اس تصور سے پڑھنے کی تلقین کی جاتی ہے کہ تاریخ نیوٹل ہو کر پڑھی جائے۔ اسی تصور سے درس گاہوں میں اس کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ اس انداز سے حاصل کیا گیا تاریخ کا علم عین مغربی تصورِ حیات کو صحیح و اضح گردانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کے علم کا مطالعہ کسی نہ کسی تصورِ عدل کو تسلیم کر کے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مبینہ تصور کے جو ہم آہنگ ہوتا ہے وہ تاریخ میں ہیرو قرار پا
تا ہے اور جو اس تصورِ عدل کے خلاف ہوتا ہے وہ ولن قرار پاتا ہے۔ اس لئے تاریخ ایک ہی ہوتی ہے ایک قوم کے افراد اس تاریخ کو اپنے تصورِ عدل سے مطالعہ کرتے ہیں تو اس کے ہیرو اور ولن اور ہوتے ہیں اس کا مطالعہ جب دوسری قوم کرتی ہے تو وہ اپنے تصورِ عدل سے واقعات کا مطالعہ کرتی ہے اس کا ہیرو کوئی اور قرار پاتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ کسی نہ کسی تصورِ عدل (نظریات) کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے موجودہ دور میں تاریخ کی درس گاہوں میں جس تصورِ عدل کو بنیاد بنا کر تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے وہ نظریاتِ اسلام سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ وہ تصورِ عدل (نظریات) مغربی فکر و فلسفہ سے ماخوذ ہیں۔

اس تناظر سے مطالعہ کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپ کی بلند پایہ شخصیات، ہیرو کی حیثیت ایک عام فرد کی سی ہوگی کیونکہ جس کسوٹی سے ناپا جا رہا ہے اس حساب سے اس

کا کوئی عظیم کارنامہ ہے ہی نہیں مثلاً ابوحنیفہ کی فقہی مسائل میں جدوجہد، امام بخاری کا احادیث کو جمع کرنا یا مفسرین کا تفسیر پر بہترین کام بھی ان کو اِس جملہ سے محفوظ نہ کر سکے گا کہ مسلمانوں کے پاس تین براعظموں کی حکومت تھی مگر انسانی ترقی کے لئے انہوں نے کوئی قابلِ قدر کام سرانجام نہ دیا اس کے جواب میں ہمیں پھر ابن سینا، الکندی، الزہراوی، تلاش کرنے پڑے ہیں کہ ہم نے بھی انسانی ترقی میں کچھ نہ کچھ کام کیا ہے؟ حالانکہ یہ سب مسلم سائنسدان مل کر بھی مغرب کے ایک فرد آئن سٹائن یا نیوٹن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مفسرین، محدثین، فقہا کا کام سوائے وقت اور مال کے ضیاع کے علاوہ کوئی اور درجہ نہیں پاتا۔ یہ صورتِ حال ایک طالب علم کے ذہن میں پختہ سے پختہ اس لئے ہوتی جارہی ہے کہ تاریخ کا مطالعہ مغربی تصور عدل کے مطابق ہورہا ہے۔

مغربی تصورِ عدل کیا ہے؟:

مذہب کے تناظر میں تعلیم کو سیکولر طبقہ اس لئے برا گردانتا ہے کہ اس تناظر سے حاصل شدہ تعلیم طالب علم کو اسی چیز کی حقیقت ہونے پر آمادہ کرے گی، جو اس تناظر سے اس کو حاصل ہوئی ہے اور سیکولر اور لبرل تعلیم کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم بچوں کو کسی خاص تناظر میں تعلیم دینے سے منع کرتے ہیں بلکہ وہ محض عقل کی بنیاد پر چیزوں کو جانے اور صحیح نتیجے تک پہنچے۔ لہٰذا ابتدائی بارہ سال کی تعلیم کسی خاص تناظر میں نہ ہونی چاہیے بلکہ آزاد خیالی کے ساتھ فہم و بصیرت پیدا کی جائے۔ حالانکہ یہ دعویٰ بالکل غلط ہے دعویٰ تو یہ تھا کہ کسی بھی تناظر میں تعلیم نہ دی جائے۔ سوچنے کی بات ہے آزاد خیالی

یا مغربی تصور خیانت عقل خود بھی تو ایک خاص تناظر ہے جس تناظر میں تعلیم دی جا رہی ہے اور اس پر قوموں کو آمادہ کیا جاتا ہے اور اسی طریقہ تعلیم کو حق جانا جاتا ہے۔

علم وہ روشنی ہے جو کسی نہ کسی زاویے پر سفر کرتی ہے۔ اب یہ طے کرنا ہوگا زاویہ کونسا ہو۔ محض عقل و آزاد خیالی کا یا وحی سے ماخوذ نظریات۔ اگر وحی سے ماخوذ نظریات وعقائد کو بنیاد بنا کر علم حاصل کیا جائے گا تو ہر تحقیق رب العالمین کے قریب سے قریب تر کرے گی اور اس کے احکام کے نفاذ کے لئے دِل آباد ہوں گے۔

اگر آزاد خیالی اور محض عقل کے تناظر میں کسی بھی طرح کی معلومات حاصل کی جائیں گی تو اس سے حاصل ہونے والا ہر نتیجہ مغربیت کے اصول وضوابط کے حق میں ہوگا۔ اس تناظر سے اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے طالب علم کی نظر میں قابلِ قدر شخصیات کا بے وقعت ہونا دِل میں بیٹھتا ہے اور اسلامی تاریخ کے مطالعے سے طالب علم کے حصہ میں سوائے شرمندگی کے اور کچھ نہیں آتا اور وہ قوم کبھی بھی حاکم نہیں بن سکتی جو تعلّی کے تصور سے خالی ہو۔ علم کی حقیقت پر وفیسر رشید احمد کی نظر میں:

''تاریخ ایک ایسا علم ہے جو قوموں اور تہذیبوں کے عروج و زوال کی توجیہ و تعلیل کرتا ہے۔ اگر اس کا رخ زوال کی طرف ہوگا تو ولولہ پیدا نہیں ہوگا۔ ابنِ خلدون کہتے ہیں کہ تاریخ صرف زوال کی توجیہ کا علم بن کر رہ گئی ہے۔ قرآن مجید میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں اُن کا مقصد اصحابِ حق کے غلبے اور باطل کی شکست کا یقین راسخ پیدا کرنا ہے اصحابِ حق اور اصحابِ باطل کی کشمکش Historical process ہے۔

قرآن مجید یعنی وحی یہ کہتی ہے کہ اصحابِ حق غالب رہیں گے''۔ ۱۷

تاریخ کی تدریس کا نئی نسل کو فائدہ ہونا چاہیے کہ وہ دوبارہ ان غلطیوں کو نہ دہرائیں جس کی وجہ سے ان کو ندامت اُٹھانی پڑی یعنی ہر، قصہ یا تاریخی واقعہ اپنے اندر کچھ سبق رکھتا ہے، نتیجہ رکھتا ہے اس کی تعیین ہونی چاہیے تا کہ ملتِ اسلامیہ کا قیام دوبارہ ممکن ہو سکے مگر نصاب میں طرز کچھ اور نوعیت کی ملے گی۔ تاریخ ملتِ اسلامیہ کی بجائے اگر اس کا نام تاریخ ملوک اسلامیہ ہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔

اس کے مطالعہ کے بعد ہر طالب علم اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ بادشاہت اور خلافت تقریباً ایک ہی چیز کا نام ہے دوسرا نتیجہ یہ اخذ کرتا ہے کہ بادشاہت میں ظلم اور جبر ہی ہوتا ہے اور انصاف نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس کے مقابلے میں جمہوری طریقہ عدل ہے اسی میں انسانیت کی فلاح ہے حالانکہ جمہوری طریقہ میں بھی ظلم بہت ہوتا ہے مگر تقسیم ہو جاتا ہے، بادشاہت میں ظلم ایک شخص یا اس کے خاندان کے کچھ افراد کرتے ہیں۔ اس لئے زیادہ نمایاں واقعات سامنے آتے ہیں مگر جمہوریت میں ظلم کرنے والے مقتدا کئی حضرات ہوتے ہیں۔ بہر حال جمہوریت کا عین عدل ہونا ذہن میں نقش ہوتا ہے قرآن مجید میں بھی گزشتہ قوموں کے حالات کو بیاں کیا ہے اور اس طرز سے نصیحت دینے اور اعمالِ صالحہ کی طرف راغب کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس چیز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علمِ تاریخ کی تدریس کرنی چاہیے۔

علمِ قانون:

پاکستان میں قانون کی تدریس دینے والی درس گاہیں جس تصورِ قانون کی تعلیم دی رہی ہیں اس کی تشکیل وتعمیر انگریز نے 1835ء میں کی تھی۔ یہ قانون برٹش ہے مگر چند اسلامی مشقیں داخل کی گئی ہیں۔لیکن اپنے اصول اور طریقہ کار میں بالکل اسلام کے عکس سے خالی ہے جب پاکستان میں برٹش قانون نافذ ہے اور اس کے بارے میں جاننا ایک قانون کے طالب علم کے لئے ضروری ہے تو اس کے سمجھنے کے لئے برٹش اصولِ قانون بھی پڑھائے جاتے ہیں کہ قانون کون بنائے گا؟ قانون سے ہٹ کر فیصلہ دینے کا صواب دیدی اختیار کس کو حاصل ہوگا۔قانون کی بنیادیں حقوق پر ہوں گی یا احکام پر ہوں گی۔1835ء میں انگریز نے جو قانون نافذ کیا تھا گو کہ یہ وہی نہ تھا جو اس وقت برطانیہ میں نافذ تھا یہ برصغیر کی عوام کے لئے از سرِ نو تشکیل دیا گیا تھا مگر اس کی اساسی بنیادیں وہی تھیں جو برطانیہ میں نافذ قانون کی تھیں۔ جب قانون کا طالب علم قانون کو اسی پس منظر میں دیکھتا ہے اور انہی اصولوں پر قانون سازی کے اصولوں کو سمجھتا ہے تو عملی زندگی میں ملکی سطح پر کوئی قانون سازی کرتا ہے تو انہی اصولوں کو اپنا کر ملکِ عزیز کو چلایا جاتا ہے۔اس فن کے بارے میں یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس پر مغربی اثرات نہیں ہیں بلکہ یہ فن مکمل انہی اصولوں پر قائم ہے اور اسی طریقہ کار سے فیصلہ کرنے کا نظام قائم کرتا ہے جب کہ اسلام کا تصور قانون اور طریقہ کار میں کچھ بنیادی فرق ہے جو درج ذیل ہے مثلاً معاشرتی برائیاں جن کی طرف لوگوں کا رجحان ہے ان سے منع کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے مغربی قانون کے پاس

مثلاً سود، شراب، جوا وغیرہ کیونکہ یہ عوام کا حق ہے۔

مغرب کا اصل ہدف ہی طریقہ کار بدلنا اور نظام کو اپنے طرز پر چلانا ہے عقیدہ سے بحث نہیں کرتا خاص طریقہ کار کو نافذ کرنے سے فکری طور پر بھی عوام کے لئے وہی راہ ہموار ہونا شروع ہو جاتی ہے جو مغربی طرزِ زندگی میں ہوتی ہے۔ کیونکہ قانون ہے۔ تناظر کے بدل جانے سے فکر بدل جاتی ہے اور فکر کے بدلنے سے عمل میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ سیکولر طبقہ میں ہمیشہ اس پریشانی کا سامنا رہا ہے کہ قانون کا ماخذ کون ہوگا؟ رومن تہذیب جس کی طرف اہلِ مغرب اپنی تاریخ جوڑتے ہیں اس میں بھی قانون کی تشکیل سازی میں سینٹ یا اس کی طرف سے نامزد افراد کو اختیار جاتا ہے۔ قدیم تہذیب نامی کتاب میں مصنف رقمطراز ہیں کہ:

''رومن قانون کو وضع کرنے کا اختیار
سٹیٹ یا سینٹ کی طرف سے نامزد کردہ کمیشن کو ملتے تھے'' [۱۸]

اسی طرح جمہورین طریقہ کار میں کسی بھی اعلیٰ اتھارٹی کو تسلیم نہیں کیا جاتا بلکہ خود انسان ہی سب سے اعلیٰ ہے۔ اس لئے کوئی قانون حکم کہہ کر اس پر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی وجہ سے کچھ معاملات بداہتاً غلط ہوتے ہیں جو معاشرے کو عذاب میں دھکیل دیتے ہیں مگر حکومت کے پاس اس کو ناجائز کہنے کا کوئی جواز نہیں ہوتا۔ چونکہ لوگ اس امر کو پسند کرتے ہیں اور لوگوں کی پسند حرفِ آخر ہے۔ تو ناجائز کام بھی جائز کر لیا جاتا ہے اور معاشرے میں ہوتا رہتا ہے۔ اس کی تباہی ہر عقل مند پر ظاہر ہوتی ہے مگر روک کوئی نہیں سکتا۔ جب کہ اسلامی قانون کی بنیادیں حقوق پر نہیں رکھی جاتیں اس کی اساس حکم پر ہے۔ حکمِ الٰہی کیا ہے اس کو نافذ کیا جائے گا۔ معاشرہ اس کے موافق ہے تو

بہت اچھا اگر موافق نہیں ہے تو بھی اسی کو نافذ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسلامی قوانین کی بنیاد حکمِ الٰہی پر ہوتی ہے اسلامی فقہ اسی طرز سے مرتب کی گئی ہے۔ اسی کے مطابق فیصلہ کرنے سے اسلامی معاشرہ صحیح رُخ پر عمل کرے گا۔ ہماری درس گاہوں میں جس قانون کی تعلیم دی جارہی ہے اس کی بنیاد اسلامی احکام پر قطعاً نہیں ہے بلکہ اس کی بنیادیں بالکل وہی ہیں جو برٹش لاء کی ہیں وہ بھی حقوق کی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے جب بنیاد میں ہی فرق ہے تو اس کا اثر ہر چیز میں ظاہر ہوگا۔ اس کے علاوہ فیصلہ کروانے کا طریقہ کار پڑھایا جاتا ہے وہ بھی بالکل وہی ہے جو برٹش قانون کا طریقہ ہے۔ اسلامی طریقہ کار سے طالب علم بالکل ناواقف ہوتا ہے۔ جب اسی نظامِ تعلیم سے گزر کر طالب علم عملی زندگی میں آتا ہے تو فیصلہ انہیں اصولوں پر کرتا ہے جو پڑھے ہوتے ہیں۔

زبان وادب:

بلاشبہ کسی بھی زبان کے ادب میں خرافات کا ہونا ایک لازمی سی بات ہے۔ شعرا کی عشقیہ شاعری اور محبوب کی تعریف اس کا انداز بیان تقریباً ہر زبان میں ادباء اس مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ وہ عربی، انگلش یا پھر اُردو ہو مگر سوال یہ ہے کہ تعلیم کا جزء اور حصہ ایسے ادب کو کیوں بنایا جاتا ہے۔ جس سے ایک طالب علم اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو ایسا ادب جو بے ادبی کا درس دیتا ہو اس کو معاشرے سے ختم یا اس کو مہذب بنانے کی بجائے درسگاہوں میں اس کی تعلیم نہایت نامناسب عمل ہے۔ کسی بھی زبان سے گہری شناسائی حاصل کرنے کے لئے اس زبان کی شاعری یا عظیم نثر پارے دیکھے

جاتے ہیں اور وہ معاشرے پر اپنا مکمل اثر چھوڑتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی کہ:

''زبان محض زبان نہیں ہوتی لِسان قوم سے مراد محض الفاظ و عبارت نہیں ہے اس کے پیچھے پوری ثقافت، پوری تاریخ، پوری تہذیب ہوتی ہے''۱۹

زبان و ادب کی تدریس کے مختلف ذرائع ہو سکتے ہیں تاریخ مذہب، اصلاحی پہلو، معاشرتی مسائل وغیرہ، نثر کی شکل میں لکھے ہوئے پڑھ کر بھی زبان کی تدریس ممکن ہے۔ مگر ہمارے ملک کی درسگاہوں میں بہت سی عبارات ایسی شاملِ نصاب ہیں جس سے جنسی مخالطت کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ اگر کسی کی مکمل ذہن سازی نہیں بھی ہوتی تو اس مخالطت کے ماحول کی قباحت اس کے دِل سے ضرور نکل جاتی ہے قرآن مجید جنس مخالف سے تعلق کو جو ازدواجی رشتہ کے بغیر ہو اس کو دِل کے مرض سے تعبیر کرتا ہے:

''یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا☆''

ترجمہ: ''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں میں سے کسی طرح (بھی) نہیں ہو اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو گفتگو سے ملائمت نہ کرو کہ جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ لالچ (خیالِ فاسد) کرے اور بات کرو معقول بات''۔۲۰

جمالیات کا عنوان دے کر ایسے جذبات کی آبیاری کرنا شریعت کے خلاف ہے شریعت میں تو ان جذبات کی تہذیب کی جاتی ہے ان کو فحاشی کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ حضرت مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

''جدید مغربی تعلیم کے اثر سے دنیا میں جتنی گمراہیاں رہی ہیں۔ ان کے سرچشمے انگریزی زبان میں ہیں۔ جب تک ان گمراہیوں کے اصل سے کما حقہ واقفیت حاصل نہ ہو ان کی تردید اور ان پر تنقید تبصرہ پوری طرح مؤثر نہیں ہوسکتا یہ تقریباً وہی صورتِ حال ہے جو عباسی خلافت میں یونانی فلسفہ کے رواج عام سے پیدا ہوئی تھی۔ جس طرز پر یونانی نظریات کی یلغار کے مقابلے متکلمین اسلام نے کارنامہ انجام دیا تھا یہ کام علمائے امت کے ذمے ایک قرض ہے'' [۲۱]

اسلامیات کے نصاب کا جائزہ:

موجوہ اسلامیات کا نصاب اور اس کی اعلیٰ ترین ڈگریاں جو یونیوسٹیوں میں دی جاتی ہیں کسی فرد میں اسلامی تشخص پیدا کرنے میں ناکام ہیں۔ اگر کسی پر اسلام کا اثر نظر آتا ہے تو وہ اس یونیورسٹی کی تعلیمی کاوشوں کے علاوہ کسی دوسری دینی تحریک کا اثر ہوتا ہے۔

اسلامیات کی تعلیم کئی مراحل سے گذرنے کے بعد آج تمام ڈگری کلاسز

تک لازمی قرار دی گئی ہے،۔اس ملک میں اسلامیات کی تعلیم کو سب سے زیادہ نقصان شریف کمیشن کی رپورٹ پر عمل کرنے کے نتیجے میں ہوا۔۱۹۵۹ء میں جناب ایس ایم شریف کی سربراہی میں قائم ہونے والے اس کمیشن نے مذہبی تعلیم کو صرف مڈل تک کے لیے لازمی کیا اور بعد کی تعلیمی زندگی کے لیے اسے اختیاری قرار دیا۔اس کے ساتھ یہ سفارش بھی کی کہ اس لازمی مذہبی تعلیم کے لیے علیحدہ استاد نہ رکھے جائیں ، بلکہ ہر استاد سے یہ توقع رکھی جائے کہ وہ اسے لازماً پڑھائے گا۔

اس طرح ایک طرف تو اسے اختیاری قرار دیا گیا اور دوسری طرف اسے اختیار کرنے والوں کے لیے ملازمتوں کے دروازے بند کر دیئے گئے ۔اس کا نتیجہ اسلامیات کی تعلیم کی حوصلہ شکنی کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا تھا اور یہی ہوا۔اس حقیقت سے انکار مشکل ہے کہ اس کے بعد ۹۵۔۹۸ فیصد (اسلامیات اختیاری نہ لینے والے طلبہ کو آٹھویں کے بعد اسکول یا کالج میں کسی بھی مرحلے پر اسلامی تعلیمات سے واسطہ پڑنے کا امکان نہیں رہا۔اس رپورٹ پر عمل کے نتیجے میں میٹرک ،انٹر اور بی اے جہاں جہاں اسلامیات حصول آزادی کے بعد سے لازمی چلی آ رہی تھی ختم کر دی گئی۔یہی وہ پس منظر ہے جس میں ۲۰ سال کم سے کم گریجویشن کے مرحلے پر کسی نہ کسی شکل میں اس کا لازمی کیا جانا ایک پیش رفت ہے۔یہ اس لحاظ سے بھی پیش رفت ہے کہ پہلی مرتبہ میڈیکل اور انجینئرنگ کے کورسز میں بھی اسے شامل کیا جاتا ہے

ابتدائی کلاسوں سے لے کر اعلیٰ سطح تک نصاب میں بہت مقررات ہیں خاص طور پر انٹرنیشنل کلاسز اور ڈگری کلاسز میں ایسا نصاب تشکیل دینا جس میں وعظ و نصیحت ہی ہو اور معلوماتی باتیں بھی وہی شامل ہوں جسے طالب علم پہلے پڑھ چکا ہے

اس کتاب میں عدم دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔

اسلامیات کے نصاب میں بھی دین کی مکمل عکاسی کرنے کی بجائے یہ فکر دامن گیر نظر آتی ہے کہ اس کی کوئی جزی مغربیت کے دائرے سے باہر نہ نکل جائے اس جزی کو اس طرح مہذب بنایا جائے کہ اسلام کی بات بھی ہو جائے اور مغربی نظام حیات کے خلاف بھی نہ جائے۔مثال کے طور پر انٹر اور ڈگری کلاسز میں ایک سوال ہے۔اسلامی تہذیب کے عوامل اور عناصر بیان کریں انٹر کی اسلامیات اختیاری میں یہ سوال ذکر ہے اور ڈگری کلاسز میں اسلامیات لازمی کے آخری باب میں یہ سوال درج ہوتا ہے۔تمام مصنفین نے اسلامی تہذیب کے عناصر عبادات کو ذکر کیا ہے، مثلا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ

حالانکہ اسلامی تہذیب کے عناصر میں صرف ارکان اسلام نہیں ہوتے، بلکہ معاشی، سماجی، سیاسی معاملات بھی اسلامی تہذیب کے بنیادی عناصر ہیں جن سے مل کر ایک اسلامی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ایم اے اسلامیات اور درس نظامی سے فارغ التحصیل میں یہ فرق نمایاں دیکھا جاسکتا ہے کہ درس نظامی کے فاضل نے کتب شریعت کا مطالعہ کیا ہوتا ہے۔اور ایم اے اسلامیات میں کتب شریعت پر تبصرہ پڑھایا جاتا ہے۔اور اس کے علاوہ چند ابواب فقہ، اور مخصوص قرآنی سورتیں اور احادیث مبارکہ کے چند منتخب کو پڑھ لینا۔

انگلش کتب نصاب کی عبارات کا جائزہ:

انگلش ادب اور اس کی خرافات تو اس کے ذاتی کلچر کے لحاظ سے ہی ہوں گی

جو کسی طرح بھی مشرقی قوم کے لئے موزوں نہیں ہے۔لہٰذا انگلش زبان سیکھنے میں تو کبھی بھی کسی سنجیدہ طبقے نے مخالفت نہیں کی بلکہ انگلش زبان کے ساتھ اس کے کلچر کا افشاع کسی طرح بھی مسلم امہ کو قبول نہ تھا۔

اس قوم کی تحریریں ان کے کلچر کے بیان سے کیسے پاک ہوسکتی ہیں۔انہوں نے تو جب مشرقی علوم کو اپنی زبان میں تبدیل کیا تو ہمارے سائنس دانوں کے نام بھی اس طرح لکھے کہ ابتدائی طالب علم جب ان کے نام ہی پڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی عربی یا ہندی کا نام نہیں ہے بلکہ کسی انگریز کا نام ہے۔وہ سائنس دان جن کے نام مغرب نے تبدیل کر دیئے ہیں ان میں چند ایک نام یہ ہیں۔جن کو ڈاکٹر قمر الدین بیان کرتے ہیں کہ:

''ابوالقاسم الزہراوی Albucasis، ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی Alkindus، ابو علی ابن ہیثم Alhazan، محمد ابن جابر ابی سینا البطلانی Albetnius، ابوعلی ابن سینا Avicinna، محمد ابن زکریا الرازی Rhazes، ابن رشد Aerroes، العزیز ابن عثمان القابیسی Alsabitius''[۲۲]

(ایف۔اے)کے سلیبس کا تنقیدی جائزہ:

Book iii

Lesson : Heat Lightning

اکیلی لڑکی کو رات 11 بجے سفر کرتے دکھایا گیا ہے اور وہی اس سبق کا مین کردار ہے۔اس کے بدن پر گیلے کپڑوں اور بکھرے بالوں کا ذکر ہے۔حتیٰ کہ یہاں تک منظرکشی کی گئی ہے۔

She almost falls and the man ‘‘catches her

وہ گرنے ہی والی تھی کہ مرد اسے تھام لیتا ہے۔

She rushes in to his arms

وہ اس کے بازوں میں لپک جاتی ہے۔’’ ۲۳ے

(Book :iii .Lesson : Heat Lightning. page no . 2)

اورلڑکی کے اکیلے پارٹی میں جانے کی منظرکشی کی گئی ہے

Book :ii

(Modern Prose and Heroes)

Sir Alexander Fleming

Louis Pasteur

Mustafa Kamal ۲۴؎

ملت اسلامیہ کے بچوں کو جن ہیروز کی تعلیم دی جا رہی ہے درحقیقت ان کا ملت کی تعمیر میں کوئی کردار نہیں۔ بلکہ ملت کا اجتماعی شرازہ بکھیرنے میں مصطفیٰ کمال پاشا نے اہم کردار ادا کیا۔ یہ مسلم قوم کا ہیرو نہیں بلکہ ملت اسلامیہ کا غدار تھا جسے اقبال مرد ناداں سے تعبیر کرتا ہے اگر اس کو کوئی ہیرو قرار بھی دے تو وہ قوم دے سکتی ہے۔ جس کو اس کے کاموں سے فائدہ ہوا۔ لامحالہ وہ عالمِ کفر ہی تھا۔

کیونکہ اس کے اختتامِ خلافت کے اقدام سے پہلے مسلمانوں کا بطور ملت کے جمع ہونے کا تصور موجود تھا

اس نے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو پارہ پارہ کر دیا

اب مسلمان ممالک قومیت کی بنیاد پر قائم ہیں نہ کہ ملت کی بنیاد پر۔ خلافت کے ختم ہونے سے مسلمان یک جان نہ رہے آج مسلمانوں کی پستی اور ذلت کی بڑی وجہ یہی ہے۔ اس نے اسلامی احکامات پر کھلے عام پابندیاں لگائیں

(بی۔اے) کے سلیبس کا تنقیدی جائزہ

بی۔اے کے انگلش کا سلیبس بھی ان

خرافات سے خالی نہیں اس میں بھی بہت سے مقامات پر

ایسی نازیبا تحریریں شامل نصاب ہیں جن کا پڑھنا پڑھانا ایک شریف النفس انسان کیلیے دشوار عمل ہے۔

کتاب کے بیشتر اسباق میں مرد اور عورت کے جنسی تعلقات پر بات کی گئی ہے

B.A Book : Short stories

Lesson no .4

اس میں مصنف ایک غریب خاندان کے ہمراہ ناشتہ کر رہا ہے اور نوجوان خوبصورت لڑکی کا ذکر کرتے ہوے کہتا ہے کہ وہ کام کر رہی ہے اور بچے کو اس کے سامنے اپنا دودھ پلا رہی ہے۔

Lesson no .7

اس سبق میں 14 سال کی عمر کے لڑکے کو اپنے دوست کی بہن سے عشق کرتے دکھایا گیا ہے

اور لڑکی کے عشق و محبت کا نظارہ پیش کیا گیا ہے

جس میں ان کی بے تکلف باہمی گفتگو اور ملاقات کرنا دکھایا گیا ہے

Lesson no .10

جس میں ماں کے روپ کو غلط رنگ دیا گیا ہے جو سرمایے کے لالچ میں اجنبی شخص کو اپنی خوبصورت بیٹی کے

ساتھ جنسی تعلقات کے لئے ابھار رہی ہے

Lesson no .11

عورت کی شادی سے پہلے کی عشق وہوس سے بھری زندگی کا عکس کھینچا گیا ہے۔اور وہ اپنے خاوند کی موجودگی میں بھی ہروقت سابقہ عاشق کے خیالات میں گم رہتی ہے ۔اورایک خاوندکو خبر ہونے کے باوجود سمجھوتے کی ترغیب دی گئی ہے

One Act plays B.A

Name of play :The Bear

اس میں اجنبی شخص ایک خوبصورت بیوہ عورت کے گھر قرض کی وصولی کے لیے آتا ہے مگر سبق کی کہانی کو یہ رخ دیا گیا ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کو باہوں میں لیکر بوس و کنار کرنے کی منظرکشی کی گئی ہے(کیا کوئی شریف شخص گوارہ کرے گا کہ اس کی بہن اور بیٹی اس جیسے اسباق بطور نصاب پڑھے)

Poetry book :B.A

Poem : Leisure

اس نظم میں فرصت کے لمحات کو گزارنے اور ذہنی سکون کے حصول کے لیے خوبصورت عورت کے ناچ گانے اور رقص

کو دیکھنے کی طرف مائل کیا گیا ہے۔۲۴

(ایم ۔اے انگلش) کے سلیبس کا تنقیدی جائزہ

مندرجہ ذیل ناول بھی جنسی حرکات سے بھرپور

ہیں ان تحریروں سے مغربی طرز فکر کی راہ ہموار کی جاتی ہے

1) Twilight in Dehli

2) Tess

3) Return of the Native

4) Pride and Prejudice

5) Adam Bede

6) Reluctant Fundamentalist

7) Romantic Poetry(Words worth, Keats, Shelley, Donne)

علیٰ ہذا الترتیب ان میں یہ خرافات موجود ہیں

نمبر 1: میں مرد اپنی بیوی کو چھوڑ کر مجرے، کوٹھے والیوں کے پاس جاتا ہے۔اس کے حالات اور اس کی منظر کشی کی گئی ہے

نمبر 2: لڑکی ایک آدمی سے پیار کرتی ہے، وہ اس

سے زبردستی زنا کرکے چھوڑ دیتا ہے اس کی منظر کشی کی گئی ہے

نمبر 3 میں لڑکے اور لڑکی کے پیار کی داستان اور نازیبا منظر کشی کی گئی ہے۔

نمبر :4 اس ناول میں لڑکیوں اور لڑکوں کا آزادانہ ناچنا اور رقص کی محفل میں شامل ہونا دکھایا گیا ہے ۔وہ ایک دوسرے کو خط لکھتے ہیں اور خود اپنے لئے شادی کرنے کے لئے ساتھی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔

نمبر :5 میں ڈانس کرتے ، پیار رچاتے ،حتی کہ شادی کے بغیر ایک لڑکی کے حاملہ ہونے کی منظر کشی کی گئی ہے

نمبر :6 یہ ناول پاکستانی مصنف ،ندیم اسلم کا ہے اس میں موصوف ایک محبت کی کہانی بیان کرتے ہیں

جس میں ایک لڑکا ایک انگریز لڑکی سے دو دفعہ سیکس کرتا ہے اس کی خوب منظر کشی کی گئی ہے۔

نمبر : 7 میں مذکورہ شاعروں کی قابل اعتراض شاعری نصاب کا حصہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ القرآن، سورۃ العلق، آیت: 1

۲۔ ایس ایم شاہدہ، نصابی ترقی،، مجید بک ڈپو، فیصل آباد، ص: 13

۳۔ ایضاً، ص: 2

۴۔ ایضاً، ص: 3

۵۔ عثمانی، محمد تقی، مفتی، ہمارا تعلیمی نظام، ص: 20، مکتبہ دارالعلوم کراچی، 2005ء

۶۔ عازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات تعلیم، زوار اکیڈمی، کراچی، 2009ء، ص: 207

۷۔ ایضاً، ص: 207

۸۔ عثمانی، محمد تقی، مفتی، ہمارا تعلیمی نظام، ص: 20، مکتبہ دارالعلوم کراچی، 2005ء، ص: 47

۹۔ ایضاً، ص: 46

۱۰۔ آلِ عمران، آیت نمبر: 130

۱۱۔ چوہدری ممتاز حسین، اصولِ معاشیات، باب اوّل، ص: 6

۱۲۔ آلِ عمران، آیت نمبر: 19

۱۳۔ قریشی، محمد آصف، ریاضیاتی علوم کی نظریاتی تدریس تعلیم اسلامی تناظر میں، طبع دوم، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی انڈسٹریز، اسلام آباد، ص: 15

۱۴۔ ایضاً،ص:15

۱۵۔ ایضاً،ص:16

۱۶۔ ایضاً،ص:16

۱۷۔ رشید احمد، پروفیسر، تعلیم اور فکرِ اسلامی، مجید بک ڈپو لاہور، ص:74

۱۸۔ قدیم تہذیبیں اور مذہب، بحوالہ محمد احمد، مفتی، ص:215، مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد،2014ء، ص:83

۱۹۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات تعلیم، زوار اکیڈمی، طبع دوم،2014ء، ص:123۔

۲۰۔ سورۃ الاحزاب، آیت:32

۲۱۔ عثمانی، محمد تقی، مفتی، ہمارا تعلیمی نظام، مکتبہ دارالعلوم کراچی،2005ء، ص:100

۲۲۔ قمرالدین، ڈاکٹر، ہندوستان کی دینی درس گاہیں، ص:133، بحوالہ دینی مدارس میں تعلیم، ص:92

۲۳۔ پنجاب ٹکسٹ بک بورڈ، گیارہویں جماعت، پہلا سبق2015-2116,

۲۴۔ پنجاب ٹکسٹ بک بورڈ، بارہویں، جماعت2015-2116

فصل دوم:

بیسک سائنز (Basic Science)

نصابی مضامین پر مغربی فکر کے اثرات:

جن چیزوں کو عصری علوم کہا جاتا ہے یا مغربی فکر و ثقافت کہا جاتا ہے اس کے تین حصے ہیں۔

(۱) ایک حصہ تو وہ ہے جو خالص عقلی اور فکری نوعیت کا ہے۔

(2) دوسرا حصہ وہ ہے جو تہذیبی اور ثقافتی نوعیت کا ہے۔

(3) تیسرا حصہ وہ ہے جو خالص تجدیدی نوعیت کا ہے۔ [۱]

ان تین حصوں کی وضاحت فرماتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں جب تک ان تینوں کے درمیان الگ الگ فرق نہیں کیا جائے گا تینوں کے لیے الگ حکم نہیں لگایا جائے گا۔کوئی واضح فیصلہ کرنا متعین راستہ طے کرنا بڑا مشکل کام ہے جو حصہ عقلی وفکری ہے اس سے تعلق ہے ان کے سوشل سائیسنز (Social Sciences) یعنی اجتماعی علوم کا تاریخ، سیاسیات، اجتماعیات، قانون، ان سب کا تعلق فکری اور عقلی میدان سے ہے اسی سے انسانی علوم یعنی ہیومینیٹیز (Hunmanities) کا تعلق ہے۔فلسفہ،نفسیات، یہ جو انسان کے علوم ہیں ان کی اور جو انسان کے معاشرے کو سمجھنے کے علوم ہیں ان سب کی اٹھان لادینی ہے اس کی جڑ اور بنیاد میں لادینیت رکھی ہوئی ہے۔دین اور دنیا کی تفریق رکھی ہوئی ہے لہذا جب ایک شخص پہلے قدم سے ہی

دین اور دنیا کی تفریق کے تصور پر تربیت پائے گا، اب وہ قانون کے میدان میں، سیاست ہو، تاریخ ہو کوئی علم ہے معاشیات ہو اس کا ذہنی سانچہ جو تیار ہوا ہے وہ لا دینیت کے اصول پر ہوگا اسی طرح کے وہ سوالات سوچے گا اسی نقطہ نظر سے معاملات کو دیکھے گا، اسی نقطہ نظر سے ہر چیز کا جائزہ لے گا اور اگر دینی تربیت اچھی ہوگی تو وہ اپنی تربیت کی وجہ سے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکے گا لیکن دل میں اس کے بھی شبہ رہتا ہے تو وہ دو خانے بنا لیتا ہے ایک دین کا اور ایک دنیا کا یہی سیکولرازم (Secularism) ہے۔ یہی لا مذہبیت ہے کہ دین اور دنیا کے خانے الگ الگ ہوں اور دنیا دین کی رہنمائی سے خارج ہو سیکولرازم اسی کا نام ہے کہ دنیاوی معاملات کو وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد قرار دے دیا جائے نظری اعتبار سے تو بہت بڑی گمراہی ہے عملاً ہو تو بھی ایک طرح کا فسق ہے۔ دوسری بڑی بنیادی بات ان علوم و فنون کے بارے میں یہ ہے کہ یہ اخلاقیات اور روحانیات کے تمام تصورات سے آزاد ہیں آج مغربی دنیا کا یہ طے شدہ تصور ہے کہ اکیڈمک (Acadmic) یعنی علمی معاملات کو فکری سرگرمی کو اخلاقی تصورات سے آزاد ہونا چاہیے کسی خارجی تناظر سے ان علوم کا مطالعہ ہرگز نہ کریں بلکہ محض اپنی عقل و شعور کے تناظر میں ہی ان علوم کا مطالعہ کیا جائے جب بھی انسان کسی علم یا فن کا مطالعہ کسی خاص تناظر میں کرتا ہے تو وہ تناظر بعض معاملات کو جائز اور مستحسن قرار دیتا ہے اور بعض معاملات کو برائی اور شر قرار دیتا ہے جب ہر قسم کے تناظر سے آزاد ہونے کا دعوٰی کیا جاتا ہے تو لاشعوری طور پر انسان زمان اور مکان سے متأثر ہو کر اسی تناظر میں چیزوں پر حکم لگاتا ہے۔ اور ہر انسان جب خود مختار ہے کہ وہ خود طے کرتا ہے کہ کیا اچھا ہے کیا برا ہے تو اس عمل میں

ہر دوسرے کی رائے باہم متصادم ہوتی ہے لہذا اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ علم کسی حقیقت کے ادراک کے لیے نہیں بلکہ حقیقت خلق کے لیے ہے یعنی آپ نے جو آخر میں طے کرلیا ہے پس آپ کے لیے حقیقت وہی ہے اور دوسرا انسان جو سرچ کرر ہا تھا اس نے جو جانا ہے اس کے نزدیک وہی صحیح ہے جو اس نے نتیجہ نکالا ہے اصل میں حقیقت ہے کیا اس کی طرف رسائی حاصل کرنے کوشش عبث قرار دی جاتی ہے۔ تمام معاشرتی علوم میں جب تحقیق کا یہ انداز اختیار کیا جاتا ہے تو کسی چیز کے اچھے اور برے ہونے، خیر وشر ہونے کا سوال فضول قرار پاتا ہے، علم کا مقصد جو خیر الحق کی جستجو تھی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اچھا وہ ہے جو آپ کو اچھا لگے انسان جسے چاہے اچھا خیر الحق قرار دے اور جسے چاہے ناجائز ناحق اور برا متصور کرے۔ اس کا ہادی و رہنما تو خارجی علم مثلا وحی (قرآن وسنت) قرار نہیں پاتا بلکہ وہی حق ہے جسے یہ حق سمجھ لے معاشرتی علوم میں خارجی، مادی، باہمی تعلقات پر بحث تو ہو گی قطع نظر اس بات کہ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے وہ علم سیاسیات ہو علم تجارت ومعیشت ہو یا باہمی سماجی تعلقات پر تعلیم دی جائے۔ تمام معاشرتی علوم، تمام سماجی علوم اخلاقیات اور مذہب کے تصور سے آزاد ہو کر تعلیم دی جائے۔ جو کہ مسلم معاشرے میں کسی طرح بھی جائز نہیں ہیں ان علوم کی ایسی تدریس (اس تناظر میں پڑھایا جانا) سوائے الحاد کے امت کو کچھ نہ دے گی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمود احمد غازی رقمطراز ہیں کہ:

"تمام معاشرتی علوم، سماجی معاملات اسی انداز سے ہماری درسگاہوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ تو ایک انداز کی فکر کی تبدیلی ہے جس کا اثر ابواب بندی سے لے کر امثالوں

تک یا اس سے بھی بڑھ کر یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس علم کا قبلہ ہی تبدیل کر دیا جاتا ہے اس میں چند عبارتوں کو واضح کرنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا لیکن ایک عام فرد تو اسلام اور مغرب کی فلسفیانہ مباحث سے نابلد ہے اور ظاہر طور پر اگر اپنے نصاب تعلیم کا مطالعہ کرے گا تو کچھ عبارتیں بالکل واضح طور پر اسلامی تصور حیات کے متصادم نظر آتی ہیں۔جس سے اسلامی تشخص مجروح ہوتا ہے اور کفر (سیکولرازم ،لبرل ازم) کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ لیکن اس مسئلہ کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان چند عبارات کو خارج از نصاب کر کے ہم مطمئن ہو جائیں کہ ہمارا تعلیمی نظام اسلامی اقدار کا محافظ وامین بن گیا ہے بلکہ اصل ضرورت قبلہ درست کرنے کی ہے ان عبارات کو مضر سمجھتے ہوئے اخراج کا مطالبہ شر کو کم کرنے لیے ہوگا''۲؎

مزید تفصیل کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی اس بات کو مثال سے یوں بیان کرتے ہیں۔

''یہ جو آج نقاب پر پابندیاں ہیں ، میناروں پہ پابندیاں ہیں پردے پہ پابندی ہے۔ یقیناً اس وجہ سے مسلمانوں سے نفرت بڑھتی ہے، لیکن اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب پردہ کر کے خاتون چہرہ کو ڈھکتی ہے تو وہ اپنے ذاتی مذہبی خیالات کی وجہ سے معاشرے میں ایک نیا رنگ پیدا کرنا چاہتی ہے

معاشرے کو آبجیکٹیو ہونا چاہیے دو اور دو چار کی طرح کسی عقلی بنیاد پر استوار ہونا چاہیے ، ذاتی اخلاقی ، یا روحانی تصورات کو معاشرے پر لاگو نہیں کرنا چاہیے، اس لئے معاشرے کی بات ہو اسکول، کالج، سرکاری، دفاتر، پبلک، مقامات تو پھر ذاتی خیالات کو آپ اپنی حد تک رکھیں ۔ یہ بات ان کی گھٹی میں بیٹھی ہوئی ہے جو ذہنی تربیت ان کی ہوئی ہے وہ ہمارے ہاں بھی ہو رہی ہے اس لئے نتائج تو جیسے وہاں نکلتے ہیں وہ یہاں بھی نکلیں گے ۔ گندم سے گندم پیدا ہوتی ہے جو سے جو پیدا ہوتا ہے پھر مغربی گمراہیاں جن کے لیے کوئی اور مناسب لفظ نہیں ملتا ، اس لیے میں گمراہی کا لفظ استعمال کر رہا ہوں یعنی مغربی مغالطے، مغربی تصورات کی بے شمار غلطیاں ہیں جن کو یہاں بیان کرنے کا موقع نہیں یہ سارے علوم وفنون ان کی بنیاد پر ہے ۔''[۳]

سائنسی علوم سے امت مسلمہ کو دور کرنے کے اقدام:

دشمن جنگ کے لیے ایسا محاذ منتخب کرتا ہے جہاں اسے کم سے کم مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے ۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کا محاذ ہمارا کمزور ترین محاذ ہے جس کو پڑھنے اور پڑھانے والے نوے فیصد افراد سرتا پا ٹیوشن میں ڈوبے ہوئے ہیں اور انہیں سر کھجانے کی بھی فرصت نہ ہے ۔ سائنسی محاذ پر کئے گئے حملے کا مقابلہ یقیناً انہی لوگوں نے کرنا مگر سائنسی علوم کو سمجھنے میں کمزوری اور نصاب سازی میں تحقیق کی روایت کا

خاتمہ اور اساتذہ وطلباء کا ٹیوشن کے کام میں ہمہ تن مصروف ہونے کی وجہ سے سامراج نے سائنسی نصاب کو اس طرح سے تبدیل کر دیا کہ بچے اور استاد دونوں کو چکرا کر رکھ دیا اب حالت یہ ہے کہ نہ استاد پڑھا سکتا ہے اور نہ ہی بچہ پڑھ سکتا ہے۔اب صرف رٹّا ہی رٹّا رہ گیا ہے جس پر ہمارے نظام تعلیم کی عمارت ریت کی دیوار کی طرح ہچکولے کھا رہی ہے۔فطرت کا مطالعہ (سائنس) غیر فطری زبان میں کرنے کی رسم عروج پر ہے۔

تیسری جماعت کی سائنس کی کتاب کے صفحہ نمبر 2 پر لکھا ہے کہ ”گھاس میں بڑی جڑ نہیں ہوتی بلکہ دھاگے کی طرح بہت سی باریک جڑیں ہوتی ہیں جن کو فائبر روٹس (fibrous roots) کہتے ہیں“ آگے چل کر اس صفحہ پر تحریر کرتے ہیں کہ ”کچھ روٹس بہر موٹی ہوتی ہیں ان میں خوراک جمع ہوتی ہے ان جڑوں کو ٹیوبرس روٹس (tubrous roots) کہتے ہیں“ فائبر اور ٹیوبرس دونوں انگریزی زبان کے الفاظ ہیں۔

فائبرس کا مطلب دھاگہ نما یا ریشے دار اور ٹیوبرس کا گٹھ دار ہے۔بچہ دھاگہ نما یا ریشے دار، گٹھ دار اور جڑ کے الفاظ اپنے گھر اور ماحول سے سیکھ جاتا ہے۔ان الفاظ و اصلاحات کے ساتھ اسے سمجھانا انتہائی آسان ہے کیونکہ ان مانوس الفاظ کا استعمال اس کی ذہنی سطح اور تعلیمی نفسیات کے عین مطابق ہے۔بچہ دھاگہ نما جڑوں اور گٹھ دار کا اپنی عملی زندگی میں مشاہدہ بھی کرتا ہے۔ماحول میں ان الفاظ کا بار بار استعمال اس کے سائنسی فہم کو مزید پختہ کر دیتا ہے۔مگر نئے سائنسی نصاب میں اسے غیر مانوس، ماحول سے منقطع، مشکل اور انگریزی کے الفاظ کو غیر فطری انداز میں لکھ کر بچے کو ایک اذیت

ناک کیفیت سے دوچار کر دیا گیا ہے۔اس کے سائنسی تصورات کو دھندلانے کی کوشش کی گئی ہے۔اسی کتاب کے صفحہ نمبر 5 پر یہ فقرہ ملاحظہ فرمائیے''پھول دار پودا جس پر سفید پھول لگے ہوں اس کی شوٹ کاٹیں۔اس شوٹ کو رنگدار پانی والے بیکر میں ڈالیں'' بچہ لفظ''پودے کا بالائی حصہ یا تنا'' جو اپنے ماحول سے سیکھتا ہے اب اس کو سائنسی فہم کے حصول میں کوئی مدد نہیں دے سکے گا۔اب اسے انگریزی کا لفظ''شوٹ'' اردو رسم الخط میں لکھنا پڑھنا، سمجھنا، اور یاد کرنا پڑے گا۔اس مضحکہ خیز فقرے میں شوٹ کے مونث ہونے کا فیصلہ نصاب سازوں نے پتہ نہیں کیسے کیا ہوگا؟ صفحہ نمبر۹ پر سرخی ہے''سمپل اور کمپاؤنڈ لیف (ساتھ انگریزی کے الفاظ بھی لکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی جیسے یہ اردو زبان کے الفاظ ہوں) پہلے تو بچے کو سمپل، کمپاؤنڈ اور لیف کے معنی بتانا پڑیں گے پھر ان اجنبی الفاظ کو لکھنا، سمجھانا اور یاد کروانا پڑے گا جو فقط رٹے کے ذریعے سے ہی ممکن ہے کیونکہ گھر، ماحول اور مسردہ میں جو الفاظ مستعمل نہ ہوں انہیں ذہن نشین کرنے اور یادداشت کا حصہ بنانے کے لیے صرف رٹّا لگانا پڑتا ہے۔ان الفاظ کی جگہ پر''سادہ اور مرکب پتہ'' خود بخود اپنے معنی اور مفہوم اخذ کرنے کے عمل کو سمپل اور کمپاؤنڈ لیف لکھ کر روکنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ بچے سے اس کی تخلیقی صلاحیت سلب کر کے اسے رٹّے بازی کے لیے تیار کیا جائے۔اسی کتاب کے صفحہ نمبر۲۱ پر پرندوں کی تعریف کے ضمن میں تحریر ہے:''ان کی ایک چونچ ہوتی ہے اڑنے کے لیے دو ونگز ہوتے ہیں'' یہاں ونگز کو اس انداز سے لکھا گیا ہے جیسے یہ اردو زبان کا لفظ ہو جو ماحول میں مستعمل ہو اور فقرے کو اجنبی و غیر مانوس بنانے کے لیے''پروں'' کی بجائے ونگز لکھا گیا ہے تاکہ بچے کے ذہن میں موجود پروں کے تصور کو ونگز کے

ساتھ گڈ مڈ کر کے بچے کے لیے مشکلات پیدا کی جائیں۔ اگر پروں کو ونگز لکھنا ہے تو ہاتھ کو ہینڈ، ٹانگ کو لیگ، بازو کو آرم، منہ ماؤتھ، انگوٹھی کو تھمب الغرض کوئی بھی لفظ اس حماقت انگیزی کے دست برد سے نہیں بچ سکے گا......!

اگر آپ کسی گورنمنٹ سکول کی تیسری جماعت میں جائیں اور بچوں سے سوال کریں سبزی خور یا سبزہ خور جانور کون سے ہیں تو امید واثق ہے کہ بیشتر بچے ان جانوروں کے نام بتا دیں گے جو سبزہ کھاتے ہیں اور اسی طرح اگر ان سے گوشت خور اور ہمہ خور جانوروں کے بارے میں پوچھیں تو وہ ان جانوروں کے نام بتا دیں گے جو گوشت کھاتے ہیں اور ان کے بھی جو ہمہ قسم کی اشیاء کھاتے ہیں۔ اس لیے سوال آپ نے ان کی ذہنی سطح، زبان اور ماحول کی مطابقت سے پوچھے ہیں۔ اگر اس کی بجائے آپ ان سے ہربی وورز، کارنی وورز اور اومنی وورز جانوروں کے بارے میں پوچھیں تو تمام بچے خاموش رہیں گے کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ ان کے والدین اور ماحول نے ان جانوروں کا تعارف نہیں کروایا۔ اس طرح کے الفاظ ایف ایس سی سے پہلے کبھی نہیں استعمال ہوئے تھے اگر کبھی ہوئے بھی تھے تو پہلے اردو کا لفظ لکھا تھا اور ساتھ ہی بریکٹ میں انگریزی کا لفظ تھا مثلاً گوشت خور(Carnivores) مگر اب براہ راست انگریزی کے الفاظ اردو رسم الخط میں لکھنا اور ساتھ اردو میں معنی بھی نہ لکھنا عجیب اور ناقابل فہم سی منطق ہے۔

اب چوتھی جماعت کی کتاب سے چند اصطلاحات کی مثالیں پیش خدمت ہیں جو بچے کے سائنسی تصورات کی راہ میں کوہ ہمالیہ سے بڑی رکاوٹ پیدا کرنے کا سبب ہیں۔ مثلاً پولینیشن، فرٹیلائیزیشن، انفلوریسینس، سولیٹری پھول، انسیکٹس، اووریز، مونو کاٹی

لیڈ نز، ڈائی کاٹی لیڈ نز، جرمینیشن، سینس آرگنز، ڈائیجیسٹو سسٹم، سرکولیٹری سسٹم، ایکسکریٹری سسٹم، ریسپائریٹری سسٹم، پولیوشن، انرشیا، ریفلیکشن، پلین مرر میں امیج، ریفریکشن، وائبریشنز، میگنیٹک میٹیریل اور ورچوئل امیج وغیرہ استعمال کیے ہیں جن کے معانی اور مفہوم بتائے بغیر ہی نصاب میں شامل کر لیا گیا ہے۔ ذرا چوتھی جماعت کے بچے کی ذہنی سطح دیکھئے اور ان الفاظ کو دیکھئے۔ چھوٹے بچوں کے لیے یہ الفاظ ذہنی ٹارچر کا ذریعہ نہیں تو اور کیا ہے......؟ جن بیچاروں کو ابھی اردو کے چھوٹے چھوٹے اور آسان فہم الفاظ لکھنا نہیں آتے انہیں اس قدر مشکل، غیر مانوس اور معانی و مفہوم سے عاری الفاظ لکھنے پر مجبور کرنا سمجھانا، یاد کروانا کس قدر مشکل اور تکلیف دہ عمل ہے اس کا اندازہ کرنا محال ہے۔ ان اصطلاحات کو اردو اصطلاحات کی جگہ براہ راست لکھ کر بچے اور استاد دونوں کو سزا دی گئی ہے۔ جتنی توانائی، جتنی محنت اور جتنا وقت صرف کر کے بچے یہ الفاظ سمجھیں گے، یاد کریں گے اور ان کو لکھنا سیکھیں گے اتنے وسائل خرچ کر کے وہ سائنس کا پورا نصاب امتحان کے لیے سمجھ کر تیار کر سکتے ہیں۔ اسی طرح استاد کو بھی پہلے کی نسبت کئی گنا زیادہ توانائی خرچ کر کے بچے کو سمجھانا اور یاد کروانا پڑے گا۔

(4) آیئے چند نمونے پانچویں کی کتاب سے لیتے ہیں۔ کتاب مذکورہ کے صفحہ نمبر ۲۸ اور ۲۹ پر پروڈیوسر (producers) کنزیومرز (onsumers) اور ڈی کمپوزرز (decomposers) کے عنوانات بغیر مفہوم و معانی کے درج کر دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح آگے چل کر گریوی ٹیشنل فورس، نیچرل فورسز روشنی کی ریفلیکشن، پیرالل ریز اور بے شمار دیگر الفاظ براہ راست لکھ کر فہم و توضیح کا بہت بڑا خلا پیدا کر کے نسل نو کے ساتھ بہت بڑا ظلم کیا ہے۔

صفحہ نمبر ۱۰۹ پر روشنی کے دو قوانین کی تعریفیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ جن روشنی ایک پلین مرر سے ریفلیکٹ ہوتی ہے تو اس کا اینگل آف ریفلیکشن (reflection)، اینگل آف انسیڈینس (incidence) کے برابر ہوتا ہے۔

۲۔ انسیڈ ینٹ رے (incident ray) عمود اور ریفلیکٹیڈ رے (reflectied ray) ایک ہی پلین (plane) میں ہوتے ہیں۔

سابقہ نصابی کتب میں ان قوانین کو اردو زبان میں اس انداز سے لکھا تھا۔

۱۔ جب روشنی ایک مستوی (ہموار) آئینے سے منعکس ہوتی ہے تو اس کا زاویہ انعکاس زاویہ کے برابر ہوتا ہے۔

۲۔ شعاع واقع، عمود اور شعاع منعکس تینوں ایک مستوی پر واقع ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا قوانین کے دونوں انداز ملاحظہ کیجیے اور فیصلہ کیجیے کہ کون سا انداز زیادہ آسان، عام فہم اور بچوں کی ذہنی سطح سے مطابقت رکھتا ہے؟ مذکورہ قوانین میں نصاب سازوں نے باقی تمام اصطلاحات کے انگریزی الفاظ کو اردو رسم الخط میں لکھ دیا ہے مگر عمود کے لفظ کو ویسے ہی لکھ دیا ہے۔ شائد اس کے انگریزی لفظ کو اردو رسم الخط میں لکھنا ان کے لیے بھی مشکل ہو۔ اگر لکھ بھی دیتے تو انہیں کیا فرق پڑتا ہے؟ یہ الفاظ ان کے بچوں نے تھوڑا پڑھنے ہیں؟۔ انہیں پڑھنا تو متوسط اور غریب لوگوں کے بچوں نے ہے۔ اگر میں کہوں کہ یہ سب کچھ انہیں کے بچوں کو پڑھنے سے روکنے کے لیے کیا گیا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

سات رنگا تضاد:

جب انسان کے پاس کسی کام کا انداز واضح نہ ہو یا وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہو تو پھر ایسی حرکتیں کرتا ہے جو اسکی اپنی ذات پر عدم اعتمادی اور غیر یقینی کیفیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ نصاب میں اصطلاحات کے استعمال کا خاکہ واضح نہ ہونے کی بنا پر نصاب سازوں نے بار بار گرگٹ کی طرح اصطلاحات کے استعمال کا رنگ تبدیل کیا ہے۔ اس بوکھلاہٹ اور غیر یقینی صورت حال میں ان کو خود بھی نہیں پتہ کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟
ذرا یہ رنگ ملاحظہ کیجئے:

پہلا انداز: پہلے انداز میں اردو رسم الخط میں انگریزی کا لفظ اور ساتھ بریکٹ میں اسی لفظ کو انگریزی میں لکھتے ہیں مثلاً تیسری جماعت کی کتاب کے صفحہ ۱۵، ۱۶، ۲۳، ۲۴ پر ملاحظہ فرمائیے ۔ راؤنڈ ورمز (round worms) فلیٹ ورمز (flat worms) ارتھ ورمز (earth worms) انسیکٹس (insects) ہربی وورز (herbi vores) کارنی وورز (carni vores) اومنی وورز (omni vores) وغیرہ۔

دوسرا انداز: پہلے اردو کا لفظ لکھتے ہیں اور بریکٹ میں اس کا انگریزی ترجمہ لکھتے ہیں۔ مثلاً چوتھی جماعت کی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر نمکیات (salt) ، صفحہ ۲۸ پر مسکن (habitat) پانچویں کی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر دماغ کا اگلا حصہ (fore brain) صفحہ ۱۹ پر تحریک (stimulus) صفحہ ۲۳ پر غزائیت کی خرابی (malnutrition) وغیرہ۔

تیسرا انداز: اردو زبان میں کسی لفظ کو لکھنا اور یا کے ساتھ انگریزی کا لفظ اردو رسم الخط میں لکھنا مثلاً پانچویں کی کتاب کے صفحہ ۴، ۵ اور ۶ پر قلم کاری یا کٹنگ (cutting) پیوند کاری یا گرافٹنگ (grafting)، صفحہ ۱۵ پر مثانے یا بلیڈر، صفحہ ۹۷ پا جمود یا انرشیا وغیرہ۔

چوتھا انداز: عنوان اور اصطلاح کا ایک لفظ اردو کا اور دوسرا انگریزی کا۔ مثلاً پانچویں جماعت کی کتاب کے صفحہ ۸۸ پر حرارتی انرجی، روشنی، آواز کی انرجی، صفحہ ۱۰۴ پر با قاعدہ ریفلیکشن، بر قاعدہ ریفلیکشن۔ چوتھی جماعت کی کتاب کے صفحہ پر پولیوشن کے ذرائع وغیرہ۔

پانچواں انداز: تمام انگریزی الفاظ و اصطلاحات کو اردو رسم الخط میں لکھنا مثلاً تیسری جماعت کی کتاب کے صفحہ ۱، ۴، ۹، ۱۲، ۴۲ پر روٹ سسٹم، شوٹ سسٹم، سمپل اور کمپاؤنڈ لیف، سیمپلز، پٹیلز، موشن اور فورس وغیرہ۔

چھٹا انداز: انگریزی کا لفظ اردو رسم الخط میں اور بریکٹ میں ترجمہ اردو میں مثلاً تیسری کی کتاب کے صفحہ ۱ پر روٹ (جڑ) پانچویں کی کتاب کے صفحہ ۲۳ پر مریسمس (marasmus) (سوکڑا پن) وغیرہ۔

ساتواں انداز: پہلے انگریزی کا لفظ اردو رسم الخط میں اور / کے ساتھ اردو ترجمہ مثلاً پانچویں کی کتاب کے صفحہ ۲۳ پر میڈیسن / دوائی (میڈیسن) صفحہ ۱۰ پر خوان کی نالیوں / بلڈ ویسلز وغیرہ۔

☆ اگر جاپان میں جاپانی زبان ذریعہ تعلیم ہو سکتی ہے۔ چین میں چینی، جرمنی میں جرمن، فرانس میں فرانسیسی، روس میں روسی، سپین میں ہسپانوی اور دیگر ترقی یافتہ

ممالک میں ان کی اپنی زبانوں میں سائنسی نصاب پڑھایا جاسکتا ہے تو پاکستان میں اردو زبان میں کیوں نہیں پڑھایا جاسکتا؟

☆ اصطلاحات کے استعمال کا یہ ماڈل کس ترقی یافتہ ملک کا ہے؟ کیا اس ملک سے سائنسی نصاب سے اس ماڈل کی مثالیں دی جاسکتی ہیں؟ اس ماڈل کے پیچھے کون سے تحقیق کارفرما ہے؟ یہ تحقیق کن لوگوں نے کی اور کس طرح بین الاقوامی تحقیقی جرنل (journal) میں شائع ہوئی؟

☆ اگر پورے پاکستان سے سائنسی مضامین کے پی ایچ ڈی ڈاکٹر کو ایک جگہ بٹھایا جائے اور ساتھ ان نام نہاد نصاب سازوں اور ان کے سرپرستوں کو بھی اور انہیں سائنس کی انگریزی اصطلاحات کو اردو رسم الخط میں لکھنے کی املاء لکھائی جائے شاید یہ حضرات بھی نہ لکھ پائیں گے۔

☆ بچہ تو فطری طور پر تحقیق و جستجو کا مادہ لے کر پیدا ہوتا ہے مگر غیر فطری سائنسی نصاب اس میں تحقیق و جستجو کا مادہ ختم کر کے فقط رٹّا لگانے اور پاس ہونے کی فکر لاحق کر دیتا ہے اور اس نصابی تبدیلی کا مرکزی نقطہ بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان معصوموں کے ذہنوں سے تجسس و جستجو کا مادہ ہی ختم کر دیا جائے۔

☆ نصاب سازی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اس کا مرکز و محور بچہ ہوتا ہے، نہ استاد، نہ والدین، اور نہ معاشرہ۔ نصاب میں بچے کی مرکزیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی لفظ، جملہ اور عبارت ایسی نہیں ہے جو بچے کے لیے مبہم ہو۔ مانوس الفاظ کی بجائے غیر مانوس الفاظ نہیں لکھے جاسکتے۔ ایسے الفاظ جو خود بخود اپنے معانی و مفہوم کو ادا کرتے ہوں ان کی جگہ ایسے الفاظ نہیں لکھے جاسکتے جن کے معانی استاد کو بتانا پڑیں یا لغت

سے دیکھنا پڑیں یا جن کا مفہوم ذہن نشین کرنا مشکل ہو یا کسی بھی اعتبار سے مبہم ہوں۔ کسی دوسری زبان کے الفاظ وہ بھی بغیر معانی و مفہوم کے غیر فطری انداز میں اور پھر اردو رسم الخط میں لکھ دینا کیا نصاب میں بچے کی مرکزیت کو ظاہر کرتا ہے؟ کیا کوئی نصاب ساز اس نصاب کا مرکز و محور بچہ ثابت کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

☆ رٹّا کب لگایا جاتا ہے؟ اس وقت جب الفاظ و فقرات مشکل اور اجنبی ہوں جب الفاظ کے معانی و مفہوم سمجھنے کے لیے دقّت پیش آئے۔ موجودہ سائنسی نصاب سے رٹے بازی میں بے پناہ اضافہ ہوگا اور ہم سب لوگ جانتے ہیں کہ رٹّا تخلیقی صلاحیتوں کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

☆ کسی چیز کو اگر عام کرنا مقصود ہو تو اسے اس سطح تک لایا جاتا ہے کہ وہ عام لوگوں کی پہنچ میں آجائے۔ بصورت دیگر وہ خواص کے لیے ہی ہوگی عوام کے لیے نہیں اسی طرح اگر ہم سائنس کو عام کرنا چاہیں تو اسے آسان فہم زبان میں لکھنا پڑے گا۔

☆ کیا مسلمانوں کے دور عروج میں مسلمانوں نے اپنی زبان میں کتابیں نہیں لکھیں؟ کیا انہوں نے دیگر زبانوں سے علوم کو اپنی زبانوں میں منتقل نہیں کیا؟ کیا اپنے مدرسوں اور جامعات میں انہوں نے اپنی زبانوں میں سائنسی علوم وفنون کو رائج کیا یا غیر ملکی زبانوں میں؟ کیا مسلمان سائنس دانوں نے اپنی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنایا یا غیر ملکی زبانوں کو؟ کیا انگریز اور دیگر مما لک کے لوگوں نے سائنسی و دیگر علوم و فنون میں ترقی کے لیے مسلمانوں کی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنایا یا اپنی قومی زبانوں کو؟ کیا انہوں نے مسلمانوں کی کتابوں کو اپنی زبانوں میں منتقل کر کے اپنے تعلیمی اداروں میں نافذ نہیں کیا؟ کیا ہم بھی جدید علوم وفنون کو اپنی قومی زبان میں رائج کر کے ترقی و خود

انحصاری کی عظیم الشان عمارت تعمیر نہیں کر سکتے ؟ کیا ہمارے لیے بھی یہی ترقی کا راستہ بالکل واضح نہیں ہے؟ پھر کیوں واضح اور سیدھے راستوں کو چھوڑ کر خاردار راستوں کا انتخاب کیا جا رہا ہے؟ اچھا معلم وہی ہے جو اس علاقے اور قوم کی زبان میں تعلیم دے۔

☆ دوسروں کی محنت، تحقیق اور جستجو پر تکیہ کرنے اور دوسروں کے دماغوں سے سوچنے والی قوم کس طرح ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو سکتی ہے؟ غور و فکر کی دولت سے تہی دست قوم پر اپنے انعامات کی بارش کرنے کا خدا کا وعدہ کہاں وعدہ کیا ہے؟

☆ دنیا میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر لوگوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح ہدایت کے لیے تشریف لائے۔ کیا خدا نے کوئی ایسا پیغمبر بھی مبعوث فرمایا ہے جس کی زبان ان لوگوں سے مختلف ہو جن کی طرف اسے بھیجا گیا ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ زبان کے اختلاف سے ابلاغ ممکن نہیں تھا۔ اچھے ابلاغ کی شرط یہ ہے کہ مخاطب اور سامع دونوں کی زبان ایک ہو ورنہ اصلاح و تربیت کا عمل بخوبی انجام نہیں پا سکتا۔

☆ تحقیق و تخلیق اور ایجادات کا تعلق مؤثر و مرتکز سوچ اور غور و فکر کے ساتھ ہے۔ اور غور و فکر انسان ہمیشہ اس زبان میں کرتا ہے جسے وہ اچھی طرح سمجھتا، بولتا اور اس میں اظہار خیال کرتا ہے۔ سب سے بہترین سوچ کی زبان اسکی مادری زبان ہوتی ہے۔ سوچا بھی الفاظ و فقرات ہی میں جاتا ہے۔ ایک تصور انسان کے دماغ میں الفاظ وفقرات کی صورت میں ہی آتا ہے۔ گفتگو کے ذریعے یا لکھ کر انسان ان لفاظ وفقرات میں ترتیب و نکھار پیدا کرتا ہے۔ کیا جس زبان کو انسان اچھی طرح جانتا ہی نہیں اس میں سوچ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کسی غیر ملکی زبان میں سوچنا ناممکن بھی ہے اور خلاف

فطرت بھی۔اسی لیے ہم پر تحقیق وتخلیق اور ایجادات کے دروازے بند ہیں۔

☆ بچے ذوق جمالیات اور تجسس و جستجو کی تسکین کے لیے کہانیاں، ترانے، نغمے، نعتیں، لطیفے، پہلیاں اور دیگر سرگرمیاں اپنی زبان میں کرتے ہیں۔اس کے علاوہ اردو، معاشرتی علوم، دینیات جیسے مضامین اپنی قومی زبان میں پڑھتے ہیں۔ان سرگرمیوں میں سیکھے جانے والے الفاظ سائنس پڑھنے میں معاونت و مدد سے دست کش ہو جانے کے مترادف ہے۔

☆ ساتویں کی جماعت کی سائنس کی کتاب کے صفحہ نمبر ۶۳ پر انگریزی کے لفظ variation کو اردو میں ویری ایشنز جماعت نہم کی فزکس کے صفحہ نمبر ۳۹ پر انگریزی کے لفظ displacement کو ڈس پلیسمنٹ، صفحہ نمبر ۵۵ پر gravitaional acceleration کو گریوی ٹیشنل ایکسیلریشن، صفحہ نمبر ۱۱۱ پر equilibrium کو ایکوی لبریم لکھا ہے۔ اسی قبیل کے بے شمار دیگر الفاظ کی مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں۔انگریزی کا لفظ vartation ایک لفظ ہے مگر اردو میں اسے دو ٹکڑے کر کے لکھا گیا ہے۔پہلا ویری اور دوسرا ایشنز۔انگریزی کے لفظ میں اکٹھا ہونے کی وجہ سے ایک تسلسل اور روانی ہے۔جبکہ اردو کے لفظ کے دو ٹکڑے ہونے کی وجہ سے ان کا تسلسل، روانی اور تلفظ غلط ہو جاتا ہے۔اور اگر ویری ایشنز کو اکٹھا کیا جائے تو اریری ایشنز بنتا ہے۔لہذا انگریزی الفاظ کو اردو میں لکھنے سے ان کا تسلسل، روانی اور تلفظ بگڑنے کے ساتھ ساتھ الفاظ بھی بگڑ جاتے ہیں۔اسی طرح انگریزی کے الفاظ displacement gravitational acceleration equilibrium کو ٹکڑوں میں ڈس پلیسمنٹ، گریوی ٹیشنل ایکسیلریشن اور ایکوی

لبریم لکھنے سے ان کا تسلسل، روانی اور تلفظ بگڑ جائے گا۔

☆ نصاب ساز اور ان کے حواری کہتے ہیں کہ اردو کی بجائے انگریزی اصطلاحات براہ راست اس لیے استعمال کی گئیں چونکہ ایف ایس سی سائنس انگریزی میں پڑھنا پڑتی ہے اور میٹرک تک اردو میں۔ جب طلباء و طالبات میٹرک سے ایف ایس سی میں جاتے ہیں تو ان کے لیے ذریعہ تعلیم یکدم اردو سے انگریزی اختیار کرنے کی وجہ سے ایک خلاء پیدا ہو جاتا ہے جس کو پر کرنے کے لیے ایسا کیا گیا ہے تا کہ طلباء و طالبات ایف ایس سی میں پہنچنے سے پہلے ہی ان اصطلاحات سے واقف ہو جائیں اور ایف ایس سی کسی حد تک آسان ہو جائے۔ یہ دلیل مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر باطل قرار پاتی ہے۔

☆ موجودہ نصاب میں بے ہنگم اچھل پچھل کی بجائے اگر ایف ایس سی کی کتاب میں انگریزی اصطلاحات کے ساتھ بریکٹ میں اردو اصطلاحات لکھ دی جاتیں تو یہ مقصد بخوبی پورا ہو سکتا تھا مثلاً (ایصالیت) conduction، (توازن) equilibrium وغیرہ۔

ایشین بینک کے قرضے سے سائنس ایجوکیشن پراجیکٹ کی طرف سے گذشتہ چند سالوں میں اساتذہ کو جتنی بھی ٹریننگ دی گئی وہ ان خلاصے طبع کرنے والی کمپنیوں کے جھنڈے تلے ہی دی گئی ہے۔ کیا ارباب اختیار اور پالیسی ساز ادارے اور افراد اس سے بے خبر ہیں؟

☆ ایف ایس سی کی نصابی سائنسی کتب میں اگر ایک طرف انگریزی اور دوسری طرف سلیس اردو ترجمہ ہوتا تو بھی طلباء و طالبات کے لیے فہم سائنس میں خاصی

آسانی ہوجاتی۔اس میں حرج ہی کیا ہے؟ مقصد تو نفس مضمون کا فہم حاصل کرنا ہے۔

☆ اگر مقصد مذکورہ خلاء ہی پر کرنا تھا تو اس کا طریقہ یہ بھی تھا کہ ابتدائی کلاسوں کے امتحان میں ایک سوال لازمی کر دیا جاتا جس میں اردو اصطلاحات سوال کی شکل میں پرچے کے ایک طرف لکھی ہوتیں اور دوسری طرف انہیں اصطلاحات کو انگریزی میں لکھنا ہوتا تاکہ اگلی کلاسوں کے لیے یہ اصطلاحات آسانی پیدا کر دیتیں۔

☆ اردو کی اصطلاحات اس لیے اجنبی اور مشکل محسوس ہوتی ہیں کیونکہ انہیں نصاب کے ذریعے رائج کر کے مستعمل نہیں بنایا گیا۔اگر انہیں نصاب کے ذریعے رائج کر دیا جاتا تو ان کے زیر استعمال آنے کی وجہ سے ان کی اجنبیت ختم ہوجاتی۔اس طرح ان کے ذریعے سائنس سمجھنا کئی گنا زیادہ آسان ہو جاتا۔اور ان کے مشکل ہونے کا تصور ختم ہو جاتا۔پاکستان اگر خود تھرمامیٹر تیار کرتا اور اس پر حرارت پیما لکھا ہوتا تو یہ لفظ بھی تھرمامیٹر کی جگہ زباں زد عام ہوجاتا۔

☆ ایسے مستعمل اور عام فہم الفاظ کے ساتھ سائنس پڑھنا دراصل فہم سائنس کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب اور ثقافت سے بھی رشتہ مضبوط کرنا ہے۔کوئی چیز اس وقت عام ہوتی اور پھلتی پھولتی ہے جب اسے بطور ثقافت پروان پڑھایا جائے۔اور زبان کے بغیر کوئی ثقافت پروان نہیں چڑھ سکتی۔کیونکہ زبان ہر ثقافت کا اہم ترین حصہ ہوا کرتی ہے۔

☆ ہندی بھی دراصل ۹۸ فیصد اردو ہی ہے۔بھارتی فلمیں پاکستان میں ان پڑھ بھی دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔اردو جاپانی سے، جرمن سے، فرانسیسی سے، ہسپانوی سے، اور بہت سے دیگر ترقی یافتہ ممالک کی کئی گنا بڑی زبان ہے۔یہ چھوٹی چھوٹی

زبانیں بولنے والے ملک تو اپنے تمام سطح کے سائنسی نصابات کو اپنی زبانوں کے سانچے میں ڈھال سکتے ہیں۔

☆ اردو میں پاس ہونے والے کی شرح تقریباً سو فیصد کے برابر ہوتی ہے اور انگریزی میں پاس ہونے والوں کی شرح اس کے مقابلے میں بیس فیصد سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ٹیوشن کس مضمون کی زیادہ پڑھی جاتی ہے؟ اردو کی یا انگلش کی؟ ملک میں ہر سال ہزاروں طلباء طالبات ایسے ہوتے ہیں جو انگریزی کی وجہ سے میٹرک ایف اے اور بی اے نہیں کر سکتے۔ ایک ایم اے انگلش آدمی انگریزی اخبار کو بغیر ڈکشنری کے ایک ہی نشت میں نہیں پڑھ سکتا۔ مگر اردو اخبار کو تھوڑا پڑھا لکھا آدمی بھی بآسانی پڑھ سکتا ہے۔

نصابی اصول شکنی کے چند مزید نمونے

فزکس نہم کے صفحہ نمبر ۳۷ پر جملہ ملاحظہ فرمائیں:

اگر جسم سیدھی لائن میں حرکت کرے تو اسے لیئر موشن کہتے ہیں' اسی کے ساتھ صفحہ نمبر ۳۸ پر جملہ دیکھیئے جب کسی جسم کا ہر ذرہ ایک جگہ قائم پوائنٹ یا ایکسز کے گرد گھومے تو اسے روٹیٹری موشن کہتے ہیں۔ یہ جملہ درست قابل فہم اور آسان اردو میں اس طرح لکھا جانا چاہیے تھا'' جب کسی جسم کا ہر ذرہ ایک جگہ قائم نقطے یا محور کے گرد گھومے تو اسے گردشی حرکت کہتے ہیں۔

صفحہ نمبر ۳۹ پر جاہل مصنفین نے سرخُ جمائی ہے'' فاصلہ اور ڈس پلیسمنٹ'' نام نہاد تبدیلی سے پہلے یہ سرخی اس طرح تھی'' فاصلہ اور ہٹاؤ لفظ ہٹاؤ اپنے معنیٰ خود دیتا ہے

یعنی کوئی جسم کتنا اپنے مقام سے ہٹ کر سیدھا دوسرے مقام پر چلا گیا ہے یہ فاصلہ ہٹاؤ کہلاتا ہے۔صفحہ نمبر۶۳ پر نئے باب کا نام کاٹھے انگریز لکھتے ہیں موشن اور فورس انگریز کے ان غلاموں اب حرکت اور قوت جیسے الفاظ بھی ہضم نہیں ہوتے۔ان ظالموں کے باپ دادا نے بھی ایسی کوئی لغت نہیں لکھی ہوگی جس میں موشن اور فورس کو اردو میں شامل کیا گیا ہو۔ذرا انگریزی لکھتے وقت اردو کے الفاظ کو انگریزی میں شامل کر کے دیکھئے کیا انگریز انہیں قبول کرتے ہیں۔اس سے آگے صفحہ ۶۴ پر پنجاب ٹیکسٹ بک کے جہلا رگڑ کو فرکشن اور جمود کو انرشیا لکھتے ہیں۔رگڑ اور جمود دنوں انتہائی عام فہم اور ماحول میں رچے بسے الفاظ ہیں۔ان کو ختم کر کے فرکشن اور انرشیا وہی لکھ سکتا ہے جو کسی نفسیاتی ہسپتال میں داخل کروانے کے لائق ہو۔دولت انگریزیہ کے پروردہ صفحہ نمبر۷۱ پر حاصل قوت کو رزلٹنٹ فورس لکھتے ہیں۔ذرا دونوں اصطلاحات کی مشکل پسندی، ماحول سے ربط اور زبان کی درستگی کا انداہ لگایئے۔اگر کوئی انگریز اپنی زبان میں موجود الفاظ کے ہوتے ہوئے چند الفاظ بھی کسی دوسری زبان کے استعمال کر لیتا ہے تو حکومت اسے پھانسی پر لٹکا دیتی۔صفحہ نمبر۱۶۷ پر ڈھلوان سطح کا میکانی مفاد لکھنے کی بجائے انکلائنڈ پلین کا مکینیکل ایڈوانٹیج لکھا ہے۔ان نصاب ساز جہلاء کو جمع کر کے ایسی ہی چند اصطلاحات کی املا لکھوا لیجئے سب کے کس بل نکل جائیں گے اور معصوم بچوں پر ظلم کرنے والوں کی اصلیت کھل کر سامنے آجائے گی۔دیگ کے یہ چند چاول تھے۔پوری کتاب ہی سامراجی زہر خورانی کے جان لیوا منصوبے کی آئینہ دار ہے۔

اب ذرا بیالوجی (حیاتیات) جماعت نہم کی کتاب سے چند نصابی جہالت کے نمونے ملاحظہ فرمائیں:

اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۶ پر لکھا ہے جڑ، تنا شاخیں اور پتے سیکسوئل ریپر وڈکشن (sexual reproduction) میں حصہ نہیں لیتے اور وجیٹیٹو (vegetative) آرگنز کہلاتے ہیں۔ پھول پودے کے ریپر وڈکٹو (reproductive) آرگنز ہیں کیونکہ یہ سیکسوئل ریپر وڈکشن میں حصہ لیتے ہیں۔

اس فہم کُش جملے کا آسان فہم اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جڑ، تنا، شاخیں اور پتے جنسی تولید میں حصہ نہیں لیتے اور نباتاتی اعضاء کہلاتے ہیں۔ پھول پودے کے جنسی اعضاء ہیں کیونکہ یہ جنسی تولید میں حصہ لیتے ہیں۔

ان دونوں پیراگرافوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انگریزی کے پاگل پن کو کس طرح نصاب میں سمو کر بچوں کو لکھنے، پڑھنے اور یاد کرنے کی مشکلات پیدا کی گئیں ہیں۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲۴ پر تحریر ہے جانداروں کے بارے میں سوالات نے ایسے پرابلمز (problems) مہیا کیے ہیں جن پر تحقیق کر کے انسان نے اپنی بقا میں مدد پائی اور اپنی جاننے کی خواہش کو بھی پورا کیا۔ وہ سائنٹفک میتھیڈ کہلاتا ہے۔ یہ ان اقدامات پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک بائیولوجسٹ ایک بائیولوجیکل پرابلم کو حل کرنے کے لیے اٹھاتا ہے۔

انگریزی کی خبطی جہالت میں ڈوبے ہوئے اس جملے کو صرف رٹّا ہی لگایا جا سکتا ہے۔

یہی پیراگراف درست اور آسان فہم اردو میں دیکھیں:

جانداروں کے بارے میں سوالات نے ایسے مسائل کو جنم دیا ہے جن پر تحقیق کر کے انسان نے اپنی بقا میں مدد پائی اور اپنی جاننے کی خواہش کو بھی پورا کیا۔ وہ سائنسی طریقہ کار جس میں حیاتیاتی مسائل کو حل کیا جاتا ہے حیاتیاتی طریقہ کہلاتا ہے۔ یہ ان

اقدامات پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک ماہر حیاتیات ایک حیاتیاتی مسئلے کو حل کرنے کے لیے اٹھاتا ہے صفحہ نمبر ۳۹ پر نصابی حماقت کا ایک اور نمونہ دیکھئے جس میں دانستہ مشکلات پیدا کی گئیں ہیں گرم علاقوں میں یعنی ٹراپکس

(tropics) میں بائیوڈائیورسی سب سے زیادہ ہے۔ معتدل یعنی ٹمپریٹ علاقوں (temperate regions) میں بھی بہت سی سپیشیز ہیں جبکہ ٹھنڈے یعنی پولر علاقوں (polar regions) میں چند ہی سپی شیز پائی جاتی ہیں۔ اس پیراگراف کو آسان اور سادہ زبان میں ایسے لکھا ہے۔ گرم علاقوں میں حیاتیاتی تنوع سب سے زیادہ ہے۔ معتدل علاقوں میں بھی بہت سی انواع ہیں جبکہ ٹھنڈے علاقوں میں چند ہی انواع پائی جاتی ہیں۔ آپ دونوں اقتباسات کا موازانہ کر لیجئے آپ کو انداز ہوگا کہ پہلے اقتباس کی حماقت خیزی کس درجے کی ہے۔ بچے کو بیک وقت تین الفاظ یاد کرنا پڑتے ہیں۔ ۱۔ گرم علاقے ۲۔ ٹراپکس ۳۔ tropics، اسی طرح ۱۔ معتدل ۲۔ ٹمپریٹ ۳ temperate regions یعنی ۱۔ اردو کا حقیقی لفظ ۲۔ انگریزی کا لفظ اردو رسم الخط میں اور ۳۔ انگریزی کا لفظ انگریزی رسم الخط میں۔ بچے کو ہر قیمت نفسیاتی مریض بنانے کی ممکن کوشش کی گئی ہے۔

آیئے اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۴۵ پر نصابی سفاکیت کا ایک اور رٹہ ملاحظہ فرمائیں جہاں عنوان ہے '' دو کنگڈم کلاسیفیکیشن سسٹم'' اس کے تحت سامراجی ٹکڑوں پر پلنے والے نصابی دہشت گرد رقم طراز ہیں یہ سب سے پرانا سسٹم ہے اور جانداروں کی کلاسیفیکیشن دو کنگڈمز یعنی کنگڈم پلانٹی (kingdom plantae) اور کنگڈم اینیمیلیا (kingdom animalia) میں کرتا ہے۔ اس سسٹم کی بنیاد جانداروں

کے خوراک تیار کرنے کی صلاحیت پر تھی ۔ اس کے مطابق تمام آٹو ٹرافس (autotrphs) یعنی وہ جاندار جو اپنی خوراک خود تیار کر سکتے ہیں۔کنگڈم پلانٹی میں شامل کیے گئے ہیں ۔ دوسری طرف تمام ہیٹر وٹرافس (heterotrphs) یعنی وہ جاندار جو اپنی خوراک خود تیار نہیں کر سکتے ،کنگڈم اینیمیلیا میں شامل کیے گئے ہیں۔اس کلاسیفیکیشن سسٹم میں بیکٹر یا ، الجی اور فنجائی کی کلاسیفیکیشن ظاہری مشابہتوں کی بنا پر کنگڈم پلانٹی میں کی جاتی تھی۔

اس اعصاب شکن نصابی عبارت کا درست اور آسان انداز ملاحظہ فرمائیں یہ سب سے پرانا نظام ہے اور جانداروں کی درجہ بندی عالم نباتات اور عالم حیوانات میں کرتا ہے۔ اس نظام کی بنیاد جانداروں کے خوراک تیار کرنے کی صلاحیت پر تھی۔اس کے مطابق تمام خود پرورده یعنی وہ جاندار جو اپنی خوراک خود تیار کر سکتے ہیں عالم نباتات میں شامل کیے گئے ہیں ۔ دوسری طرف تمام دیگر پرورده یعنی وہ تمام جاندار جو اپنی خوراک خود تیار نہیں کر سکتے ، عالم حیوانات میں شامل کیے گئے ہیں۔اس درجہ بندی کے نظام میں بیکٹر یا ، کائی، اور پھپھوندی کی درجہ بندی ظاہری مشابہتوں کی بنا پر عالم نباتات میں کی جاتی تھی۔

نہم و دہم کی طبعیات (فزکس)، کیمیا، (کیمسٹری) اور حیاتیات (بیالوجی) کی نصابی کتابوں کا ایک صفحہ بھی ایسا نہیں چھوڑا گیا جو زبان و بیان کے کسی ضابطے کا پابند ہو۔ نصاب سازی کے بین الاقوامی اصول وضوابط کی بھی ایسے دھجیاں اڑائی گئی ہیں جس کی یقیناً تاریخ میں مثال نہیں ملتی ۔ سائنس کی تمام کتابوں میں سامراجی ایجنٹوں نے ایک طوفان بدتہذیبی برپا کر کے کئی نسلوں کا مستقبل اور ان کی ذہنی وجسمانی صحت کو برباد

کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔نصاب کی تباہی کا یہ جرم لاکھوں انسانوں کے قتل عام سے زیادہ سنگین ہے۔ ہر صفحے پر بے ہنگم اور روح فرسا تبدیلی ان قومی مجرموں کو تختہء دار کی طرف لے جا رہی ہے۔جس کو میرے ان تلخ جملوں پر شک ہو وہ ان کتابوں کا ایک دفعہ مطالعہ ضرور کرے ۔ یقیناً وہ سر کو پیٹ کر سچائی کا برملا اقرار کرے گا۔ جی تو چاہتا ہے ان کتابوں سے ہزاروں مثالیں پیش کروں جو پنجاب کے کروڑوں بچوں کو تعلیم سے بد دل کر کے انہیں دہشت گرد بنانے یا ہوٹلوں پر برتن مانجھنے کے لیے مجبور کرتی ہیں مگر طوالت کے خوف سے انہیں درج نہیں کیا ہے۔سائنسی مضامین کی درسی کتابوں کا یہ انداز ۲۰۰۲ء سے جبراً چلا آ رہا ہے۔ابھی تک صرف ایک کتاب کسی حد تک اس حماقت خیز انداز سے بچی ہوئی تھی جو نہم و دہم کی کیمیا کی تھی مگر ۲۰۱۲ء میں اس کا حلیہ بھی باقی کتابوں کی طرح بگاڑ دیا گیا۔

(29) چین، جاپان، روس اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک نے اپنا سائنس اور ریاضی کا نصاب انگریزی میں کر دیا ہے؟ کیا یہ حقیقت ابھی حکومت پر کھلی ہے؟ لکھنے والے نے کبھی جاپان کی لائبریریاں دیکھی ہوتیں اور ان میں سائنس اور ریاضی میں لکھے ہوئے علمی سرمائے کو دیکھا ہوتا تو ایسا جھوٹ بولنے کی جسارت نہ کرتا۔

فصل سوم :

مذہبی نصاب پر مغربی فکر کے اثرات

مدارس کے نظامِ تعلیم پر مغربی فکر کے اثرات بایں معنیٰ کہ اس کے نصاب میں ایسی عبارات ہوں جو معاشرے کو مغربی اقداع کی طرف دھکیل رہی ہوں ایسا بالکل نہیں ہے۔ یہ نصاب تعلیم ،اسلامی اقدار کو ہی تقویت دیتا ہے۔

اس نصاب سے گذرنے والا طالب علم مذہب سے مضبوط وابستگی رکھنے والا مسلمان بنتا ہے تو کسی بھی حالت میں مذہب اقدار کو چھوڑنا گوارا نہیں کرتا بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں دین اسلام کے احیاء کا خواہاں رہتا ہے اس کی ترجیحات عام پبلک سکول سے پڑھے ہوئے طالب علم سے مختلف ہوتی ہیں وہ دین پر عمل کرنے اور کروانے میں سستی و کاہلی کو جرم تصور کرتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمود احمد غازی رقمطراز ہیں کہ:

> ''پاکستان میں رائج تمام مدارس میں گو کہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں ان میں درس نظامی کا نصاب ہی چند تبدیلیوں کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے۔ یہ وہی نصاب ہے جسے نظام الدین سہالوی نے عالمگیر کے عہد میں تشکیل دیا تھا ایک رائے کے مطابق ان سے بھی چالیس سال قبل نظام الدین سہالوی کے والد نے اس نصاب کو مرتب کیا تھا۔لیکن حکومتی سطح سے سرپرستی

ملنا اوراس کا مشہور ہونا نظام الدین سہالوی کے زمانہ میں ہی ہوا شاہ ولی اللہ نے بھی اس میں کچھ تبدیلیاں کیں اور انگریز کے عہد میں جب وہ غالب آ گیا تو برصغیر کے لیے قانون سازی کی جا رہی تھی اسلامی فقہ سے استفادہ کے لیے جن علماء کو حکومت قبول کرتی تھی ان کے لیے درس نظامی کا پڑھا ہوا ہونا ضروری تھا''۔[۴۴]

جس وجہ سے انگریز کے عہد میں بھی برصغیر میں درس نظامی کے نصاب کو دینی حلقوں میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ آج بھی چند تبدیلیوں کے ساتھ یہی نصاب مدارس دینیہ میں رائج ہے، کسی چیز کے اثرات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زیر بحث چیز اپنے اثرات وافادیت اور اہداف میں اس طرح کامیابی حاصل نہ کر سکے جیسے کہ اس کی افادیت و اثرات ہونے چاہئیں تھے۔ عالمگیر کے زمانہ میں درس نظامی اس مقصد کے لیے تشکیل دیا گیا تھا کہ اس کے فاضلین وہی کام سرانجام دیتے ہیں۔ برصغیر کے معروضی حالات وسیاسی کشمکش کی وجہ سے اس کی یہ حیثیت تو نہ رہی مگر اس چیز کا جواز بھی اہل مدارس کے پاس نہیں ہے کہ طالب علم کے ذہن سے اس تصور کو بھی محو کر دیا جائے کہ اجتماعیت میں دین کا ہونا بھی اسی طرح لازمی ہے جس طرح ایک شخص کی انفرادی زندگی میں دین کا ہونا لازمی ہے اور طلباء کی ذہن سازی کرتے وقت ایسا انداز اختیار کرنا جیسا کہ آج سے تین سو سال قبل عیسائی مدارس میں ہوتا تھا کہ امور دنیا کو تو اہل دنیا چلائیں گے اور امور دین کی ذمہ داری اہل مدارس کی ہے دین اور دنیا کو الگ الگ خیال کرنا ہی آج کا کفر ہے اس کو سیکولر اور لبرل ازم کہتے ہیں۔ اکثریت طلباء اور بعض مدرسین کا آنکھوں دیکھا حال درج کیا جاتا ہے جو اس شعر کا مصداق ہے

بلکہ بعض حلقہ احباب میں اس پر فخر کیا جاتا ہے۔

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
کتابوں میں مریں گے ہم ورق ہوں گے کفن اپنا

دین دار اور دنیا دار کی اصطلاح اور یہ تصور مضبوط ہوتا جارہا ہے جس کی تقویت اہل مدارس بھی کرتے ہیں اسلام میں ایسی کوئی تقسیم نہیں ہے جس نے بھی کلمہ پڑھا ہے وہ دین دار ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کے صرف دل میں کسی کے دل ودماغ میں اور کسی نے دل ودماغ وحلیہ میں انہی کی جھلک نظر آتی ہے اور کوئی اپنے تمام معاملات انفرادی و اجتماعی میں دین محمدی سے سرفراز نہیں ہوتا یہ تقوٰی کے درجات تو ہوسکتے ہیں ۔کیا دین سے خارج نہیں ہوسکتے دنیا تو وہ ہے جو اپنے رب سے غافل کردے اور جو دنیا محمد عربی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق گذاری جائے وہ دین ہی ہے اس کا اجر ایسے ہی ملے گا جیسے کہ عبادت کا ہے۔

خارجی شوروغل سے اہل مدرسہ بھی کسی حد تک اس نظری فکری تبدیلی سے متأثر ہوتے ہیں، دینی مدارس اسلامی نظامِ تعلیم کا عکس ہونے چاہیے تھے جس میں ایک فرد اپنی دینی، معاشی، سماجی، سیاسی واخلاقی ضروریات کو پورا کرسکے، اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جن حالات میں امت نے مدارس کی دوبارہ بنیاد رکھی اور جو کچھ ہوسکتا تھا اور جو انہوں نے کیا یہ ان عظیم ہستیوں کا ہی کارنامہ ہے امت ان کے احسان کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

1857 کے بعد مدارس نے جو بھی اقدام اٹھائے وہ ایک دینی نظامِ تعلیم کے احیاء کے لیے نہ تھے بلکہ اہل مغرب کی فکری یلغار سے دفاع کے لئے تھا۔آسانی

کے لیے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک دینی حلقوں کی طرف سے ایک ردعمل تھا اس نظامِ تعلیم کا جو انگریز برصغیر پر نافذ کر رہا تھا۔ لہذا آج بھی مدارس دینیہ کو اسلامی نظامِ تعلیم کا آئینہ دار نہیں کہا جا سکتا۔

اسلامی نظامِ تعلیم کا عکس دیکھنا ہو تو مسلمانوں کی ابتدائی چھ صدیوں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آج اگر اہل مدارس مکمل اسلامی نظامِ تعلیم نافذ کرنا چاہتے ہیں تو سکول کی تعلیم کو بھی شامل نصاب کریں سکول کی تعلیم میں ابتدائی بارہ سال بچے کو کوئی خاص مہارت سکھانے کی بجائے سیکولر اور لبرل بنانے پر زیادہ زور ہوتا ہے جیسا کہ ابتدائی ابواب میں واضح کیا گیا۔ معاشی استحکام اور بات ہے اہل مدارس کو معاشی استحکام کا جھانسا دے کر ان کو بھی دیگر فاضلین عصری جامعات کی طرح نوکری کے لالچ میں لگانا چاہتے ہیں حالانکہ معاشی استحکام کے لیے ماہر معاشیات علاقائی صنعتوں کے بارے میں کوئی نصاب بنا کر دے سکتے ہیں مثلاً ایک معیشت کو نہ جاننے والا فرد بھی اہل مدارس کے معاشی استحکام کے لیے چند اہم تدابیر رکھتا ہے۔ تجارت کے فضائل اپنی جگہ پر مسلم ہیں جن قوموں کے ہاتھ میں تجارتی معاملات ہوتے ہیں وہ معاشی طور پر دوسروں سے مستحکم ہوتے ہیں۔ علاقائی تجارت کی بہت سی شکلیں ہیں ان کے بارے میں صرف چند ماہ میں ایک عالم دین مہارتیں حاصل کر کے اچھا روزگار کا ذریعہ پیدا کر سکتا ہے۔ مثلا دیہاتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھینسوں کی اقسام کو جان کر اچھی تجارت کر سکتا ہے۔ شمالی علاقہ جات سے آنے والے طالب علم وہاں کے فروٹ اور خشک میوا جات کی خرید وفروخت کا کام کر سکتے ہیں۔ صنعت میں درزی کا کام اور آرٹی فشل کی خرید وفروخت اچھا روزگار ہے جو

کم سرمایہ سے بھی ہوسکتا ہے۔

دینی مسائل کی تعلیم تو دی جاتی ہے مگر اس کی موجودہ دور میں عمل کی صورت نہ سمجھانے کی وجہ سے ایک طالب علم بھی لاشعوری طور پر صرف تصورات کی بات خیال کرتا ہے۔ان حالات میں جتنا کہ ممکن ہے دین کی عملی شکل کا سمجھنا اسی طرح ضروری ہے جتنا کہ علم دین کا سیکھنا ضروری ہے کیونکہ اس وقت سب کا حملہ عقائد ونظریات پر ثانوی درجہ کا ہے اور ظاہر معاملات میں مغربی طرز کا نفاذ اولین ہدف ہے۔ جبکہ 17 صدی عیسوی میں اسلام کے مقابلے میں جو کفریہ نظریات تھے ان کا اولین ہدف نظریات کا تبدیل کرنا ہوتا اور ثانوی اس کی عملی زندگی سے بحث کی جاتی تھی۔

اس وقت نظریاتی حملہ کی تفہیم کے ساتھ ساتھ یہ بات ضروری ہے کہ طالب علم کو تیار کیا جائے کہ معاملات میں دین کو خارج کروانا ہی اس وقت کے کفر کا ہدف ہے۔ معاشی ومعاشرتی وسماجی زندگی میں دین سے لاتعلقی کی فضاء کو مضبوط کرنا سیکولرازم ہے اسی کا نام جدیدیت ہے۔اسلام کا مقابلہ اس طرح کے کفر سے ہے جس سے اکثر اہل مدارس نابلد ہیں۔اس وجہ سے نہیں کہ وہ صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ اس وجہ سے کہ ان کے ذہن میں بھی یہ بات جگہ پکڑ رہی ہے کہ دنیاوی معاملات کو چلانا اہل دنیا کے ذمہ ہے اور ہمارا مقصد صرف دینی معاملات ، طلاق، نکاح ، یا وراثت کے معاملات میں عملی رہنمائی کرنا ہے یا پھر کسی مسجد و مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دینا ہے ان کاموں کی فضیلت سے انکار نہیں مگر یہ ہدف بہت ناکافی ہے۔اور یہ سوچ سیکولرازم کے فروغ میں اسی طرح مدد ومعاون ہے جیسا کہ سیکولر تناظر میں دی جانے والی تعلیم اس کے فروغ کا باعث بنتی ہے۔کسی چیز پر اثرات کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ

کسی غیر مؤثر کی وجہ سے وہ چیز اپنے مقصد سے ہٹ جائے یا مطلوبہ مقاصد تک پہنچ نہ پائے۔ سیکولرازم کے اثرات کو دینی مدارس پر بیان کرتے ہوئے ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان اداروں میں تیار کیے جانے والے طالب علم کی اکثریت اس ذہنیت کی حامل ہوتی ہے کہ اس کی ذمہ داری صرف دینی امور مسجد و مدرسہ تک محدود ہیں دنیا کی تفریق کرتے ہوئے جماعت اول کے ساتھ منسلک کر لیتے ہیں سکول و کالج کے افراد جماعت ثانی کے ساتھ منسلک ہو جاتے ہیں حالانکہ دنیاوی معاملات میں بھی دین کے طریقہ کے مطابق ہی ہونا چاہیے۔ ان کو دین کے مطابق نہ کرنے کا مطلب دین میں ضعف ہے، دین مکمل تب ہوتا ہے جن انفرادی و اجتماعی معاملات وحی کی روشنی میں ہوں۔ بلاشبہ مدارس دینیہ میں پڑھائے جانے والے علوم کا قبلہ درست ہے خارجی ماحول اور باہر کے شور وغل سے ایک لاشعوری اثر طالب علموں پر اس لئے پڑ رہا ہے کہ اہل مدارس نے اس کے تدارک کے لئے کوئی تدبیر ابھی تک نہیں کی کہ طالب علموں کو شریعت کے علم کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کی گمراہیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی کوئی چیز شامل نصاب کی جائے۔ دین و دنیا کی تفریق کا تصور اس وجہ سے بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جا رہا ہے کہ معاشرتی و سماجی علوم کی تدریس مدارس میں نہیں دی جاتی، قرآن وسنت میں اور دیگر کتب میں جب معاشرتی و سماجی علوم کے متعلق کوئی بات ہوتی بھی ہے تو اس وضاحت کے بغیر ہی درس دے دیا جاتا ہے کہ ایک طالب علم یہ ادراک بھی نہیں کر پاتا کہ یہاں سے سماجی و معاشرتی معاملے کے بارے میں رہنمائی دی گئی ہے۔ تمام عصری اداروں میں جس طرح معاشرتی و سماجی علوم مستقل ایک فن کی شکل اختیار کر چکے ہیں باقاعدہ ہر ایک پر سند، ڈگری دی جاتی ہے قرآن وسنت کا عام

طالب علم اس مرتب ومنظّم فن کو دیکھتے ہوئے یہ خیال کرتا ہے کہ دین یا شریعت میں تو ایسا کچھ نہیں بتلایا۔قرآن وحدیث اور علوم شریعہ کے وسیع سمندر سے عصر حاضر میں رائج علوم میں جو رہنمائیاں ہیں اور اسلام اس کے مقابلے میں کیا رہنمائیاں دیتا ہے اس کی وضاحت اشارۃً بھی ہوتی ہو تو کافی حد تک تدارک ہو جاتا ہے۔ایک طالب علم پھر کبھی یہ تصور نہیں کرے گا کہ دین اور دنیا الگ الگ طریقہ سے حل کریں گے بلکہ ہر طرح کے معاملہ میں وحی سے رہنمائی لینے پر مصر ہوگا۔رائج الوقت مدارس میں نہ تو تاریخ پڑھائی جاتی ہے اور نہ ہی تصوف کی کوئی کتاب شامل نصاب ہے اصلاح نفس کے لیے تدابیر کم ہو رہی ہیں۔تحریر وخطابت یا ادبی مجالس عمدہ لفاظی پر زیادہ زور ہے۔اور یہ حقیقت ہے کہ عقلی وادبی قمقموں سے دل کے اندھیرے دور نہیں کئے جاسکتے اس لئے متعلم دین کو صرف تعلیم سے آراستہ کرنا مدارس کی ذمہ داری نہیں بلکہ روحانیت سے سرشار کرنے کی تدابیر بھی کرنا ہوں گی۔عوام کا دین سے بے زار ہونے میں نااہل علماء ومعلمین کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔

آج سے تین سو سال قبل مغرب میں اسی طرح کی کشمکش تھی بالآخر سیکولرازم کو تقویت ملی،لبرل ازم کو فروغ ملنے کی ایک بڑی وجہ ان علاقے کے علماء کا بے عمل ہونا بھی تھا۔دشمن کی شناخت کے بعد ہی اس سے مقابلہ کرنا ممکن ہوتا ہے آج کا کفر انسانیت کو جس طرف دھکیل رہا ہے۔اس کی مادی ترقی کا تو شعور ہر جانب ہے مگر اخلاقی زبوں حالی،اوران اعمال سے جڑے نتائج اور اہل مغرب کا پریشان حال دل، اور مضطرب انسانیت روحانیت کا بڑا فقدان اس معاشرت کا لازمی نتیجہ ہے ان معاملات سے آگاہی کے بغیر سند فراغت دے دی جاتی ہے اور عملاً یہ ہوتا ہے کہ ایک

طالب علم معاشرے کا رہبر ہے مگر معاشرے پر مسلط عفریت کے متعلق جانتا تک نہیں۔ وہ عفریت معاشرے کو ہر لمحہ ڈستا ہے مگر یہ صاحب خدمت دین سرانجام دیتے ہوئے مسلکی جھنجھٹ سے باہر نہیں نکل رہے۔ مسلکی تعصب جتنا زیادہ ہوگا سیکولرازم مسلمانوں کے تعصب سے محفوظ رہے گا۔ مسلکی کشیدگی سیکولرازم، لبرل ازم کے استحکام میں حد درجہ معاون ہے۔ کیونکہ لبرل ازم کا مقابلہ کرنے کی تو کیا دنیا کے کسی بھی مذہب اور نظریہ حیات کی بنیاد اتنی مضبوط نہیں کہ وہ اس کے سامنے کھڑا بھی ہو سکے سوائے اسلام کے۔ جب علماء کی باہمی مسلکی کشیدگی زیادہ ہوتی ہے تو اس کا فائدہ سارا مذہب سے بیگانہ افراد کو ہوتا ہے کہ عام سادہ لوح مسلمانوں کو بھی دین سے متزلزل کرنے کا موقع فراہم ہوتا ہے اس مسلکی عمل میں مدارس کا اہم کردار ہے۔ سیکولرازم کے فروغ کے لیے جس طرح سکول کے نصاب پر محنت ہوتی ہے اسی طرح مدارس میں بھی ایسے افراد پیدا کیے جاتے ہیں جو کسی بھی شرط پر کسی بھی حالات میں مسلمانوں کو فرقہ وارانہ محاذ سے پیچھے ہٹنے نہیں دیتے۔

حوالہ جات

۱۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات تعلیم، زوار اکیڈمی، طبع دوم، 2014ء، ص:217

۲۔ ایضاً، ص:218

۳۔ ایضاً، ص:218

۴۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات تعلیم، زوار اکیڈمی، طبع دوم، 2014ء، ص:237

باب پنجم

تعلیمی ماحول پر مغربی فکر کے اثرات

فصل اول:

غیرنصابی اثرات

بچوں کی تربیت پر اثر انداز ہونے والے عوامل میں جس طرح تعلیم داخل ہے اسی طرح تعلیمی اداروں کا ماحول بھی بچوں کی ذہنی نشو ونما میں اہم کردار ادا کرتا ہے خاص طور پر ابتدائی جماعتوں کے طلباء کتابوں کے نقوش سے زیادہ تعلیمی ماحول سے چیزیں اخذ کرتے ہیں اس لیے تعلیمی اداروں کے ماحول کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

تعلیمی اداروں کے ماحول میں دو طرح کے عوامل اثر انداز ہوتے ہیں

(1) غیرنصابی عوامل

(2) ہم نصابی سرگرمیاں

غیرنصابی سرگرمیاں:

غیرنصابی اثرات میں کئی چیزیں شامل ہیں جو بچے کی نشو ونما پر اثر انداز ہوتی ہیں اور وہ اخلاقی طور پر ایک خاص تہذیب میں رنگا جاتا ہے۔

(1) کو۔ایجوکیشن

(2) تعلیمی اداروں کا انداز تعمیر

(3) اندورنی ماحول

کو۔ایجوکیشن سسٹم:

بلا شبہ ایجوکیشن جس میں مرد وعورت کا آزادانہ اختلاط ہو اس کی اجازت نہ کوئی مذہب دیتا ہے اور نہ ہی کوئی شریف الطبع انسان۔ لیکن پاکستان کے تعلیمی اداروں کے بارے میں یہ بات بڑے زور سے دہرائی جارہی ہے کہ پاکستان ترقی کی منازل کو ایجوکیشن کے بغیر طے نہیں کرسکتا۔اس محاذ آرائی میں جانبین سے دلائل کے انبار ہیں۔

کو۔ایجوکیشن کی تاریخ:

درحقیت کو ایجوکیشن کا لفظ مشرقی معاشروں نے ایجاد نہیں کیا۔پہلی بار اس لفظ کا استعمال 1774ء میں امریکہ کے اندر مخلوط تعلیم کے لیے کیا گیا پھر اسکی اقتداء میں یورپ نے مخلوط تعلیم کو جائز قرار دیا اور پھر 1875ء میں انگلستان میں مخلوط تعلیم کو قانونی حیثیت مل گئی یہاں کے معزز اور شرفاء لوگوں نے کو ایجوکیشن کی بھرپور مخالفت کی۔حتی کہ اپنے بچوں کو سکول بھیجنا پسند نہ کرتے تھے۔اس ضمن میں مفتی تقی عثمانی رقم طراز ہیں کہ:

> ''کو ایجوکیشن کا لفظ امریکی نژاد ہے جو
> 1774ء میں پہلی بار یہیں استعمال کیا گیا یہاں تعلیم کا تصور ہی
> مخلوط تعلیم کے ساتھ آیا تھا یورپ نے امریکا کی تقلید میں مخلوط
> تعلیم کو رواج دیا انگلستان میں 1875ء اور 1952ء کے تعلیمی
> قوانین کے ذریعے مخلوط تعلیم کو جائز قرار دیا گیا''[1]

فرانس میں نظامِ تعلیم بعض شرائط سے مشروط تھا۔1867ء میں جب تعلیم لازمی کی گئی تو یہ شرط عائد تھی کہ ہر پانچ سو کی آبادی میں لڑکیوں کے لیے الگ سکول بنایا جائے اور تیرہ سال کے بعد کوایجوکیشن کو باقی نہ رکھا جائے جنوبی امریکا کے ممالک میں کوایجوکیشن پھیلنے کا سبب عوامی غربت تھی۔لوگوں کے لیے اپنے بچوں کو پڑھانا کوئی آسان بات نہ تھی وہ مجبوراًاپنے بچوں کوسرکاری سکول میں بھیجتے تھےاور یہ سکول مخلوط تھے۔اس سلسلہ میں مزید مفتی تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''فرانس میں بھی نظامِ تعلیم بعض شرائط سے مشروط رہا۔ایک ماہر تعلیم کوفرانس میں پسند کیا جاتا تھا۔فرانس میں جب1867ء میں تعلیم لازمی کی گئی تو قاعدہ یہ بنایا گیا کہ ہر پانچ سو آبادی میں لڑکیوں کا ایک علیحدہ سکول لازماً قائم کیا جائے یہ مستقل اصول تھا کہ ۱۳سال کی عمر کے بعد ساتھ نہ پڑھایا جائے بلکہ علیحدگی عمل میں لائی جائے۔جنوبی امریکہ کے ممالک میں اس کا رواج اس لیے ہوا کہ عوام اپنی غربت کے باعث اپنے بچوں کو سرکاری اسکول میں بھیجنے پر مجبور تھےاور یہ اسکول مخلوط تھے''[۲]

پاکستان میں کو۔ایجوکیشن:

پاکستان میں بھی کوایجوکیشن کے نتائج مغربی ممالک کے نتائج سے مختلف نہ ہوں گے اس دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے بہت سے افرادکو۔ایجوکیشن کے مخالف ہیں اور مذہبی ذہن کے حامل افراداس بات کوقطعاً گوارانہیں کرتے اور نہ ہی برصغیر کا یہ کوئی روایتی کلچر تھا لیکن ایک قلیل مگر صاحب اقتدار طبقہ اس بات پر مصر ہے کہ کو ایجوکیشن ہونی چاہیے جانبین سے دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان دلائل کا احاطہ میرا موضوع نہیں ہے مگر یہ بات قابل غور ہے کہ اسلامی معاشرے میں خاص طور پر ایک نظریاتی ریاست میں اس بحث کا شروع ہو جانا کسی سے کم نہیں، تقریباً اسی طرح کی مباحث آج سے 150 سال پہلے ان ممالک میں ہو رہی تھیں جن میں آج کوایجوکیشن کوقانونی حیثیت حاصل ہے۔

اس بات سے فرارممکن نہیں کہ کوایجوکیشن سے جس طرح کی اقدار ہوں گی اور جو ذہنیت نسل نو اختیار کرے گی وہ مغربی اقدار، سیکولر ذہنیت، لبرل معاشرت کے علاوہ اورنہیں ہوسکتیں۔

مخلوط نظام تعلیم:

22 جولائی 2011ء کوامریکہ اور حکومت پنجاب کے درمیان ایک تحریری معاہدہ طے پایا جس کی نگرانی کے لیے مغربی ممالک کی طرف سے تین نمائندگان مائیکل باربر، ریمنڈ، ڈینیم مقرر کیے گئے، اس معاہدے کے تحت مڈل سٹینڈرڈ تک کی تعلیم مخلوط،

پرائمری سے بچوں کو انگریزی تعلیم کا لازمی قرار دینا، نصاب کو امریکی منشا اور خواہش کے مطابق ڈھالنا اور بچوں کو پڑھانے کے لیے اساتذہ کی ٹریننگ شامل ہیں۔ چنانچہ اس کے مطابق عمل شروع ہو چکا ہے۔ پہلے مرحلے میں لڑکوں اور لڑکیوں کے پرائمری سکولوں کو آپس میں ضم کیا جا رہا ہے، دوسرے مرحلے میں مڈل سکولوں کی باری آئے گی اس سکیم کا بنیادی مقصد بظاہر بجٹ کو بچانا اور کفایت شعاری ہے لیکن یہ کفایت شعاری نہیں بہت بڑے سرمائے کا زیاں ہے۔ مثلا اس وقت پرائمری سکولز میں پڑھانے والے اساتذہ (مرد و خواتین) کی تعداد 145201 ہے۔ اگر ان تعلیمی اداروں کا ادغام ہو گیا تو اساتذہ کی تعداد نصف یعنی 72601 رہ جائے گی۔ اس طرح ایک استاد جس کو عمارت میسر ہو گی نہ چھپر اور وہ 71 طلباء و طالبات کو پڑھا رہا ہو گا۔ کیا یہ دانشمندی ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے؟ کیا اس کو تعلیم و تعلم کہتے ہیں؟ اس سکیم کی روشنی میں اب تک پنجاب کے مختلف اضلاع میں ہزاروں پرائمری، مڈل تعلیمی اداروں کو باہم ملایا جا چکا ہے۔ گاؤں گاؤں، قریہ قریہ لوگوں نے اپنی بچیوں کو ان سکولوں سے اٹھا کر پرائیویٹ سکولوں میں بھیج دیا ہے یا گھر بٹھا لیا ہے۔ بعض اضلاع میں لڑائی مار کٹائی اور پولیس تک نوبت آئی ہے۔ کیا ہم اس طرح نوجوان نسل خصوصاً بچیوں کی تعلیم بند نہیں کر رہے ہیں؟ کیا ہم اس طرح ناخواندگی میں اضافہ نہیں کریں گے؟ کیا فحاشی نہیں بڑے گی؟

تعلیمی اداروں کا انداز تعمیر:

ایک طالب علم جس طرح شعوری طور پر کتابوں اور ساتذہ سے بہت کچھ

سیکھتا ہے اسی طرح بہت کچھ لاشعوری طور پر بھی درسگاہ میں آنے والے افراد کے حلیہ سے، استاد کی وضع قطع سے، اس ادارے کے نظم ونسق سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ڈاکٹر خالد جامعی لکھتے ہیں کہ:

> ''مدارس دینیہ کا موجودہ اقامتی اور ادارتی نظام بھی اسلامی تاریخ میں اس شکل میں کبھی نہ رہا جو گذشتہ ایک صدی میں حالات کے تقاضوں کے تحت وجود پذیر ہوا ہے اس موضوع کو سید سلیمان ندوی نے ''حیات شبلی'' میں تاریخی حوالوں سے بیان کیا ہے''[۳]

موجودہ دور میں جو بھی عصری تعلیمی ادارے تعمیر کیے جارہے ہیں ان میں مساجد کی جگہ مقرر نہیں ہوتی اور اگر مقرر بھی کی جاتی ہے تو انتہائی غیر اہم طور پر ایک کمرہ کو منتخب کرلیا جاتا ہے مسجد کو مرکزی حیثیت حاصل نہیں ہوتی حالانکہ تعلیم وتعلم کی مکمل سرپرستی کے لیے مساجد ہی اہم کردار کیا کرتی تھیں ایک طالب علم قرآن و سنت کے علاوہ دیگر فنون اور مہارتیں بھی اسی مرکز سے سیکھتا لاشعوری طور پر ریاضی اور جومیٹری پڑھنے والا طالب علم بھی اسلام کے بنیادی اقدار سے شناسا ہو جاتا اور تعلیم و تعلم کا سارا علم غیر شعوری طور پر مسجد کی وجہ سے اسلامی تناظر میں ہوا کرتا، جدید عصری اداروں سے دین کے انخلاء کی بڑی وجہ ان کا مسجد سے دور ہونا بھی ہے ان اداروں کے انداز تعمیر میں مسجد کی کوئی جگہ ہی نہیں ہوتی یا پھر بہت بڑی وسیع عمارت میں ایک چھوٹا سا کمرہ نماز کے لیے منتخب کرلیا جاتا ہے بحر حال یہ ایک اٹل حقیت ہے کہ طرز تعمیر میں مسجد کو مرکزی حیثیت حاصل نہیں۔ اگر مسجد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی تو

تعلیم کا قبلہ بھی وہی رہتا جو ایک مسلمان کا ہونا چاہیے انداز تعمیر سے مسجد کے اخراج نے اسلامی تناظر تعلیم کو بھی دفن کر دیا اور علوم وفنون کے حصول کی دوڑ غیر اسلامی تناظر میں دوڑی جانے لگی۔ حتی کہ آج یہ شعور پختہ ہوتا جا رہا ہے کہ معاشرتی اور سماجی علوم کے مسائل کو محض عقل کی مدد سے وحی کے بغیر حل کیا جائے اور یہی عصر حاضر کے کفر کا ہدف ہے۔ فکری غلامی کے اثرات اس قدر گہرے ہوتے ہیں کہ اپنی تہذیب کی ہر چیز پر عیب نظر آتی ہیں حتی کہ کلاس روم کا ماحول اور بیٹھنے کی ترتیب بھی اس حساب سے کی جاتی ہے جیسے چرچ میں ہوتی ہے جبکہ مسلمانوں کا طریقہ عبادت مختلف ہے کرسی کے بغیر ہے حرام اور حلال کی بات نہیں بلکہ فکری غلامی کے اثرات ہیں کا جائزہ ہے۔

اندورنی ماحول:

سکول، کالجز، یونیورسٹی کا اندرونی ماحول بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ہوتا عملی کمیاں اور کوتاہیاں ایک فرد سے ہونا عام سی بات ہے مگر محل نظر اداروں کے اہداف میں یہ بات شامل ہی نہیں ہوتی کہ یہاں سے نکلنے والا طالب علم جس طرح ایک اچھا ڈاکٹر، ایک اچھا انجینئر، ایک اچھا پروفیسر ہو اسی طرح ایک اچھا اور باسیرت مسلمان بھی ہو۔

بلکہ اندرونی ماحول میں بھی مغربی افکار سے متاثر سرگرمیاں اپنائی جاتی ہیں حتی کہ غمی اور خوشی کے مواقع کا اظہار بھی انہی اصولوں اور طریقوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ جسطرح مغرب کے سکول اور کالجز میں کیا جاتا ہے اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ اسلام ان احساسات کے اظہار کے متعلق کیا رائے رکھتا ہے اور اس کے

اظہار کا کیا طریقہ بتلاتا ہے۔

16 دسمبر 2015ء کے دن آنکھوں دیکھا حال درج کیا جاتا ہے 16 دسمبر 2014ء سانحہ پشاور میں شہید ہونے والے معصوم بچوں کی یاد میں تعلیمی اداروں میں پروگرام کیے گئے جس میں ان بچوں کی یاد میں اور والدین کے ساتھ غم میں شرکت کے اظہار کے لیے موم بتیاں جلائی گئیں گلاب کی پتیاں ں رکھی گئیں اوران موم بتیوں کو جلانے ہوئے صدر ادارہ تالیوں کی تحسین وصول کر رہے تھے۔ اسلام تو وفات پا جانے والوں کے لیے ایصال ثواب کا ایک مستقل طریقہ بتلاتا ہے شہیدوں کی یاد میں موم بتیاں جلانا نہ تو اسلامی طریقہ ہے اور نہ ہی مشرقی اقدار میں شامل ہے۔

اسی طرح طلبہ کا اپنے اساتذہ سے رویہ ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ اسلام اس کو درس دیتا ہے اس بے ادبی کو بدتمیزی کے ماحول کو طلبہ کی نا اہلی اور نادانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ طلبہ کی نادانی نہیں بلکہ تعلیم کو کمرشل کرنے کا ردعمل ہوتا ہے جب تک تعلیم کو فروخت نہیں کیا جاتا تھا اور استاد ایک محسن کے طور پر مفت تعلیم دیتا تھا اور تعلیم کا مقصد بھی صلاحیتوں اور طریقوں کو سنوارنا ہوتا تھا تعلیم کا مقصد معرفت تھا۔ تو تعلیم اور ادب لازم وملزوم تھے۔ لیکن جب سے علم کا مقصد معرفت کی بجائے سرمائے کا حصول بنا اور تعلیم یونہی فروخت کی جانے لگی جیسے عام مادی چیزیں فروخت کی جاتی ہیں تو تعلیم کے ساتھ ادب کا عنصر غائب ہو گیا۔ ایک طالب علم کی نظر میں استاد کی وہی حیثیت ہے جو ایک دوکاندار کی حیثیت ایک چیز کو فروخت کرنے کے وقت ہوتی ہے۔

اندرونی ماحول مخلوط بنانے کے لیے یونیورسٹیز کی سطح پر تو یہ اقدامات کیے گئے کہ تمام یونیورسٹیز میں درسگاہوں میں مخلوط انداز میں تو تعلیم دی جاتی ہے اور اب

ادب کے نام پر غیر اخلاقی لٹریچر پڑھایا جاتا ہے۔کالجز کی سطح پر اساتذہ کی مخلوط تقرری کی جاتی ہے لڑکوں کے کالجز میں خواتین لیکچرار کو منتخب کیا جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عثمانی، تقی، مفتی، یورپ میں آزادی نسواں کے نقصانات: ص،178

۲۔ عثمانی، تقی، مفتی، یورپ میں آزادی نسواں کے نقصانات: ص،178

۳۔ جامعی، محمد خالد، ڈاکٹر، نسل نوع پر مغربی تعلیم کے اثرات کا طائرانہ جائزہ، حکمت قرآن، مارچ،2015

فصل دوم:

ہم نصابی سرگرمیوں پر مغربی فکر کے اثرات:

کھیلیں:

صحت مند جسم ہی صحت مند دماغ کا حامل ہوتا ہے کھیلوں سے انسان کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں نشوونما پاتی ہیں لڑکوں اور لڑکیوں کی مقاصد زندگی ہی چونکہ اسلام کی نظر میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لہذا ان کی مطلوبہ صلاحیتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لہذا ان کے حصول کے لیے کھیلیں اور دیگر سرگرمیاں یکساں نہیں ہوسکتیں اور اسی طرح جسمانی ساخت بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی کھیلیں یکساں نہیں ہونی چاہیں بچیوں کو عموماً گھریلو امور کی دیکھ بھال کرنی ہوتی ہے اس لیے ان کی انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا از حد ضروری ہوتا ہے اور لڑکوں میں جسمانی قوت کو پروان چڑھانے کے لیے دیگر سرگرمیاں اختیار کرنا ہوتی ہیں۔ لیکن موجودہ عصری اداروں میں کھیلیں اس مقاصد کو تکمیل پانے کے لیے نہیں ہوتیں بلکہ ان کا مقصد تفریح کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اور کھیلوں میں شرعی لباس کا اہتمام کرنے کو ضروری خیال نہیں کیا جاتا اسی طرح کھیل سکھانے والے اساتذہ میں بھی یہ اہتمام نہیں کیا جاتا کہ خواتین کو خواتین سکھائیں اور مرد حضرات لڑکوں کو فیزیکل ایجوکیشن یا کھیلوں کے بارے میں تعلیم دیں۔

موجودہ صورت حال میں خواتین اساتذہ لڑکوں کو فیزیکل ایجوکیشن پڑھا

رہی ہیں اور خواتین طالبات کو مرد اساتذہ فیزیکل ایجوکیشن کی تعلیم دے رہے ہیں اتفاقاً اگر مخالف جنس کلاس نہ ملے تو یہ الگ بات ہے مگر کسی ادارے کی طرف سے اس کا کوئی اہتمام نہیں۔ پرائیویٹ کالجز میں اکثر فیزیکل ایجوکیشن کو اختیاری مضامین میں شامل کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس مضمون کے پریکٹیکل بھی ہوتے ہیں اور اسکا داخلہ پرائیویٹ نہیں بھیجا جاسکتا اس لئے پرائیویٹ کالجز کو فیس کی وصولی میں یہ مضمون مدد دیتا ہے وگرنہ کچھ طالب علم ایک سال پڑھنے کے بعد اپنے واجبات ادا کیے بغیر اپنا داخلہ پرائیویٹ سے بھیج دیتے ہیں۔ اس لئے عام طور پر پرائیویٹ کالجز اس مضمون کو بطور ہتھیار اختیار کرتے ہیں۔ فی میل اور میل طلباء کے لیے ایک ہی استاد منتخب کیا جاتا ہے۔

تقریبات:

عصری اداروں کی کوئی بھی تقریب مخلوط ماحول اور میوزک سے خالی نہیں ہوتی بلکہ میوزک کا تسلسل اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ اکثر طلباء کے ذہن میں یہ بات بھی محو ہوگئی ہے کہ میوزک سننا بھی کوئی جرم ہے۔ تقریب انعامات ہو یا الوداعی پارٹی یا کسی اور عنوان سے تقریب منعقد کی جائے اس میں ساز کی آمیزش لازمی امر ہے۔

تفریحی پروگرام:

نبی پاک حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات بھی اس چیز کے تابع نہ ہو جائیں

جس کو میں لے کر آیا ہوں۔

کامل مومن کی علامت یہ ہے کہ اس کی خواہشات بھی شریعت اسلامی کے مطابق ہونی چاہیں تفریح کے مواقع میں بھی شریعت کی حدود کو پس پشت نہیں ڈھالا جا سکتا اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ تفریحی مواقع انسان کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں کہ اساتذہ کی تعلیم و تربیت نے ایک طالب علم کی شخصیت کو کس سانچے میں ڈالا ہے اس کی پسند اور ناپسند اور غمی اور خوشی پر اظہار کے مختلف طریقے اس کی طبعیت کی صحیح خبر دیتے ہیں۔

تفریحی پروگرام کو دین کے ساتھ جوڑنا یا دین سے رہنمائی لینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی بلکہ اساتذہ اور ادارے کی سرپرستی میں سارے وہ کام کروائے جاتے ہیں جن کی شریعت میں اجازت نہیں ہوتی مثلاً میوزک، ڈانس، پیروڈی، مخلوط ڈرامے اور قابل اعتراض لباس اور وضع قطع کو تفریحی پروگرام کا لازمی جز سمجھا جاتا ہے۔

تعلیم نسواں:

عورتوں کی تعلیم معاشرے کی اصلاح میں اہم کردار ادا کرتی ہے خاص طور پر نسل نوع کی فکری تبدیلی کے لیے خواتین مؤثر کردار ادا کرتی ہیں اس ضمن میں مفتی تقی عثمانی رقمطراز ہیں کہ:

> ”تعلیم نسواں کی اہمیت وضرورت کو اسلامی
> ادوار میں کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ مرد کی تعلیم صرف ایک

فرد کی تعلیم ہے مگر عورت کو تعلیم دینا حقیقت میں تمام خاندان کو تعلیم دینا ہے دنیا میں کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اگر اس قوم کا آدھا حصہ جاہل مطلق رہ جائے‘‘۔[1]

تعلیم نسواں ایک مستقل چیز ہے اور مخلوط تعلیم ایک جداگانہ چیز ہے ان دونوں تصورات کو خلط وہی سیکولر ذہنیت کے مالک افراد کرتے ہیں جو تعلیم نسواں کی آڑ میں مخلوط تعلیم کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔

شریعت مطہرہ نے عورت اور مرد کے فرائض وحقوق میں یکسانیت نہیں رکھی بلکہ دونوں کی جسمانی طبعی ساخت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے درمیان ذمہ داریوں کو تقسیم کیا ہے جب ذمہ داریوں کا بوجھ کم زیادہ ہے لامحالہ حقوق بھی مساوی کیسے ہو سکتے ہیں ۔اسی وجہ سے عورت اور مرد کے حقوق بھی شریعت نے مساوی مقرر نہیں کیے۔اسلامی نقطہ نظر سے عورت کی ذمہ داریاں بالکل مختلف ہیں مرد کی ذمہ داریوں سے اس لئے تعلیم کا عمل مرد وعورت کا کسی بھی طرح مساوی نہیں ہے تعلیم کے ذریعہ تو ملت کے ہر فرد میں اس کی ذمہ داریوں کا شعور پیدا کیا جاتا ہے اور اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے بروکار لانے کی مہارت پیدا کی جاتی ہے۔مغربی تصور تعلیم میں ایسے کسی فرق کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا چونکہ مغربی فکر وفلسفہ میں تعلیم کا مقصد ہی معاشی احکام اور مادی ترقی ہے اور سرمائے میں لامحدود اضافہ، اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے مرد کو تعلیم دی جاتی ہے اور اسی مقصد کے لیے عورت کو تعلیم دی جاتی ہے معاشی رعایت کے لیے عورت کو تعلیم دینا ایک غیر فطری امر بھی ہے اور عقل وشعور سے دوری بھی۔معاش کی مکمل ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے مرد کے کندھوں پر ڈالی ہے کہ یہ باہر کی

باگ ڈور سنبھالے گا۔

اور عورت وہ ہستی ہے جس کے ہاتھوں میں نئی نسل پروان چڑھے گی عورت کو اس کی تربیت کرنا ہوگی۔ گھر ادارے کو چلانا، ایک بلند کردار، باہمت و با اخلاق، جرأت مند نسل نو کی تشکیل عورت کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ جب عورت کی صلاحیت بھی مارکیٹ کی ترقی پر لگائی جاتی ہے تو اس سے کچھ مادی فوائد تو ضرور حاصل ہو جاتے ہیں لیکن قومیں عظیم شخصیات با اخلاق و با کردار مرد پیدا نہیں کر پاتیں۔

سوویت نامی یونین کے آخری صدر ''بخائل گوربا چوف'' نے ایک کتاب لکھی ہے '' پروسٹرائیکا'' آج یہ کتاب ساری دنیا میں مشہور ہے اب شائع شدہ شکل میں موجود ہے اس کتاب میں ''گوربا چوف'' نے ''عورتوں کا مرتبہ'' کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے اس میں اس نے صاف اور واضح لفظوں میں یہ بات لکھی ہے۔

> ''ہماری مغرب کی سوسائٹی میں عورت کو گھر سے باہر نکالا گیا اور اس کو گھر سے باہر نکالنے کے نتیجے میں بے شک ہم نے کچھ معاشی فوائد حاصل کیے اور پیداوار کے زیادہ ہونے کے باوجود اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو گیا اور اس فیملی سسٹم کے تباہ ہونے کے نتیجے میں ہمیں جو نقصانات اٹھانا پڑے ہیں وہ نقصانات ان فوائد سے زیادہ ہیں جو پروڈکشن کے اضافے کے نتیجہ میں ہمیں حاصل ہوئے ہیں لہذا میں اپنے ملک میں ''پروسٹرائیکا'' کے نام سے ایک تحریک شروع کر رہا ہوں۔ اس میں میرا ایک بہت بنیادی مقصد یہ ہے

کہ وہ عورت جو گھر سے باہر نکل چکی ہے اس کو واپس گھر میں
کیسے لایا جائے؟ اس کے طریقے سوچنے پڑیں گے ورنہ جس
طرح ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو چکا ہے اسی طرح ہماری پوری قوم تباہ
ہو جائے گی'' ۲؎

اہل مغرب کی زبوں حالی کی ایک بڑی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے تعلیم کے عمل کو عورتوں اور مردوں کے لیے مساوی بنایا ہے۔ اہل مغرب کی تقلید میں ملک عزیز کا بھی تعلیمی نظام اس قباحت سے خالی نہیں ہے۔ عورت کا تعلیم یافتہ ہونا معاشرے میں اصلاح کے زیادہ پہلو پیدا کرتا ہے۔ اس کا تعلیم یافتہ ہونا نہایت ضروری ہے مگر اس کی تعلیم کے ذریعہ جن مہارتوں کو پیدا کیا جانا مطلوب ہے وہ مختلف ہیں ان مہارتوں سے جن کی ضرورت مرد کو ہے۔

مصور پاکستان حضرت علامہ محمد اقبالؒ بھی اس موجودہ طرز عمل کے خلاف تھے وہ چاہتے تھے کہ عورتوں کا نصاب تعلیم مختلف ہو جس میں عورت کو ایسے علوم کی تعلیم دی جائے جن سے ان کی نسوانی صلاحیتوں کو جلا ملے وہ احسن انداز میں فرائض زوجیت اور حق ادا کر سکیں۔

''ہمارے نکتہ آموز ابھی تک اندھیرے
میں راستہ ٹٹولتے پھرتے ہیں انہوں نے ہماری لڑکیوں کے لیے
کوئی خاص نصاب متعین و مرتب نہیں کیا ان میں بعض بزرگوں
کی آنکھیں تو مغربی تصورات میں چندھیا گئیں ہیں'' ۳؎

عورت کی عملی زندگی میں موجودہ نظامِ تعلیم کسی بھی طرح کی افادیت سے

قاصر ہے خاص طور پر مشرقی خواتین کے لیے اور دینی ذہن کی مالک مذہبی پس منظر رکھنے والی خواتین کو عملی زندگی میں موجودہ نصاب و نظامِ تعلیم قطعاً فائدہ نہیں دیتا۔

اس تعلیمی نظام کی بے ترتیبی کے ساتھ دوسرا ایک اور پہلو موجودہ تعلیمی نظام میں سب سے زیادہ سنگین ہے جو اخلاقیات میں زبوں حالی اور معاشرتی بگاڑ میں بنیادی کردار ادا کر رہا ہے وہ ہے مخلوط نظامِ تعلیم۔ مخلوط نظامِ تعلیم مذہبی علاقوں میں کسی بھی طرح مناسب نہیں صرف مذہب ہی اس کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ عقلی شعور کا دم بھرنے والے استدلال کی نگاہ سے دیکھیں گے تو محسوس ہوگا کہ مذہبی علاقوں کو اس امر میں مغرب کی تقلید بے مقصد ہوگی۔ اہل مغرب کے نزدیک تعلیم کا مقصد ہی سرمایہ میں ترقی کا حصول ہے تو اس سرمایہ کے حصول کے لیے کل کو تعلیم سے فارغ ہونے والے طالب علم مختلف قسم کے دفاتر، ملوں اور فیکٹریوں میں جا کر نوکریاں کریں گے وہاں پر مخلوط کام کرنے میں عورت کو ایک قسم کا طبعی حجاب ہوتا تھا اس حجاب کو کم سے کم تر کرنے کے لیے مخلوط تعلیم پر زور دیا جاتا ہے تاکہ عورت بھی بلا دریغ اپنی صلاحیتوں کو مارکیٹ کی ترقی میں صرف کرے۔ جبکہ مسلم معاشروں میں عورت کی تعلیم کا مقصد آئندہ آنے والی نسل کی بہترین تربیت ہے معاشرے کی اصلاح ہے اس کا طبعی حجاب باقی رکھا جائے گا کہ معاشرہ میں عریانی و فساد برپا نہ ہو جب طبعی حجاب کو باقی رکھنا مطلوب ہے اور اس بات کو سب سراہتے ہیں تو مخلوط تعلیم کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ موجودہ نظامِ تعلیم اس خطہ کی خواتین کے لیے موزوں نہیں کیونکہ ان کی عملی زندگی مغربی خواتین کی طرح نہیں ہے اس لئے یہ کوئی دانش مندی نہ ہوگی کہ ایک بچی 16 سال کی تعلیم حاصل کرے اور پھر عملی زندگی میں جس کام سے اس کا واسطہ پڑے وہ اس سے بالکل جاہل، اور ناواقف ہو۔

مرد وعورت میں طبعی فرق:

مرد وعورت کی تخلیقی صلاحیتوں میں مندرجہ ذیل طبعی فرق ہیں اس لئے ان کے مقاصد تعلیم یکساں نہ ہوں گے اور تعلیم کا نقشہ بھی ظاہراً ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔

مرد وعورت کے خون میں فرق ہے مرد کے خون میں عورت کی نسبت سرخ ذرات دس فیصد زیادہ ہوتے ہیں۔

آکسیجن مرد کے جسم کو زیادہ فراہم کی جاتی ہے۔ مرد کا دل عورت کے مقابلے میں سست رفتار ہے۔

عورت کے دل اور پھیپڑے چھوٹے ہوتے ہیں نتیجتاً اسے کم آکسیجن کی ضرورت پڑتی ہے''[۴]

مرد کے جسم میں ۸۷ فیصد قوت ہوتی ہے اور باقی گوشت اور چربی عورت میں قوت کا تناسب صرف ۵۴ فیصد ہے مرد جلدی تھکاوٹ محسوس نہیں کرتا اس کے مقابلے میں عورت جلدی تھک جاتی ہے ۔ عورت مرد کی بنسبت جذباتی ہوتی ہے دردناک واقعہ اور جسمانی تکلیف اسے بے قرار کر دیتی ہے وہ جلدی محسوس کرتی ہے لیکن یہ تأثر دیرپا نہیں ہوتا اس واقعہ کو جلدی فراموش کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دونوں صنفوں کو خاص صلاحیت عطا فرمائی ہے وہی خدا برحق جس نے اسے تخلیق کیا ہے اور وہی اس کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے ان کے حقوق و فرائض طے کرنے کا حق رکھتا ہے لہٰذا وہی تقسیم صحیح اور درست ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے قائم فرمائی ہے حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی بابت نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا

حضرت علی کو گھر سے باہر امور سپرد کیئے اور حضرت فاطمہؑ کو گھر کی دیکھ بھال سپرد فرمائی۔

یہ حقیقت ہے کہ عورت کی ذہنیت کا اثر آئندہ آنے والے نسل کی ذہنیت پر پڑتا ہے موجوہ نصاب کا مطالعہ اس بات کے اظہار پر مجبور کرتا ہے کہ یہ نصاب کئی مقامات پر ایسی شکل اپنا لیتا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ۔

طالب علم میں صلاحیت پیدا کرنے سے بھی بڑا مقصد مغربیت کا رنگ بھرنا ہے اگر کسی قسم کی مہارت وصلاحیت پیدا کرنی بھی ہو تو مغربی ذہنیت کے زیر اثر رہتے ہیں خاص طور پر بچوں کے لیے ایسی تصویر کشی زیادہ مضر ثابت ہوتی ہے مثلاً چند اقتباسات نصابی، کتب سے پیش کیے جاتے ہیں۔

کلاس ششم:

جس میں بچی کی عمر ہوتی ہے گیارہ سال اس میں ریاضی کے سوال کی عبارت کے ذریعے کس قسم کے کلچر کو بچے کے ذہن پر نقش کیا جاتا ہے۔

مشق نمبر 3-13، سوال نمبر 2 ، صفحہ نمبر 172 پر ایک میڈیا رپورٹ دیکھیئے۔(اردو میڈیم)

سوال میں درج کیا گیا ہے کہ کن طلباء کو فلم دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ کن کو گانے سنانے والے پروگرام زیادہ اچھے لگتے ہیں اس نوعیت کے کچھ اور سوالات کر کے گراف بنانا سیکھایا گیا ہے۔

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، کلاس ششم، کتاب ریاضی، 2015-16، ص:172

آٹھویں جماعت کی کمپیوٹر کی کتاب جس کی تدریس کے وقت بچی کی عمر

ہوتی ہے تیرہ سے چودہ سال(E-mail Atteachmint) میں Love Latter لکھنے کا طریقہ بتلایا جاتا ہے جو مع تصویر کمپیوٹر کی کتاب صفحہ نمبر:28 پر درج ہے۔

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، کلاس ہشتم، کتاب کمپیوٹر، 2015-16، ص:28

۵

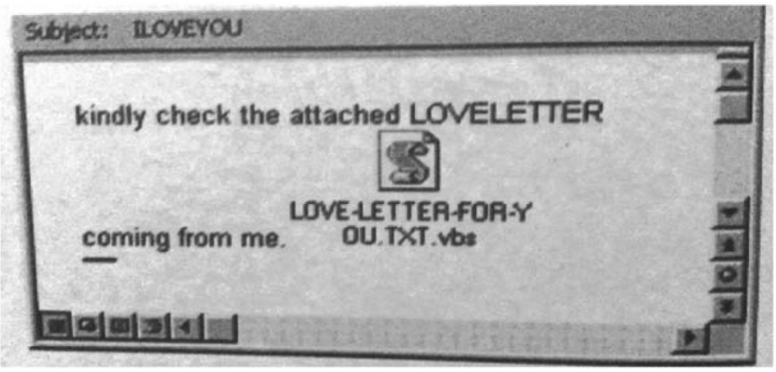

اسی سال عربی کی کتاب میں قرآن کا حصہ داخل نصاب ہے بچی کی عمر تیرہ سے چودہ سال دین کے بنیادی احکام سے جاہل، ناپختہ ذہنیت کی مالک ہے اس کو سورۃ یوسف کی تعلیم دی جاتی ہے جس میں حضرت یوسفؑ اور زلیخا کا قصہ ہے Love Latter سکھلانے کے ساتھ سورۃ یوسف بھی پڑھائی جاتی ہے تو دونوں چیزیں کیا ذہنیت جنم دیتی ہیں۔ بلاشبہ قرآن ہدایت و رہنمائی ہے لیکن ساری صورت کو سامنے رکھتے ہوئے عربی کا مقولہ بات زیادہ واضح کرسکتا ہے **کلمة حق ارید به الباطل**۔ بات ٹھیک ہے مگر مقصد غلط ہے۔

ساتویں جماعت جبکہ بچی کی عمر 12 سے 13 سال ہوتی ہے اور یہ بلوغت کی عمر ہے اس میں درج ذیل کی تصویر کس قسم کے کلچر کی طرف راغب کر رہی ہے اور مخلوط تعلیم کے لیے راہ ہموار ہو رہی ہے۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ, کلاس ہفتم،

۶

موجودہ نظامِ تعلیم مشاہیر کی نظر میں

موجودہ نظامِ تعلیم کی تاثیراوراثرات کودیکھتے ہوئے اکابرین نے اس کے بارے میں جوآراء قائم فرمائیں ہیں وہ درج کی جاتی ہیں۔تاکہ کسی درست اوراسلامی اقدار کے محافظ نظام کی طرف پیش قدمی آسان ہو۔

مجموعہ طور پر کبھی بھی امت مسلمہ نے اس نظام کواپنے لیے اچھانہیں گردانا، بلکہ اس کو عالمی ایجنڈے کی تکمیل کا ہی حصہ سمجھا ہے۔جس سے مسلمانوں میں عزت و حمیت کے جذبات ماند پڑتے ہیں دینی اقدار و روایات کی بجائے لادینیت کا بیج پرورش پاتا ہے۔

ہم تو سمجھے تھے کہ لائے تعلیم فراغت
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گاالحاد بھی ساتھ

اس تعلیم کے مضر اثرات جو مجموعی طور پر امت پر مرتب ہوئے اس کا جائزہ

لیتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی تعلیمات میں رقم طراز ہیں۔

نصب العین کا فقدان:

نصب العین پر وضاحت فرماتے ہوئے مولانا مودودی ان الفاظ میں تبصرا تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''میں حیران ہو کر سوچنے لگتا ہوں کہ اس نظامِ تعلیم کو کس نام سے یاد کروں جو پندرہ، بیس سال کی مسلسل دماغی تربیت کے بعد بھی انسان کو اس قابل نہیں بناتا کہ وہ اپنی قوتوں اور قابلیتوں کا کوئی مصرف اور اپنی کوششوں کا کوئی مقصود متعین کر سکے بلکہ زندگی کے لیے کسی نصب العین کی ضرورت بھی محسوس کر سکے یہ انسانیت کو بنانے والی تعلیم ہے یا اس کو قتل کرنے والی تعلیم ہے بے مقصد زندگی بسر کرنا حیوانات کا کام ہے اگر آدمی بھی صرف اس لیے جیئے کہ جینا ہے اور اپنی قوتوں کو مصرف بقائے نفس اور تناسل کے سوا کچھ نہ سمجھے تو آخر اس میں اور دوسرے حیوانات میں کیا فرق رہا؟'' [۷]

روح کو تسکین نہیں ملتی:

اللہ کا ذکر سکون قلب کا باعث ہے اس کی معرفت ہی عقل و روح کی تسکین کا باعث بن سکتی ہے اور وہ علم جو اعلیٰ حقیقت کے ادراک کے تناظر میں ہو وہی قلب و

جان کی راحت کا سبب بن سکتا ہے۔ سید محمد سلیم ڈاکٹر علامہ اقبال کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ:

پڑھ لیے میں نے علوم مشرق و مغرب
روح میں باقی ہے اب دورو کرب [۸]

نوجوان اپنی انفرادیت اور شخصیت کھو رہا ہے:

ہم ایک ایسا گروہ پیدا کر رہے ہیں جو کسی اتحاد مرکز نہ ہونے کی وجہ سے کسی دن اپنی شخصیت کو کھو بیٹھے گا اور اپنے گردو پیش ان قوموں میں سے کسی ایک میں ضم ہو جائے گا جس میں اس کی بہ نسبت زیادہ قوت اور جان ہوگی۔

خیالات میں الجھاؤ، افکار میں پراگندگی:

فکر الجھاؤ کے حوالہ سے عصر حاضر کے تعلیم یافتہ افراد کے متعلق مولانا مودودی تحریر فرماتے ہیں کہ:

”جن تہذیب میں علم کا مأخذ ہی نفس و وجدان ہو اس کی تقلید میں جو علم حاصل ہوگا وہ خیالات میں الجھاؤ اور فکری پراگندگی کے سوا کچھ اور نہ دے گا۔ ملت اسلامی علم کا جو تناظر طے کرتی ہے۔ اس تعلیم و تہذیب فکر کا کم از کم اتنا فائدہ تو ہر انسان کو حاصل ہونا چاہیے کہ اس کے خیالات میں الجھاؤ باقی نہ رہے افکار میں پراگندگی اور ژولیدگی نہ ہو وہ صاف

اور سیدھا طریق فکر اختیار کر سکے مقدمات کی صحیح ترتیب دے
سکے ، صحیح نتیجہ اخذ کر سکے ۔ تناقض اور خلط مبحث جیسی صریح
غلطیوں سے بچ سکے۔لیکن مستثنیات کو چھوڑ کر ہم اپنے عام تعلیم
یافتہ حضرات کو دماغی تربیت کے ان ابتدائی ثمرات سے بھی محروم
پاتے ہیں اور ان میں اتنی تمیز بھی نہیں ہوتی کہ کسی مسئلہ پر بحث
کرنے سے پہلے اپنی صحیح حیثیت متعین کریں پھر حیثیت کے لوازم
کو سمجھیں اور ان کو مخلوط کہ ایسا طریق استدلال اختیار کریں جو اس
حیثیت سے مناسبت رکھتا ہو۔"[9]

تنگ نظری اور محدود قومیت کی تعلیم :

سید محمد سلیم ،سلمان ندوی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ موجودہ نظام تعلیم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس سے معاشرہ میں محدود قومیت اور تنگ نظری پیدا ہو رہی ہے اور امت اپنے وسیع مفہوم سے نا آشیا ہو رہی ہے جیسا کہ سید سلمان ندویؒ تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"بچے علم و معلومات کو حاصل کرتے ہیں مگر تربیت سے
یکسر خالی ہوتے ہیں۔ گستاخ ، بے ادب ، زبان دراز اگر اچھے
بچوں کا اسکول میں آنے کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہو جیسا کہ
آج کل ہو رہا ہے کہ وہ زبان دراز ،مغرور، گستاخ ، بے ادب ،
بے دین بن جائیں تو پھر اس امر پر حیرت نہیں ہونا چاہیے کہ

والدین ان کو اپنے گھروں میں پڑھانے پر ترجیح دیں گے“[10]

آزادی کا مہلک مرض:

ایک مرض جو جسم کو نہیں ایمان کو لاحق ہوتی اس تعلیم سے وہ تصور آزادی ہے، آزاد خیالی، روشن خیالی کے نام سے جن کو ماسوم کیا جاتا ہے حالانکہ اسلامی نظریہ حیات آزادی کی بجائے بندگی و عبدیت پر قائم ہے پروفیسر محمد سلیم ”نواب محسن الملک“ کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ:

> ”اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ زمانے نے، مغربی تہذیب نے، انگریزی تعلیم نے اور انگریزی سوسائٹی نے ہم مسلمانوں میں ایک نئی بیماری پیدا کر دی ہے جو تعصب اور تقلید سے بھی زیادہ مہلک ہے جس کا نام آزادروی ہے“[11]

بے ادب اور بد کردار:

اکبر آلہ آبادی مغربی تہذیب کا بخوبی جائزہ لیتے ہوئے اور گہری نظر سے تنقید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

> ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
> کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

مشاہیر کی نظر میں اقبال کا تعلیم پر تبصرہ:

علامہ اقبال ایک ماہر تعلیم تو نہیں ہیں مگر ایک مفکر ہونے کی حیثیت سے

انہوں نے مغربی تعلیمی نظام اور مغربی تصور حیات کے بارے میں زریق گفتگو کی ہے اقبال کے زمانے نے دو تعلیمی نظام رائج تھے ایک دینی مدارس کا نظام جو صدیوں سے ایک طرز پر چلا آرہا تھا اور وقت کے تقاضوں کو پیش اس میں خاطر خواہ تبدیلی نہ کی گئی تھی اور دوسرا نظام انگریز حکومت کا تھا جو لارڈ میکالے کا پیدا کردہ تھا جس کا مقصود انتظامی مشینری کے لیے ہندی نسل کو ذہناً تیار کرنا تھا ان دونوں نظاموں میں سے کسی میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ وہ امت مسلمہ کی امنگوں اور مقاصد کی ترجمانی کرسکے۔ اقبال نے تلخ وشیریں، تدبر، حکمت بھرے انداز میں نظامِ تعلیم کی اصلاح پر زور دیا۔ لارڈ میکالے کے نظام پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

مغرب سے محبت، مشرق سے نفرت:

اقبال کی گہری سوچ وفکر نے آج سے کئی سال قبل اس تعلیم کے نتائج وخدو خال واضح یوں کیے کہ اس سے اپنے اپنے نہ رہیں گے بلکہ مغرب کے رنگ میں رنگے جائیں گے۔

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈلی قوم نے فلاح کی راہ
روشن مغربی ہے بد نظر

وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ ۱۲

اقبال کی نظر میں دین واخلاق کیخلاف سازش:

دین وملت کے لیے سہم قاتل ہے یہ نظامِ تعلیم ۔اگر ملت کو وحدت اور اسلامی اقدار پر قائم دیکھنا چاہتے ہو تو اس کی بنیادیں درست کرنا ہوں گی اقبال اس بارے میں یوں کہتے ہیں۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروّت کے خلاف ۱۳

خودغرض طبقہ:

جب زندگی کا مطمع نظر محض مادی ترقی اور صرف موت سے پہلے کی زندگی ہو گی تو خودغرضی کا جنم لینا لازمی سی بات ہے ڈاکٹر اشتیاق حسین فرماتے ہیں پاکستان میں تعلیم یافتہ خودغرض طبقہ کا وجود تعلیم سے مذہب کی لاتعلقی کا منطقی نتیجہ ہے۔ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کہتے ہیں:

”اس تعلیم کا مقصد صرف خود غرضی
اورصرف مادی ترقی ہے اور اخلاق کو تباہ کرنے کی سازش ہے
مذہب کی تعلیم سے ان امراض کا ازالہ ہوتا ہے“ ۱۴

عقائد اسلامی کی تباہی:

علم وفہم کی ہر بات ایمان میں ترقی کا باعث ہوتی ہے جب تک صحیح تناظر سے حاصل کیا جائے۔لیکن اگر تناظر درست نہ ہو تو ہر علم وفہم کی بات ایمان کی تنزلی کا باعث بنتی ہے جیسے کہ اکبر آلہ آبادی کہتے ہیں۔

راہ مغرب میں یہ لڑکے کٹ گئے
وہاں نہ پہنچے اور ہم سے چھٹ گئے
نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرائیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

۱۵

خواتین کی تعلیم:

مغربی نظریہ حیات میں سرمایہ ہی سب سے اہم ہے اور جو معلومات سرمایہ کے حصول کا ذریعہ بنتی ہیں ان کو ہی تعلیم کہا جاتا ہے اور جس کام کے نتیجے میں پیسہ ملے اسی کو کام سمجھا جاتا ہے تو عورت کا گھر کے کام کرنا اس لیئے مغرب میں قابل عزت نہ رہا کیونکہ اس کے بدلے میں سرمایہ نہیں ملتا تو عورت کو حصول عزت کے لیے مارکیٹ کا کام سکھایا جاتا ہے۔بقول مولانا مودودی صاحب کے

''مغربی تہذیب عورت کو اس وقت تک
کوئی مقام عزت نہیں دیتی جب تک کہ وہ ایک مصنوعی مرد بن کر

مرد کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے تیار نہ ہو جائے اور ہماری
تہذیب عورت کو ساری عزتیں اور تمام حقوق عورت رکھ کر ہی
دیتی ہے"[16]

اسلامی معاشرہ میں عورت کی معاشرتی حیثیت ماں، بیٹی، بیوی، اور بہن کی شکل میں ہوتی ہے اور تعلیمی مقاصد کے تحت اسی منصب کی ذمہ دارایاں اور فرائض کی تعلیم دی جاتی ہے جب تک عورت ان منصبوں پر ہوتی ہے تو اس کی عزت اور احترام کے لئے کوئی تحریک نہیں چلانی پڑتی بلکہ یہ تمام منصب اپنے اندر عزت واحترام رکھتے ہیں جبکہ مغربی معاشرہ کی طرز پر قائم کیے جانے والے معاشرے میں عورت غیر محرم اس لئے ہو جاتی ہے کہ وہ ان منصبوں کو کھو بیٹھتی ہے اس کی معاشرہ میں حیثیت محض ایک working woman (کام کرنے والی خادمہ) کے طور پر ہوتی ہے اور تعلیمی عمل بھی اسی مقصد کی تکمیل کے لیے کام کرتا ہے کہ عورت کی صلاحیت بھی مارکیٹ پر لگائے جانے کے قابل بناتا ہے۔ ہمارا تعلیمی نظام بھی خواتین میں جو صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کوشاں ہے وہ صلاحیت مارکیٹ کو سنبھالنے کے لئے تو صحیح ہے مگر گھریلو امور انجام دینے کے لئے خاندانوں کے ادارے کو مضبوط کرنے کے لئے بہت ناکافی ہے۔ سیکولر ذہنیت کے فروغ کے لیے بچوں سے زیادہ بچیوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے جیسا کہ خواتین کی تعلیم کے عنوان سے ماقبل تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عثمانی ،محمد تقی ،مفتی ،یورپ میں آزادی نسواں کے نقصانات، مکتبہ ارسلان کراچی2003 ص:534

۲۔ ایضاً ،ص:535

۳۔ ایضاً،ص:536

۴۔ ایضاً،ص:49

۵۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ،کلاس ہشتم،کمپیوٹر، 16-2015،ص:28

۶۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ, کلاس ہفتم،ہوم اکنامکس، 16-2015،ص:15

۷۔ مودودی،ابوالاعلیٰ،سید،تعلیمات،اسلامک پبلیکیشنز،لاہور،ص:81

۸۔ سید،محمد سلیم ،پروفیسر،مسلمان اورمغربی تعلیم،ص:40

۹۔ مودودی،ابوالاعلیٰ،سید،تعلیمات، ص132

۱۰۔ ایضاً ص:49

۱۱۔ سید،محمد سلیم ،پروفیسر،مسلمان اورمغربی تعلیم،ص:251:

۱۲۔ ایضاً ص:252

۱۳۔ ایضاً ص:252

۱۴۔ ایجوکیشن ان پاکستان،ص:175

۱۵۔ سید،محمد سلیم ،پروفیسر،مسلمان اورمغربی تعلیم،ص:249

۱۶۔ مودودی،ابوالاعلیٰ،سید،تعلیمات،ص:197

خلاصة البحث

ملت کی تعمیر کے عمل میں تعلیم اساسی اکائی کی اہمیت رکھتی ہے ملک عزیز جن دو قومی نظریہ کی بنیاد پر تعمیر ہوا آج وہ نظریہ مدہم ہوتا جا رہا ہے جس کی بڑی وجہ نظامِ تعلیم کا غیر مستحکم ہونا ہے ابتدائی مقالہ میں کاتب کا یہ خیال تھا کہ پاکستان کے نظامِ تعلیم پر مغربی اثرات ہیں لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ سمت قبلہ ہی تبدیل ہو چکی ہے علم کے اہداف و مقاصد میں ہی غیر معمولی تبدیلی رونما ہو چکی ہے از اول تا آخر ہم جس نظامِ تعلیم کو اپنائے ہوئے ہیں اس سے عالمی ایجنڈے و پالیسی کی تکمیل ہو رہی ہے پاکستان کے قیام کا مقصد شریعت اسلامی کا نفاذ اور شریعت اسلامی کے لیے افراد کی ذہن سازی کا عمل تعلیم کے ذریعے پورا نہیں کیا جا رہا اگر کسی پر دین کا کوئی رنگ نظر آ رہا ہے تو وہ کسی خارجی ذریعہ یا دینی جماعت کا اثر ہو سکتا ہے خود نظامِ تعلیم ایسے اثرات سے خالی ہے۔ بلکہ ابتدائی 12 سال کی تعلیم کسی خاص مہارت اور صلاحیت کو پیدا کیے بغیر اس بات پر صرف کیے جا رہے ہیں کہ کیسے نسل نو کو مغربی فکر انداز، رنگ ڈھنگ میں ڈھالا جا سکتا ہے اور دنیا میں نافذ نظام کو قبول کرنے اور خادم بننے کے لیے ذہناً تیار کیا جاتا ہے۔ اور 18 سال کی عمر کے بعد گذشتہ تناظر کی وجہ سے ایک طالب علم کا جو بھی راستہ اپنے لیے منتخب کرے گا وہ وہی ہو گا جو مغرب کے اہداف و مقاصد کے ہم آہنگ ہو۔ کیونکہ ابتدائی 12 سال کی تعلیم ذہن سازی ترجیحات کی تبدیلی عقائد کی پختگی نظریات کی سمت طے کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سماجی و معاشرتی علوم کی

بنیاد ہی اسلام کے متصادم نظریے پر قائم ہے۔

مثلاً عصر حاضر میں جو بھی معاشرتی سماجی سیاسی نوعیت کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں ان میں مذہب سے رہنمائی لینے کو ایک لایعنی عمل قرار دیا جاتا ہے حتی کہ اس بات پر زور دیا جاتا ہے۔ تعلیم کسی بھی اخلاقی اور مذہبی انداز فکر سے متأثر نہیں ہونی چاہیے انسانوں کے آپس کے باہمی تعلقات کیسے ہونے چاہیں اس کے بارے میں مذہبی نظریات سے قطعاً معاونت نہ لی جائے۔

نظامِ تعلیم کی اصلاح کے لیے مقالہ ھذا میں بیان کی گئی نصاب میں شامل چند غیر مناسب عبارات تصاویر کا اخراج کافی نہیں ہے۔ بلکہ از سر نو ع اول تا آخر دوبارہ تعلیمی ڈھانچہ تشکیل دینا ہوگا جس سے تعلیمی عمل کو اسلامی تناظر میں ڈھالا جا سکتا ہے ۔ پاکستان میں سرکاری، پرائیویٹ، دینی مدارس اور دیگر ادارے ان میں سے کسی میں بھی اسلامی نظامِ تعلیم رائج نہیں جو مکمل اسلامی تشخص کے حامل افراد پیدا کرے موجودہ عصری اداروں کا نظامِ تعلیم انہیں اہداف کے مقاصد کی تکمیل کر رہا ہے جن مقاصد کے لیے انگریز نے برصغیر میں نیا تعلیمی نظام متعارف کروایا تھا۔

اور پرائیویٹ ادارے سیکولر ذہنیت کی پیدائش میں زیادہ اہم کردار ادا کر رہے ہیں جبکہ ان کے مالکان کا اصل ہدف تو سرمایہ اکٹھا کرنا ہے۔ عوام ذہنی طور پر انگلش سے متاثر اور مغربی اقدار کی دل دادہ ہے اور لوگوں کی چاہت کے عین مطابق پرائیویٹ اداروں کے نظم ونسق کو ترتیب دیا جاتا ہے برصغیر کے معروضی حالات کے پیشِ نظر دینی مدارس کو اسلامی اقدار کے تحفظ کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ جس میں طالب علم علوم اسلامیہ میں مہارت پیدا کرتا ہے اور اگلی نسل تک پہنچانے میں اہم کردار کرتا

ہے۔کسی بھی طرح کی حکومتی امداد کے بغیر اتنے افراد کو تعلیم دین سے سرشار کرنا ان عظیم بزرگوں کا حصہ ہے۔مگر اس نظامِ تعلیم کو ہم اسلامی نظامِ تعلیم سے تعبیر نہیں کر سکتے کیونکہ اسلامی نظامِ تعلیم تو وہ ہوتا ہے جس میں ایک فرد کو اس کی معاشی ، معاشرتی ، سیاسی ، دینی ، وسماجی سرگرمیوں کے لیے تیار کیا جائے اور ان معاملات کی فہم وبصیرت پیدا کرنے اور اسلامی تناظر میں اپنے دینی ونیاوی معاملات کو حل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔عصری ادارے ہماری مادی ضروریات کو پورا کرنے میں مصروف ہیں اور دینی تقاضوں سے نابلد ہیں جبکہ دینی ادارے دینی ومذہبی ضروریات ،عبادات کی شکل میں پورا کرنے میں مصروف ہیں مادی علوم وفنون سے ناواقف ہیں۔ ہمارے کوئی بھی ایسا نظام موجود نہیں ہے جو ہمارے بچوں کی مادی اور دینی دونوں طرح کی ضروریات کو بطریقہ احسن پایہ تکمیل تک پہنچادے اور صحیح تناظر میں علم فراہم کرے یہ حال صرف پاکستان کا ہی نہیں بلکہ پورا عالم اسلام اسی مسئلہ میں گھرا ہوا ہے جس سے ان ممالک میں سیکولرزم ، الحاد کی فضاء عام ہو رہی ہے۔یعنی سیاسی ، سماجی اور معاشرتی مسائل میں راہنمائی کیلئے دین کی طرف رجوع نہ کرنا۔

سفارشات وتجاویز

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم یہ تھا کہ ایک ہی مدرسے میں پڑھنے والے تین ہم سبق حضرت مجدد الف ثانیؒ، عالم اور بزرگ بنے۔ محمد خان بادشاہ وقت کا وزیر اعظم بنا اور معمار احمد خان تاج محل کا معمار بنا ۱۸۸۶ء میں انگریزوں نے رڑکی میں پہلا انجینئرنگ کالج بنایا۔ لیکن اس کالج کے بننے سے پہلے تاج محل، بادشاہی مسجد، شالامار باغ اور ہندوستان بھر میں تعمیرات کے اعلیٰ ترین شاہکار تخلیق ہو چکے تھے اور وہ کسی انجینئرنگ کالج سے فارغ التحصیل نہیں تھے۔

☆ مسلمانوں کے ابتدائی دور میں جب یہ قوم علم وتحقیق کی معراج پر تھی اسلامیات کا کوئی مضمون نہ پڑھایا جاتا تھا بلکہ تمام علوم کو اسلامی تناظر میں پڑھایا جاتا تھا ۔

☆ نظام تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کیلئے یہ کافی نہیں ہے کہ صرف ایک گھنٹے میں اسلامیات کو لازمی قرار دیا جائے بلکہ تمام علوم کو اسلامی تناظر میں تشکیل دیا جائے ۔

☆ پاکستان کے نظامِ تعلیم کو اسلامی اقدار کا محافظ بنانے اور مادی علوم وفنون میں ترقی کے ساتھ ساتھ مذہبی رجحانات کو فروغ دینے کے لئے ہمیں اپنے تعلیمی نظام کو ازسرِنو تشکیل دینا ہوگا۔

☆ اسلامی تناظر میں تشکیل سازی جب بھی ہو اس کام کیلئے ایک

جماعت درکار ہوگی افراد میں شعور اجاگر کیا جائے

☆ تعلیم کا نظام اور نصاب اس طرز پر بنایا جائے کہ طلباء کے سامنے جو تعلیم کا مقصد آئے وہ محض حصول معاش نہ ہو بلکہ عبدیت کی تکمیل اور مقاصد شریعت کے دفاع کی اہلیت ہو۔

☆ موجودہ تعلیمی نظام میں جس قسم کی معاشرت سکھلائی جاتی ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بچہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ملک وملت کی خدمت کرنے کی بجائے یورپ جانے کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ جو اس کو خواب دکھائے گئے، امنگیں پیدا کی گئیں، اہدافِ زندگی سمجھائے گئے ان کو پانے کے لئے۔ مغربی معاشرے زیادہ موزوں ہیں۔ اس غلط طرز عمل کی وجہ سے ہم اپنے بہترین اور باصلاحیت دماغوں کو کھو دیتے ہیں۔ بلکہ وہ دماغ باطل نظام کی تقویت کا باعث بنتے ہیں۔

☆ امت مسلمہ کے زوال وعرج کی اصل وجہ راہ سنت کے قریب یا دور ہونا ہے ''خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی'' کم از کم اس شعور کو باقی رکھنے کے لئے اساتذہ اپنا کردار ادا کریں

☆ عربی زبان کو اسلامیات کی تعلیم کا مستقل جز بنایا جائے جس کی عملی صورت ثانوی مدارس کے سلیبس میں موجود ہے

☆ ڈگری تعلیم تک پہنچنے والے طالب علم قرآن کا مفہوم سمجھنے کا اہل ہو ہر فن کو قرآن وسنت کے تناظر میں دیکھا جائے۔

☆ نظام تعلیم کے بارے میں تنقیدی شعور بیدار رہے گا تو متبادل

نظام کا خاکہ بھی تخلیق ہو سکتا ہے اور حاضر و موجود میں اصلاح، تصحیح و ترمیم کے امکانات بھی روشن ہوں گے لہٰذا دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھا جائے حاضر و موجود کی بڑے پیمانے پر اصلاح اور متبادل کی جستجو کی جائے اس کے لیے گفتگو، مباحثے غور و فکر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھا جائے۔

☆ اس وقت علم بہت سی شاخوں میں بٹ چکا ہے ہر موضوع کو اسلامی رنگ دینا کہ اس کی تدریس معرفت الٰہی کا باعث بنے آسان نہیں ہر فن کیلئے ایک فرد کی زندگی درکار ہوگی۔ ایک تدبیر یہ ہے کہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالہ جات میں مختلف مضامین خاص طور پر سماجی و معاشرتی و معاشی موضوعات کے اسلامی تناظرات دریافت کروالئے جائیں جب کہ عصر کاضر میں اس کے برعکس ہو رہا ہے اسلامیات کے مضمون میں ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی۔تحقیقات اس طرز کی نہیں ہیں کہ اسلام کے نظام اجتماعی توضیح ہو بلکہ عالم کفر جو نظام اور سسٹم لئے بیٹھا ہے اسلامی احکام کا اگر اس سے ٹکراو ہے تو اس کی مناسب توجیحات اور تاویلات شریعت سے تلاش کر کے منظر عام پر لائی جاتی ہیں۔ تاکہ موجودہ طرز زندگی میں اسلام اگر رکاوٹ ڈال بھی رہا ہے تو اس کو عصر حاضر کے ہم آہنگ کر دیا جائے۔

☆ ابتدائی بارہ سال کی تعلیم کا انسان کی شخصیات پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے اسی میں انسان کی ترجیہات تبدیل ہوتی ہیں۔ اس وقت تمام اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں ابتدائی بارہ سال کی تعلیم مغربی تناظر میں دی

جارہی ہے اسلامی سکول کے نام پر چلنے والے ادارے بھی اس گرداب سے باہر نہیں ہیں۔اس وقت کے مدارس بھی دینیات کے تخصص کے ادارے ہیں جو معاشرے کی اس ضرورت کو پورا کرنے سے قاصر ہیں لہٰذا اشد ضرورت ہے کہ خطائی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے جو بچوں کو ابتدائی بارہ سال اسلامی تناظر میں تعلیم دے۔

موجودہ نظام کی خامیوں کو سرسید احمد صاحب کے ذمہ میں ڈالنے کی بجائے مثبت فکر کے ساتھ اپنے حصہ کا کام کرنا چاہے سرسید صاحب نے جو کیا وہ سب اس وقت کے معروضی حالات اور زمینی حقائق میں شائد اتنی ہی گنجایش تھی مگر قیام پاکستان کے بعد صورت حال بدل گئی تھی اس وقت سے لے کر اب تک ہم نے کیا کاوش کی۔ ہر صاحب علم ودانش سے یہ سوال ہے۔کیا میں نے تعلیم کے منہج کو اقرب الی السنّت بنانے کیلئے اپنے حصہ کا کام کیا؟

کتابیات

۱)　آل حیدر، سید۔ (س ن)۔ نظریہ تعلیم۔ کراچی: قمر کتاب گھر۔

۲)　ارشد جاوید، پروفیسر۔ (س ن)۔ تعلیمی کامیابی۔ لاہور: جہانگیر بکس ۱۲۱ ڈی گلبرگ۔

۳)　ارشد جمیل۔ (۱۹۸۲ء)۔ نباتیات وزراعت کی تدریس۔ (طبع اول)۔ اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۴)　الغزالی، ابوحامد، محمد۔ (س ن)۔ بیروت

۵)　انعام الحق کوثر، ڈاکٹر۔ (۱۹۸۴ء)۔ بلوچستان کے تعلیمی ادارے اور نظم ضبط کے چند پہلو۔ (طبع اول)۔ اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۶)　ایس ایم شاہد۔ (۱۹۸۴ء)۔ مسلمانوں کے تعلیمی نظریات۔ لاہور: گلوب پبلیشرز۔

۷)　برٹرینڈ رسل؛ محمد بشیر۔ (۲۰۰۵ء)۔، فلسفہ مغرب کی تاریخ۔ (طبع اول اسلام آباد: یورپ اکیڈمی۔

۸)　برٹلڈ سپلر، ڈاکٹر۔ (س ن)۔ اسلامی تعلیم کے اثرات۔ ملتان: عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ۔

۹)　پاکستان میں خواتین کی بنیادی تعلیم۔ (۲۰۰۵ء)۔ (طبع اول)۔ اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۱۰)　تقی عثمانی، مفتی۔ (۲۰۰۳ء)۔ یورپ میں آزادی نسواں کے نقصانات،۔ کراچی : مکتبہ ارسلان۔

۱۱) جرجانی, سید شریف ۔(س ن)۔معجم التعریفات۔قاہرۃ: دارالفضیلۃ۔

۱۲) جلال پوری، علی عباس ۔(۲۰۱۰ء)۔روایاتِ فلسفہ۔ ،لاہور:تخلیقات۔

۱۳) چیمہ، مسرت شوکت ۔(۱۹۹۵ء)۔تعلیم کے اسلامی آفاق (طبع اوّل)۔لاہور: اسلامک ایجوکیشنل ٹرسٹ۔

۱۴) خالد الرحمٰن ۔(۲۰۰۹ء)۔پاکستان میں دینی تعلیم۔ (طبع اول)۔اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۱۵) خالد الرحمٰن ،۔(۲۰۰۸ء)۔ دینی مدارس میں تبدیلی کے رجہانات۔(طبع اول)اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۱۶) خورشید احمد، پروفیسر۔(س ن)۔اسلام کا نظریہ تعلیم۔لاہور: ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان۔

۱۷) خورشید احمد، پروفیسر۔(س ن)۔اسلام کا نظریہ تعلیم۔لاہور: ادارہ تعلیمی تحقیق،

۔

۱۸) راغب اصفہانی، امام۔(س ن)۔المفردات فی غریب القرآن (جلد2): مکتبہ نزار مصطفی الباز۔

۱۹) رشید احمد، پروفیسر۔(س ن)۔تعلیم اور فکرِ اسلامی، لاہور: مجید بک ڈپو۔

۲۰) ریاض احمد، ڈاکٹر۔(س ن)۔مغربی یلغار، لاہور: تخلیقات علی پلازہ۔

۲۱) رفیع الدین، محمد۔(۱۹۵۵ء)۔ اسلام کا نظریہ تعلیم۔(طبع اول)۔لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ۔

۲۲) سعدیہ، سیدہ۔(س ن)۔اسوہ حسنہ اور علم نفسیات۔لاہور: الفیصل غزنی سٹریٹ اردو بازار۔

۲۳) سلیم منصور خالد۔(۲۰۰۵ء)۔دینی مدارس میں تعلیم،۔(طبع سوم)۔اسلام آباد:انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز۔

۲۴) سلیمان ندوی،سید۔(س ن)۔اسلام کا نظریہ تعلیم۔کراچی:مجلس علمستان۔

۲۵) سعید اختر،پروفیسر۔(۱۹۶۷)۔نظام تعلیم کی تنظیم جدید۔راولپنڈی:انجمن تعلیم و تنظیم۔

۲۶) صدیقی،بختیار حسین۔(س ن)۔برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظامِ تعلیم۔لاہور:ادارہ ثقافت اسلامیہ۔

۲۷) صدیقی،بختیار حسین۔(س ن)۔مسلمانوں کے تعلیمی فکر کا ارتقا۔الاہور:دارہ ثقافت اسلامیہ۔

۲۸) صدیقی،ساجد الرحمان۔(۱۹۸۵ء)۔اسلام کا نظام تربیت۔لاہور:اسلامک پبلی کیشنز۔

۲۹) صدیقی،حفیظ الرحمٰن۔(س ن)۔تعلیمی پالیسی ۱۹۸۹۔اسلام آباد:انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۳۰) طارق جان۔(۲۰۱۳ ء)۔،سیکولرازم۔(طبع دوم)۔لاہور:منشورات۔

۳۱) ظفر اقبال۔(س ن)۔اسلام اور جدیدیت کی کشمکش۔کراچی:ادارہ علم و دانش۔

۳۲) ظفر حسین،خان۔(۱۹۸۰ء)۔پاکستان کا تعلیمی تناظر۔کراچی:مکتبہ فریدی۔

۳۳) عظمت اللہ،خان۔(۱۹۸۱ء)۔تعلیمی بجت ایک تجزیاتی مطالعہ۔ اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۳۴) عظمت اللہ ،خان۔(۱۹۹۳ء)۔عمرانی علوم کی تدریس کا نظریاتی پہلو۔(طبع

اول)۔اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۳۵) عبدالحفیظ، مولانا۔(س ن)۔مصباح اللغات، لاہور: مکتبہ قدوسیہ۔

۳۶) عبدالسمیع۔(۱۹۸۲ء)۔کیمیاء کی تدریس کا نظریاتی پہلو۔(طبع اول) اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۳۷) عبدالشکور۔(س ن)۔تعلیم اور تربیت کھیل کھیل میں۔لاہور: تخلیقات علی پلازہ۔

۳۸) عبدالقیوم، ڈاکٹر۔(۱۹۷۳ء)۔قرون وسطیٰ کا اسلامی نظام تعلیم۔(طبع سوم)۔ لاہور: بساط ادب۔

۳۹) عرفان، نیاز۔(۱۹۹۸ء)۔قومی تعلیمی پالیسیاں تقابلی جائزہ۔ (طبع اول)۔اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۴۰) عوان، محمد آصف۔(۲۰۱۲ء)۔مغربی تہذیب کے مشرقی نقاد۔لاہور: علی پرنٹرز۔

۴۱) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر۔(۲۰۱۴ء) محاضرات تعلیم۔(طبع دوم)۔کراچی: زوار اکیڈمی پبلیکیشنز۔

۴۲) عزیز، جی۔آر۔(۱۹۸۸ء)۔نظام معاشرہ اور تعلیم۔(طبع سوم)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، کلب روڈ۔

۴۳) فیروزالدین، مولوی۔(س ن)۔فیروز اللغات، لاہور: ناشر فیروزسنز۔

۴۴) کامران، شاہد اقبال۔(۱۹۹۳ء)۔اقبالیات درسی کتب میں۔(طبع اول)۔ اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۴۵) قریشی، محمد آصف۔(س ن)۔ریاضیاتی علوم کی نظریاتی تدریس تعلیم اسلامی

تناظر میں۔(طبع دوم)۔اسلام آباد:انسٹیٹیوٹ آف پالیسی انڈسٹریز۔

۴۶) قریشی، وحید،۔(۱۹۹۸ء)۔تعلیم کے بنیادی مباحث ۔(طبع اول)۔اسلام آباد:انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۴۷) قرضاوی، یوسف، ڈاکٹر۔(۱۹۹۷ء)۔سیکولرازم اوراسلام۔اسلام آباد:ادارہ تحقیقاتِ اسلامی۔

۴۸) لاہوری، ضیاءالدین۔(۲۰۰۷ء)۔آثارسرسید۔لاہور:اشتساق اے مشتاق پریس۔

۴۹) لاہوری، ضیاءالدین۔(۲۰۰۶ء)۔نقش سرسید۔لاہور:اشتساق اے مشتاق پریس۔

۵۰) محمد افضال۔(س ن)۔نظام معاشرہ اور تعلیم وتربیت۔لاہور:دارالشعور۔

۵۱) محمد بشیر، پروفیسر۔(۲۰۰۵ء)۔فلسفہ مغرب کی تاریخ۔(طبع اول)۔اسلام آباد:یورپ اکیڈمی۔

۵۲) محمد تقی، سید۔(۱۹۵۸ء)۔مقاصد تعلیم۔کراچی:آل پاکستان ایجوکیسنل کانفرنس۔

۵۳) محمد حسین۔(۱۹۷۶ء)۔سیدمودودی کے تعلیمی نظریات۔لاہور:ادارہ تحقیق و اشاعت۔

۵۴) محمد سلیم، پروفیسر۔(س ن)۔قرآن کا تصور تعلیم،۔لاہور:تنظیم اساتذہ پاکستان۔

۵۵) محمد سلیم، پروفیسر۔(۱۹۶۵ء)۔مسلمان اورمغربی تعلیم۔لاہور:ادارہ تعلیمی تحقیق۔

۵۶) محمد سلیم، پروفیسر۔(۱۹۷۸ء)۔مسلمان اساتذہ کا مثالی کردار۔لاہور: ادارہ تعلیمی تحقیق۔

۵۷) محمد سلیم، پروفیسر، سید۔(۱۹۸۷ء)۔مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ، لاہور: ادارہ تعلیمی تحقیق۔

۵۸) محمد عطیہ الابرائی۔(۱۹۴۹ء)۔فلسفہ تعلیم و تربیت۔لاہور: کتاب منزل۔

۵۹) محمد عرفان ندیم۔(س ن)۔دینی مدارس کا نظامِ تعلیم اور جدید تعلیمی انقلاب،۔لاہور: المشرق للنشر الوازیع۔

۶۰) محمد علی، جوہر۔(۱۹۸۱ء)۔قومی اور اسلامی تعلیم کا نظام۔لاہور: صادقیہ پبلی کیسنز۔

۶۱) محمد وصی اللہ خان، ڈاکٹر؛ محمد اسلم کمبوہ۔(۱۹۷۳ء)۔تعلیم نو کی تشکیل۔لاہور: ادارہ تعلیم و تحقیق جامعہ پنجاب۔

۶۲) مریم خنساء۔(س ن)۔مسلمانوں کا فکری اغواء۔دارالکتب السّلفیہ۔

۶۳) مسز کشور اقبال۔(س ن)۔فلسفہ تعلیم، لاہور: مجید بکڈپو۔

۶۴) مسلم سجاد، پروفیسر۔(۱۹۹۶ء)۔اسلامی ریاست میں نظامِ تعلیم۔(طبع سوم)۔اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۶۵) مسلم سجاد، پروفیسر۔(۱۹۹۱ء)۔دینی مدارس میں تعلیم۔(طبع اول)۔ اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۶۶) مسلم سجاد، پروفیسر۔(۱۹۹۸ء)۔پاکستان میں تعلیم کے زندہ مسائل۔(طبع اول)۔اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۶۷) مسلم سجاد، پروفیسر۔(۱۹۹۰)۔پاکستان میں نظامِ تعلیم کی اسلامی تشکیل کی

حکمت عملی ۔(طبع دوم)۔اسلام آباد:انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۶۸) مسلم سجاد، پروفیسر۔(۱۹۸۲ء)۔حیوانیات کی تدریس کا نظریاتی پہلو۔(طبع اول)۔ اسلام آباد:انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۶۹) مسلم سجاد، پروفیسر۔(۱۹۹۲ء)۔ہمارا تعلیمی نظام میں ضیاع ۔(طبع اول)۔ اسلام آباد،انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۷۰) منصور خالد۔(۱۹۱۸ء)۔اسلامی نظامِ تعلیم ۔(طبع اول)۔اسلام آباد،انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۷۱) منصور خالد۔(۱۹۹۱ء)۔پاکستان میں ذریعہ تعلیم کا مسئلہ۔(طبع دوئم)۔اسلام آباد:انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۷۲) منصور خالد۔(س۔ن)۔چینی نظام تعلیم۔اسلام آباد:انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۷۳) منصور خالد۔(۲۰۰۵ء)۔دینی مدارس میں تعلیم ۔(طبع سوم)۔ااسلام آباد :انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۷۴) منصور خالد،۔(۱۹۹۵ء)۔قومی تعلیمی پالیسی۔(طبع اول،)۔اسلام آباد:انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۷۵) منصور خالد۔(۱۹۹۸ء)۔تعلیم اسلامی تناظر میں۔(طبع چہارم)۔اسلام آباد:انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۷۶) منصور خالد؛مسلم سجاد، پروفیسر۔(۱۹۹۵ء)۔تعلیم اور نجی شعبہ۔(طبع دوئم)۔ اسلام آباد:انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔

۷۷) منصور خالد؛مسلم سجاد، پروفیسر۔(۱۹۹۵ء)۔پاکستان میں یکساں نظامِ تعلیم

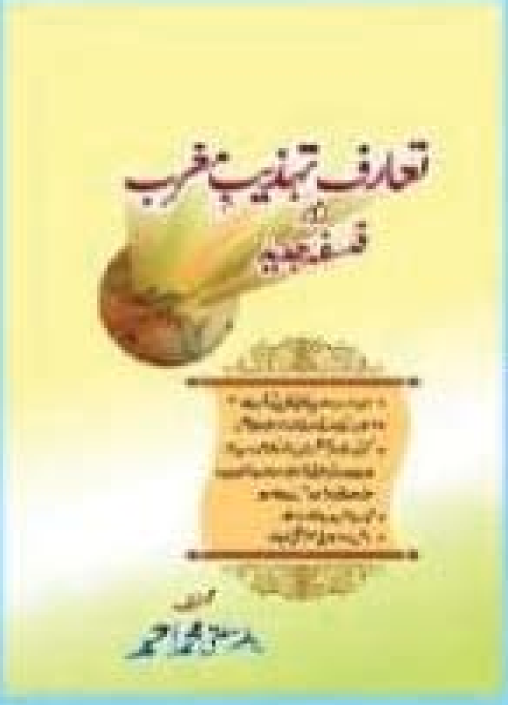
تعارف تہذیب مغرب
فلسفہ جدید